Copy Right Registration
No. 3794

قُرَّۃُ العُیُونْ فِی تَذکِرَۃُ الفُنُونْ

مَع اِضافاتِ جدیدہ

حضرت مولانا محمّد حنیف گنگوہی
فاضل دارالعلوم دیوبند

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی ۱

اِنتساب

مرکزِ علوم و فنون "دارالعلوم دیوبند" کے نام
جسکی عرفان انگیز فضائیں لاکھوں کروروں عارفین و
محدثین عظام اور فقہائے کرام کی آماجگاہ تربیت بنیں
میں اپنی یہ بضاعت مزجات معنون کرنے میں مسرت محسوس
کرتا ہوں۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی
(فاضل دیوبند)

فہرست کتب جن سے نظر تالیف میں استفادہ کیا گیا

نمبر شمار	اسمائے کتب	مجلدات	مصنف	سنہ وفات
۱	مفتاح السعادۃ	۲	احمد بن مصطفیٰ طاش کبری زادہ رومی	۹۶۲ھ
۲	کشف الظنون	۲	حاجی خلیفہ بن عبد اللہ معروف بملا کاتب چلپی	۱۰۶۷ھ
۳	الاتقان فی علوم القرآن	۱	علامہ جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
۴	ابجد العلوم	۱	نواب صدیق حسن خاں بھوپالی	
۵	تاریخ الادب العربی	۱	احمد حسن زیات مصری	
۶	علم آداب البحث والمناظرہ	۱	قاضی مصطفیٰ آفندی صبری	
۷	حجۃ اللہ البالغہ	۲	شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ
۸	مقدمہ ابن خلدون	۱	شیخ عبد الرحمٰن ابن خلدون المغربی	۸۰۸ھ
۹	تاریخ ادب عربی	۱	عبد الرحمٰن طاہر سورتی	
۱۰	ترجمان العلوم	۱	مولانا محمد مدثر احمد	
۱۱	ابن ماجہ اور علم حدیث	۱	مولانا محمد عبد الرشید نعمانی	
۱۲	اصول الفقہ	۱	شیخ محمد ابو زہرہ	
۱۳	کتاب العقل	۱	مولوی انوار اللہ حیدر آبادی	
۱۴	مقدمہ عنایات رحمانی	۱		
۱۵	السحاب المرکوم	۱	نواب صدیق حسن خاں بھوپالی	۱۳۰۷ھ
۱۶	دائرۃ المعارف	۱۲	بطرس بن بونس بن عبد اللہ بن کرم بستانی	۱۸۸۳ء
۱۷	التشریع الاسلامی	۱	شیخ محمد خضری بک	۱۳۴۵ھ
۱۸	صیحفہ ہمام بن منبہ (اردو)	۱	ڈاکٹر حمید اللہ صاحب	
۱۹	امام رازی	۱	مولانا عبد السلام ندوی	

فہرست مضامین مقدمہ کتاب قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
المقدمہ فی مبادی العلوم ومتعلقاتہا	۱۰	موضوعات علوم	۱۴
مبادی علوم	=	اغراض وغایات علوم	۱۵
شروط صحت وحسن تعریف	=	شئی کی تقسیم	//
ماہیت علم مطلق	۱۱	اقسام تقسیم	//
علم مطلق اور اسکی تعریفات	=	تقسیم کی ایک اور تقسیم	//
ماہیت علم سے متعلق ایک اور اختلاف	۱۳	شروط تقسیم	۱۶
اطلاقات علم واسمائے علوم مدونہ	=	تقاسیم واقسام علوم	//
		علوم اور ان کے اصول وفروغ	۱۷

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
دوحۂ اولی	۱۷	تصنیف وتالیف	۲۳
دوحۂ ثانیہ	"	طریق تالیف	۲۴
دوحۂ ثالثہ	"	طریق ترجمہ	"
دوحۂ رابعہ	"	اسالیب شرح	"
دوحۂ خامسہ	۱۸	بعض اصطلاحات مصنفین	"
دوحۂ سادسہ	"	حوالۂ نقل	۲۵
اصول علم	۱۹	طریق حوالۂ نقل	"
تعیین علم فرض عین	"	شرائط تحصیل علم	"
مراتب وشرف علم	۲۰	طریق تحصیل ملکہ	۲۹
تشریح حدیث ومنافع علم	۲۱	صرف مطالعہ کا علم اغلاط سے پاک نہیں ہوتا	۳۰
اقسام تدوین واصناف مدونات	۲۳		

فہرست مضامین مقدمہ کتاب قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
(۱) علم التفسیر	۳۰	حضرت عبد اللہ بن عباسؓ	۳۴	دوسری صدی	۳۸
تفسیر وتاویل کی لغوی تحقیق	"	طبقۂ ثانیہ	"	تیسری صدی	"
تفسیر کے اصطلاحی معنی	"	طبقۂ ثالثہ	"	چوتھی صدی	۳۹
		طبقۂ رابعہ	"	پانچویں صدی	"
وجہ تسمیہ	۳۱	طبقۂ خامسہ	"	چھٹی صدی	"
تفسیر وتاویل کا باہمی فرق	"	طبقۂ سادسہ	"	ساتویں صدی	"
علم تفسیر کا موضوع	"	طبقۂ سابعہ	"	آٹھویں صدی	"
غرض وغایت	"	طبقۂ ثامنہ	۳۷	نویں صدی	"
علم تفسیر کی فضیلت	"	طبقۂ تاسعہ	"	دسویں صدی	"
تفسیر کیلئے کن کن علوم کی ضرورت ہے	۳۲	(۲) علم اصول تفسیر	"	گیارہویں صدی	"
				بارہویں صدی	"
مفسر کے شروط وآداب	"	لغوی تحقیق	"	(۳) علم قراءت	۴۰
طبقات مفسرین	۳۳	اصطلاحی تعریف	"	لغوی تحقیق	"
طبقۂ اولی	"	وجہ تسمیہ	"		
حضرت علیؓ	"	موضوع اور غرض وغایت	"	اصلاح معنی	"
حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ	"	تدوین اصول تفسیر	"	موضوع	"
حضرت ابی بن کعبؓ	۳۴	پہلی صدی	۳۸	غرض وغایت	"

عنوان	صفحہ
خیر القرون اور قرائت	۴۰
دور تابعین	۴۱
قراء مدنیین	〃
قراء مکیین	۴۲
قراء کوفیین	〃
قراء بصرمیین	۴۳
قراء شامیین	〃
قراء سبعہ	〃
تیسری صدی	۴۵
چوتھی صدی	〃
پانچویں صدی	۴۶
چھٹی صدی	۴۸
(۴) علم تجوید	〃
لغوی معنی	〃
اصطلاحی معنی	〃
وجہ تسمیہ	〃
موضوع تجوید	〃
غرض وغایت	۴۹
تدوین تجوید	〃
(۵) علم حدیث	〃
حدیث کے لغوی معنی	〃
حدیث کے اصطلاحی معنی	〃
حدیث، خبر، اثر، سنت	〃
علم حدیث	〃
وجہ تسمیہ	۵۰
موضوع حدیث	〃
غرض وغایت	〃
شرف ومنزلت حدیث	〃
امی عرب اور حفاظت حدیث	۵۱
عہد رسالت میں صحابہ کے نوشتے	۵۲
کتابت حدیث کی ممانعت	۵۴
اور اسکی وجوہ	〃

عنوان	صفحہ
تدوین حدیث	۵۵
دوسری صدی کی تصنیفات	۵۷
کتاب الآثار	〃
ایک غلط فہمی کا ازالہ	〃
مئوطا امام مالک	〃
جامع سفیان ثوری	۵۸
کتاب الزہد والرقائق	〃
مئوطا امام محمد	〃
مسند ابو داؤد طیالسی	〃
مصنف عبد الرزاق	۵۹
مسند حمیدی	〃
مصنف ابن ابی شیبہ	〃
علم حدیث تیسری صدی میں	〃
تدوین صحاح ستہ وغیرہ	〃
مسند داری	〃
سنن ابی مسلم الکشی	〃
کتاب الدعا لابن ابی الدنیا	۶۰
مسند حارث بن ابی اسامہ	〃
مسند بزار	〃
مسند ابی یعلی الموصلی	〃
صحیح ابن خزیمہ	〃
صحیح ابو عوانہ	〃
معاجم ثلاثہ طبرانی	〃
چوتھی صدی	۶۱
صحیح ابن حبان	〃
سنن دار قطنی	〃
صحیح حاکم	〃
پانچویں صدی	〃
سنن بیہقی	〃
معرفۃ السنن والآثار	〃
کتاب الجمع بین الصحیحین للحمیدی	〃
(۶) علم اصول حدیث	۶۲
لغوی تحقیق	〃

عنوان	صفحہ
اصطلاحی تعریف	۶۲
موضوع	〃
غرض وغایت	〃
تدوین	〃
(علم فقہ)	۶۳
لغوی معنی	〃
اصطلاحی معنی	۶۴
علم فقہ کا موضوع	۶۵
غرض وغایت	〃
علم فقہ اور اسکی عظمت	〃
خیر القرون اور تفقہ فی الدین	〃
دور تابعین	〃
فقہائے سبعہ	۶۶
مدون وواضع علم فقہ	〃
ایک خلجان اور اسکا دفعیہ	۶۷
تصنیفات امام اعظم	〃
مئولفات فقہ حنفی	〃
مئولفات فقہ مالکی	۶۹
مئولفات فقہ شافعی	〃
مئولفات فقہ حنبلی	۷۰
(۸) علم اصول فقہ	〃
تعریف اصول فقہ	〃
موضوع	۷۱
غرض وغایت	〃
تدوین	〃
دوسری صدی	〃
شیعہ امام کا دعوی باطل	۷۲
تیسری صدی	〃
چوتھی صدی	〃
پانچویں صدی	〃
چھٹی صدی	۷۳
ساتویں صدی	〃
(۹) علم فرائض	۷۴

عنوان	صفحہ
لغوی معنی	۷۴
اصطلاح تعریف	//
موضوع	//
غرض وغایت	//
تدوین	//
عظمت علم فرائض	۷۵
(۱۰) علم حکم الشرائع	۷۶
لغوی تحقیق	//
اصطلاحی معنی	//
موضوع	//
غرض وغایت	//
عہد نبوی اور علم حکم الشرائع	//
عہد صحابہ میں علم الاسرار	۷۷
دور تابعین ومجتہدین	//
علم اسرار الدین اوراس کی باقاعدہ تدوین	۷۸
علم الاسرار اوراس کی اہمیت وعظمت	//
علم الاسرار اوراسکے فوائد	//
ایک ضروری تنبیہ	۷۹
(۱۱) علم الاشباہ والنظائر	//
لغوی تحقیق	//
اصطلاحی معنی	۸۰
موضوع	//
غرض وغایت	//
علم الاشباہ اوراسکی عظمت	//
علم الاشباہ اوراسکی تدوین	//
(۱۲) علم الفتاوی	//
لغوی تحقیق	//
اصطلاحی تعریف	۸۱
تاریخ فتاوی	//
مفتیان شرع متین	۸۱
ملت اسلامیہ کے پہلے مفتی	//
منصب افتاء پر صحابہ کرام	//
صحابہ کے بعد فتاوی	۸۲
افتاء کی اہمیت	//
افتاء کیلئے کن کن امور کی ضرورت ہے۔	//
کتب فتاوی	۸۳
(۱۳) علم کلام یا عقائد	۸۴
لغوی معنی	//
اصطلاحی تعریف	//
وجہ تسمیہ	//
موضوع	//
غرض وغایت	//
تدوین علم کلام	//
علم کلام اوراس کی ضرورت	۸۵
علم کلام علماء اعلام کی نظر میں	//
علم کلام اوراسکی دوشاخیں	
علم کلام اور طریق قدماء ومتاخرین	//
مخلوط علم کلام	۸۶
علم کلام اور آج کا دور	//
کتب کلام وعقائد	//
(۱۴) علم ادب	۸۷
لغوی تحقیق	//
اصطلاحی تعریف	//
وجہ تسمیہ	۸۸
علم ادب کا موضوع	//
غرض وغایت	//
ادب عربی کی اہمیت و	//
شرف عربیت	//
علم ادب کے متعلق ایک وہم کا ازالہ	۸۹
عربی ادب کی تاریخ	
پہلی صدی ہجری	۹۰
دوسری صدی ہجری	۹۱
تیسری صدی ہجری	//
چوتھی صدی ہجری	۹۲
پانچویں صدی ہجری	//
انواع علوم ادبیہ	//
ادبی علوم سے کیا مراد ہے	//
فن ادب کے ارکان اربعہ	۹۳
(۱۵) علم صرف	//
لغوی معنی	//
اصطلاحی معنی	//
موضوع	//
غرض وغایت	//
تدوین	//
(۱۶) علم نحو	۹۴
لغوی معنی	//
اصطلاحی تعریف	//
موضوع	//
غرض وغایت	//
شرف علم نحو	//
تدوین	//
نحاۃ قرن اول	۹۵
نحاۃ قرن ثانی	۹۶
نحاۃ قرن ثالث	۹۷
نحاۃ قرن رابع	//
اہل کوفہ واہل بصرہ کے نحوی جھگڑے	۹۸
(۱۷) علم معانی	۹۹
لغوی تحقیق	//

عنوان	صفحہ
اصطلاحی تعریف	۹۹
موضوع	″
غرض وغایت	″
تدوین	″
(۱۸) علم بیان	″
لغوی معنی	″
اصطلاحی تعریف	″
تحقیق بیان بلسان جاحظ	۱۰۰
موضوع	″
غرض وغایت	″
تدوین	″
(۱۹) علم بدیع	۱۰۱
لغوی تحقیق	″
اصطلاحی تعریف	″
موضوع	″
غرض وغایت	″
تدوین	″
(۲۰) علم منطق	۱۰۳
لغوی معنی	″
اصطلاحی تعریف	″
وجہ تسمیہ	″
موضوع	″
غرض وغایت	″
تدوین	″
علم منطق اور اسکی مستقل فنی حیثیت	″
منطق کے متعلق عام نظریہ	۱۰۴
اوراق منطق سے استنجاء	″
علم منطق رئیس العلوم ہے	۱۰۵
کتب منطق	۱۰۶
(۲۱) علم مناظرہ	″
لغوی معنی	″
اصطلاحی تعریف	″

عنوان	صفحہ
مناظرہ، مجادلہ، مظاہرہ	۱۰۶
موضوع	″
غرض وغایت	″
تدوین	۱۰۷
آداب بحث ومناظرہ	″
بعض الفاظ مصطلحہ کی ضروری تشریح	″
(۲۲) علم حکمت یا فلسفہ	۱۰۹
لغوی تحقیق	″
اصطلاحی تعریف	″
موضوع فلسفہ	۱۱۰
غرض وغایت	″
تاریخ فلسفہ	″
یونان	″
یونانی فلسفہ کی ابتداء	″
یونان میں فلسفہ کا مروج اول	″
طبقات فلاسفہ	۱۱۱
فلسفہ اور اتصال سند	″
فیثاغورث	۱۱۲
بقراط	″
سقراط	″
افلاطون	″
ارسطو	۱۱۳
اسکندر	۱۱۴
فلسفہ کے سات اسکول	″
تدوین اول	″
عہد اسلام میں نقول وتراجم	۱۱۵
منصوری دور	″
مامونی دور	″
اسماء ناقلین ومترجین	″
تدوین ثانی	″
تدوین ثالث	″
فلسفہ ارسطو پر مسلم فلاسفہ کی تنقیدی نظر	۱۱۶

عنوان	صفحہ
جامعین حکمت وشریعت	۱۱۶
کتب حکمت وفلسفہ	″
(۲۳) علم ہیئت	″
لغوی تحقیق	″
اصطلاحی معنی	″
موضوع ہیئت	۱۱۷
غرض وغایت	″
تدوین ہیئت	″
مجسطی بطلیموس	″
اہل عرب اور علم ہیئت	″
کتب ہیئت	۱۱۸
(۲۴) علم اصطرلاب	
لغوی تحقیق	″
اصطلاحی تعریف	″
موضوع اصطرلاب	″
غرض وغایت	″
تدوین	۱۱۹
(۲۵) علم حساب	″
لغوی معنی	″
اصطلاحی تعریف	″
موضوع حساب	″
غرض وغایت	″
اصول علم حساب	″
حساب کی ضرورت اور اس کی خوبی	″
تدوین	۱۲۰
(۲۶) علم ہندسہ	
لغوی معنی	″

عنوان	صفحہ
اصطلاحی تعریف	۱۲۱
موضوع	〃
غرض وغایت	〃
تدوین	〃
تحقیق اقلیدس	〃
کتاب اقلیدس	〃
ملخصات وشروح اقلیدس	〃
اقلیدس کے بعد	〃
علم ہندسہ اور اسکی خوبی	۱۲۱
فروغ ہندسہ	〃
(۲۷) علم طب	〃
لغوی معنی	〃
اصطلاحی تعریف	〃
موضوع	۱۲۱
غرض وغایت	〃
تاریخ طب	〃
ہندی طب	〃
چینی طب	۱۲۲
بابلی طب	〃
مصری طب	〃
یونانی طب	〃
رومی طب	۱۲۳
اسلامی طب	〃
(۲۸) علم التاریخ	۱۲۴
لغوی معنی	〃
اصطلاحی تعریف	〃
تاریخ کی عظمت اور اسکے فوائد	۱۲۴
آغاز تاریخ	〃
عرب میں تاریخ کی ابتداء	۱۲۵
قدیم مؤرخین اور انکی تصنیفات	〃
تاریخ کے مآخذ	۱۲۶
اقسام تاریخ	〃
تاریخی زمانے	〃
تاریخ کیلئے کیا کیا چیزیں لازم ہیں	〃
بہترین مؤرخ	〃

دیباچہ

یارب تو کریمی ورسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

حمد الله سیاج النعم،الذی هو موجود لاعن عدم،ولایدرکه بعدالهم،هوالمنان بفوائد النعم،وعوائد المزید والقسم،وصلی الله وسلم علی النبی وفاء الذمم،ارسله علی حین فترة من الرسل وطول هجعة من الامم،وانتقاض من المبرم،وخصه بجوامع الکلم ومنابع الحکم وعلی اله واصحابه مصابیح الظلم،صلوة وسلاما دائمین مانطق لسان وخط قلم . اما بعد

کچھ رنگ بیاں حالی ہے سب سے جدا اترا ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گذرتا ہے

انسان کی طبیعت وفطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ دست قدرت نے اس میں کسب کمالات اور جلب منفعت کی بے پناہ خواہش ودیعت فرمائی ہے۔ جب اسکے سامنے کسی شے کی خوبی یا منفعت کا ذکر ہوتا ہے تو اسکی طبیعت فوراً اسکی طرف مائل اور غیر محسوس طریقہ پر اس کی محبت قلب میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور اسکے تقرب وحصول میں وہ اپنی کامیابی سمجھتا ہے۔

یہی وہ فلسفہ ہے جس نے ہر طالب علم وفن پر اول وہلے ہی فن کی تعریف، موضوع، غرض وغایت اور مصنف کتاب کی سوانح حیات معلوم کرنا ضروری قرار دے دیا ہے۔ اور یہی وہ حکمت ہے جس کے پیش کی نظر ارباب بصیرت نے طلب علم کے واسطے ان امور کو بمنزلہ اصول ومبادی تسلیم کیا ہے۔

آجکل طبقہ طالبین میں جو عام بدمزاقی اور بے توجہی وبے رغبتی نظر آتی ہے اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے مدارس عربیہ میں جہاں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں وہاں عموماً فن کی تعریف، موضوع، غرض وغایت اور مصنف کتاب کی سوانح حیات صحیح معنی میں بیان نہیں ہوتی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو طالب کو اس فن سے کما ینبغی دلچسپی اور لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ وہ اسکے فوائد سے کماحقہٗ متمتع ہوتا ہے۔

کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو

اس خامی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے یہاں اس موضوع پر نہ عربی میں کوئی تصنیف ہی اور نہ فارسی وار دو میں کوئی تالیف جس میں ان امور کی خدمت کو کماحقہ انجام دیا گیا ہو۔

اس سلسلہ میں میری کتاب، ظفر المحصلین باحوال المصنفین، بحمد اللہ کئی بار چھپ کر قبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے جس میں مبادی علوم کی بحث مخلوط طریقہ پر کی گئی تھی۔ اب بعض احباب کی خواہش کے مطابق جدید اضافوں کی ساتھ، قرۃ العیون فی تزکرۃ الفنون، کے نام سے علیحدہ طور پہ کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ حق تعالی شرف قبولیت سے نوازے اور میرے لئے ذخیرہ آخرت بنائے (آمین)۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی
یکم صفر ۹۸ھ

المقدمتہ

فی مبادی العلوم و متعلقاتہا

مبادی علوم...... ہر علم کے شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے جنکو مبادی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ مبادی کے متعلق حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کہیں ارقام فرماتے ہیں کہ کسی فن کے مبادی کی تعلیم کی اصل غایت و غرض خود ان مبادی کی یادداشت یا اس کی تعلیم کے شمائل و خصائص کا تحفظ نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد متعلم و مستفیض میں ایک ایسی استعداد پیدا کر دینا ہے جو آئندہ تحصیل علوم کیلئے بطور ایک بنیاد و اساس کار آمد ہو، مبادی علوم امور عشرہ کہلاتے ہیں۔ یعنی علم کی تعریف، تعیین موضوع، بیان غرض و غایت، تصدیق بالفائدہ، تعارف واضع علم، بیان وجہ تسمیہ وغیرہ ابن ذکری نے تحصیل المقاصد، میں مبادی مذکورہ کو ذیل کے اشعار میں پیش کیا ہے۔

فاول الابواب فی المبادی ... وتلك عشرة علی المراد
الحد والموضوع ثم الواضع ... والاسم واستمداد حکم الشارع
تصور المسائل الفضیلة ... ونسبته فائدة جلیلة

وقال العلامة الصبان

ان مبادی کل فن عشرة ... الحد والموضوع ثم الثمرة
وفضله ونسبته والواضع ... والاسم الاستمداد حکم الشارع
مسائل والبعض بالبعض اکتفی ... ومن دری الجمیع حاز الشرفاء

ماہیت شئ کی تعریف اور اس کے اقسام...... کسی ماہیت کی تعریف احد یا قول شارح وہ ہے جس میں صحیح نظر و فکر کے ذریعہ مطلوب تک رسائی ہو، یعنی اس شئ کی حقیقت کی معرفت حاصل ہو جیسے الانسان حیوان ناطق یا شئ کے ماعدا سے امتیاز حاصل ہو۔ جیسے الانسان حیوان ضاحک۔ تعریف کی دو قسمیں ہیں۔ لفظی، حقیقی، تعریف لفظی یہ ہے کہ شئ کی تعریف ایسے لفظ سے کی جائے جو اس سے واضح تر ہو کتعریف السعدان بانہ بنت و تعریف الغضنفر بابہ اسد، تعریف حقیقی وہ ہے جس کا تصور مطلوب کے تصور تک پہنچادے۔ اس کی چار قسمیں ہیں۔ حد تام۔ جو جنس قریب اور فصل قریب سے مرکب ہوتی ہے۔ جیسے الانسان حیوان ناطق، حد ناقص۔ جو صرف فصل قریب سے یا فصل قریب اور جنس بعید سے مرکب ہوتی ہے جیسے الانسان ناطق او جسم ناطق، رسم تام۔ جو جنس قریب اور خاصہ سے مرکب ہوتی ہے۔ جیسے الانسان حیوان ضاحک، رسم ناقص جو صرف خاصہ سے یا خاصہ اور جنس بعید سے مرکب ہوتی ہے ۔ جیسے الانسان ضاحک او جسم ضاحک، پھر تعریف ماہیت موجودہ کی ہوگی یا غیر موجودہ کی، اول کو حقیقی کہتے ہیں۔ ثانی کو اسمی جیسے عنقاء کی تعریف بانہ طائر اہ۔

شروط صحت و حسن تعریف...... صحت تعریف حقیقی کے لئے اس کا جامع افراد ہونا، مانع دخول غیر ہونا، دور و تسلسل سے خالی ہونا اور معرف سے اجلی ہونا ضروری ہے۔ اگر ان شروط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو تعریف فاسد ہوگی، شروط حسن تعریف (یعنی وہ امور جن کے فقدان سے تعریف کا صرف حسن جاتا رہے فساد لازم نہ آئے۔) یہ ہیں کہ تعریف میں نادر و غریب الفاظ نہ ہوں، تعریف کلمہ او کیساتھ (جو تشکیک کے لئے ہوتا ہے) نہو قرینہ نہونیکی صورت میں تعریف مجاز پر مشتمل نہ ہو، تعریف مشترک الفاظ کے ساتھ نہو، البتہ اگر اقسام معرف کے بیان کے لئے کلمہ او استعمال کیا

جائے تو کوئی مضائقہ نہیں جیسے المبتداء ہو الاسم المرفوع العاری عن العوامل اللفظیہ اووصف رافع المستغنی عنہ۔

ماہیت علم مطلق...... بدیہی ہے کہ اس کی تعریف وتوصیف کی حاجت ہی نہ ہو یا نظری ہے کہ بلا غور وفکر کام ہی نہ چلے۔ نیز نظری ہونیکی صورت میں متعسر التحدید ہے ای غیر متعسر۔ اس میں اختلاف ہے، پہلا قول امام فخر الدین رازی کا ہے کہ علم بدیہی ہے۔ اسی کو صاحب سلم ملامحب اللہ بہاری نے حق قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ علم بالکل ظاہر وباہر شئی ہے البتہ وہ غایت وضوح کی وجہ سے حیز خفاء میں ہے۔

بداہت علم کی دلیل یہ ہے کہ غیر علم کے حصول کا مدار علم ہی پر ہے۔ اگر خود علم بھی نظری ہو کر محتاج علم آخر ہو جائے تو توقف شئی علی النفسہ لازم آئے گا جو باطل ہے۔

دوسری رائے امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک ابن عبد اللہ الجوینی اور حجۃ الاسلام امام غزالی کی ہے کہ علم متعسر التحدید ہے۔ اس واسطے کہ جب اشیاء محسوسہ کی بھی تحدید ایسی عبارت کے ساتھ متعسر ہے جو جامع جنس وفصل ہو تو غیر محسوسات میں یہ چیز بطریق اولی متعسر ہوگی۔

تیسرا نظریہ متکلمین کا ہے کہ علم نظری تو ہے لیکن ممکن التحدید ہے۔ یہی راجع ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے اور کیف اجناس عشرہ میں سے ایک جنس ہے تو علم بھی ایک جنس ہوا۔ اور قاعدہ ہے کہ ہر جنس کے لئے فصل ہوتی ہے نیز جس چیز کے لئے جنس وفصل ہو اس کی کوئی نہ کوئی حد ہوتی ہے اور حد نظریات کا خاصہ ہے۔ لہذا علم بھی نظری ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس کی حدو ہی جنس وفصل ہوں گے جو اس کی حقیقت ہیں اس لئے علم ممکن التحدید بھی ہوگا۔

علم مطلق اور اس کی تعریفات...... جن لوگوں نے علم کو ممکن التحدید مانا ہے۔ انہوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے پندرہ تعریفیں نقل کی ہیں مگر ہر ایک پر کوئی نہ کوئی نقص موجود ہے۔ ہم یہاں چند تعریفیں سپرد قلم کر رہے ہیں۔

(١) العلم ھو حصول صورۃ الشئی فی العقل۔

قوت دراکہ جو انتقاش اشیاء کے لئے مثل آئینہ انسان کے اندر ودایعت ہے اور عقلاء اس کو عقل وذہن سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس میں شئی معلوم کی صورت کا حاصل ہونا علم کہلاتا ہے۔ خواہ وہ شئی کلی ہو یا جزئی ہو، موجود ہو یا معدوم، یہ مطلق علم کی مشہور تعریف ہے۔ جس کے متعلق ابن صدر الدین نے کہا ہے کہ یہ محققین حکماء کے نزدیک اصلح الحدود ہے۔ میر باقر داماد صاحب "الافق المبین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس قول پر علم مقولہ کیف سے ہے۔ مگر اس میں یہ خامی ہے کہ یہ ظن، جہل مرکب، تقلید، شک، وہم سب کو شامل ہے۔ حالانکہ ان کو تحت العلم داخل کرنا استعمال لغت، عرف، شرع سب کے خلاف ہے۔ اس واسطے کہ جاہل بجہل مرکب کو نہ باعتبار لغت عالم کہا جاتا ہے نہ باعتبار عرف شرع ورنہ لازم آئے گا کہ جو شخص واقعۃ اجہل الناس ہو وہ علم الناس ہو جائے۔ اسی طرح ظان، شاک اور واہم کو بھی عالم نہیں کہا جاتا۔

(٢) الصورۃ الحاصلۃ من الشئی عند العقل۔

یعنی شئی معلوم کی وہ صورت جو عقل انسانی میں حاصل ہوتی ہے اس کو علم کہتے ہیں۔ یہ صورت باعتبار ماہیت متحد ہوتی ہے اور باعتبار تشخص مختلف۔ یہ جمہور فلاسفہ کا مذہب ہے۔ جو اشیاء کے لئے وجود ذہنی کے قائل ہیں۔

(٣) الحاضر عند المدرک۔

یہ ان حکماء کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جب تک حضور حاصل نہ ہو اس وقت تک شئی منکشف نہیں ہو سکتی۔

(٤) بعض کے نزدیک علم ایک نور ہے۔ قائم لذاتہ اور واجب لذاتہ جو کسی مقولہ کے تحت میں داخل نہیں۔

(۵) قبول النفس لتلك الصورۃ۔
یہ ان حکماء کا مذہب ہے جو اس کے قائل ہیں کہ انتقاش المدرک بصورۃ کا نام علم ہے۔ اس قول پر علم مقولہ انفعال سے ہے۔

(۶) العلم هو صفة بسيطة ذات اضافة قائمة بالمدرك عليها مدر الامتياز۔
علم ایک ذات الاضافۃ صفت بسیط ہے جو مدرک کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اسی پر مدار امتیاز ہے۔ یہ علمائے ماتریدیہ کا مذہب ہے جن کے یہاں اس صفت کو حالت انجلائیہ کہا جاتا ہے۔

(۷) العلم هو الذی یوجب کون من قام به عالما۔
یہ تعریف شیخ ابوالحسن اشعری کی ہے جو محل علم کے اعتبار سے ہے۔ اسپر لزوم دور کا اعتراض ہے۔ کیونکہ علم کی اس تعریف میں عالم ماخوذ ہے۔ شیخ نے متعلق علم کا اعتبار کرتے ہوئے یوں بھی تعریف کی ہے۔ "العلم ادراك المعلوم علی ماهو به اس تعریف پر بھی لزوم دور کا اعتراض ہے۔ کیونکہ تعریف میں معلوم ماخوذ ہے۔ علاوہ ازیں اس میں علم کے لئے ادراک کو استعمال کیا گیا ہے جو مبنی بر مجاز ہے۔ کیونکہ ادراک کے حقیقی معنی لحوق و وصول ہیں اور حدود میں مجاز کا استعمال مستنکر ہے۔

(۸) العلم اعتقاد جازم مطابق لموجب۔
علم پختہ اعتقاد کا نام ہے جو موجب صحیح کے مطابق ہو۔ یہ تعریف امام فخر الدین رازی کی ہے جو انہوں نے علم کے بدیہی ہونے سے تنزل اختیار کرتے ہوئے کی ہے۔ اور یہ تعریف تقریباً بے غبار ہے۔ بجز آنکہ اس سے تصور خارج ہو جاتا ہے کیونکہ تصور تحت الاعتقاد مندرج نہیں ہے۔ حالانکہ تصور علم ہے۔

(۹) العلم هو صفة توجب لمحلها تميزا بين المعانى لايحتمل النقيض۔
علم وہ صفت ہے جو اپنے محل کے لئے معانی کے درمیان ایسی تمیز کو واجب کرے جو محتمل نقیض نہ ہو، اس میں صفت سے مراد امر قائم بالغیر ہے اور محلہا سے مراد اس صفت کا موصوف ہے اور تمیزا کے ذریعہ سے ادراکات کے علاوہ تمام صفات نفسانیہ شجاعت وغیرہ اور صفات غیر نفسانیہ سواد وغیرہ خارج ہو گئیں اور بین المعانی کے ذریعہ سے حواس ظاہرہ کے ادراکات خارج ہوئے۔ فانہا توجب تمیزا فی الامورا لعینیہ اور لا یحتمل النقیض کے ذریعہ سے ظن، شک اور وہم خارج ہو گئے۔ کیونکہ ان میں جو تمیز حاصل ہوتی ہے اس کا متعلق محتمل نقیض ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سے جہل مرکب بھی خارج ہو گیا۔ کیونکہ اس میں اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ صاحب جہل مرکب آئندہ زمانہ میں امر واقعی پر مطلع ہو جائے اور اس نے ایجاب یا سلب کے طور پر جو حکم لگایا ہے وہ اس کی نقیض کی طرف محول ہو جائے، نیز اس سے تقلید بھی خارج ہو گئی۔ کیونکہ وہ بذریعہ تشکیک زائل ہو جاتی ہے۔ یہ تعریف پسندیدہ متکلمین ہے۔ جس کو صاحب مواقف نے مختار کہا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تعریف علوم عادیہ کو شامل نہیں۔ مثلاً اس بات کا علم کہ ہم نے جو پہاڑ گزشتہ زمانہ میں دیکھا تھا وہ ابھی تک پتھر ہی کا ہے سونے کا نہیں بنا کہ یہ محتمل نقیض ہے لجواز خرق العادۃ۔

(۱۰) الاضافة الحاصلة بين العالم والمعلوم۔
عالم و معلوم میں ایک نسبت ہوتی ہے۔ جس کی تعبیر تعلق سے کی جاتی ہے۔ یہ قول جمہور متکلمین کا ہے۔

(۱۱) اکثر اشاعرہ اس پر یہ بات زیادہ کرتے ہیں کہ علم صفت حقیقہ تعلق والی ہے۔ اس صورت میں دو چیزیں ہوئیں ایک صفت دوسری چیز تعلق۔

(۱۲) بعض حضرات نے ایک اور بات زیادہ کی اور وہ تین چیزوں کے قائل ہوئے۔ ایک علم جو صفت موجودہ ہے

دوسری عالمیت جواز قبیل احوال ہے۔ تیسرے ان دونوں میں سے کسی ایک کا یا دونوں کا تعلق۔

(۱۳) اعتقاد الشئی علی ماھو بہ۔

یہ تعریف بعض معتزلہ کی ہے کہ جس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ مدخول ہے کیونکہ اس میں وہ تقلید بھی داخل ہو جاتی ہے جو واقع کے مطابق ہو۔ نیز اس سے امر مستحیل کا علم خارج ہو جاتا ہے کیونکہ مستحیل باالاتفاق شئی نہیں ہے۔

(۱۴) معرفۃ العلوم علی ماھو بہ۔

یہ تعریف قاضی ابو بکر باقلانی کی ہے۔ لیکن یہ بھی مدخول ہے بایں معنی کہ اس سے علم باری تعالیٰ خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ علم باری تعالیٰ کو معرفت نہیں کہا جاتا۔ علاوہ ازیں اس میں لفظ معلوم مذکور ہے جو علم سے مشتق ہے اور یہ مستلزم دور ہے۔

(۱۵) العلم ادراک الشئی بحقیقتہ۔

علم وہ ادراک ہے جو ٹھیک حقیقت کے موافق ہو۔ یہ تعریف امام راغب کی ہے۔

(۱۶) العلم اتحاد مع العلوم۔

حکیم فرنوریوس کے نزدیک یہی مختار ہے۔

(۱۷) العلم اتحاد مع العقل الفعال۔

(۱۸) العلم مقارنۃ العالم للمعلوم فی العقل الفعال۔

ان تینوں تعریفوں پر علامہ بحر العلوم نے شرح سلم العلوم میں کئی اعتراض نقل کئے ہیں۔

(۱۹) ھو صفۃ یتجلی بھا المذکور لمن قامت ھی بہ

علم ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعہ سے شئی مذکور ہر اس شخص کے سامنے روشن ہو جاتی ہے جس کے ساتھ وہ صفت قائم ہو۔ اس میں لفظ مذکور موجود و معدوم ہو، ممکن اور مستحیل سب کو شامل ہے۔ نیز مفرد و مرکب اور کلی و جزئی کو بھی شامل ہے۔ اور تجلی سے مراد انکشاف تام ہے۔ جس کے ذریعہ ظن اور جہل مرکب تعریف سے خارج ہو گئے، اس تعریف کے متعلق میر سید شریف نے شرح مواقف میں کہا ہے کہ کشف ماہیت علم کی بابت یہ تعریف احسن الحدود ہے۔

(۲۰) امام مالک فرماتے ہیں کہ علم ایک نور ہے جس کی روشنی میں حقائق اشیاء اسی طرح نظر آنے لگتی ہیں جیسا کہ آفتاب کی روشنی میں سیاہ و سفید۔

ماہیت علم سے متعلق ایک اور اختلاف ...... ماہیت علم سے متعلق ایک اور اختلاف ہے اور وہ یہ کہ کسی شئی کا علم اس کے وجود فی الذہن کو مستلزم ہے جیسا کہ فلاسفہ اور بعض متکلمین کا خیال ہے یا ذہن میں عالم و معلوم کے درمیان تعلق کا نام علم ہے جیسا کہ جمہور متکلمین کہتے ہیں۔ اس کو یوں سمجھو کہ کسی چیز کے علم ہونے پر تین امور محقق ہوتے ہیں۔ ایک وہ صورت جو ذہن میں حاصل ہوتی ہے۔ دوم اس صورت کا ذہن میں مرتسم ہونا۔ سوم اس صورت کو نفس کا قبول کر لینا۔ تو اب تین میں سے علم کس کا نام ہے۔ بعض نے اول کو علم کہا اور بعض نے ثانی کو اور بعض نے ثالث کو۔

اطلاقات علم و اسمائے علوم مدونہ ...... لفظ علم کا اطلاق جس طرح معانی مذکورہ پر ہوتا ہے اسی طرح اس کے مرادف یعنی اسمائے علوم مدونہ پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ علم کا اطلاق علوم مدونہ کی طرح چند معانی پر ہوتا ہے۔ اول مسائل مخصوصہ پر یقال فلان یعلم النحو۔ دوم ادراک و معرفت قواعد پر، مگر محض قواعد کی معرفت کا حاصل ہو جانا کافی نہیں۔ بلکہ دلیل کے ساتھ حاصل ہونا شرط ہے۔ لہذا جو شخص محض تقلیدی طور پر قواعد جانتا ہو اس کو عالم نہیں کہیں گے۔ سوم ملکہ

پر یعنی اس کیفیت پر جو نفس میں راسخ ہو۔
ملکہ کو اس وقت تک علم نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اس کے ذریعہ سے امور مخزونہ فی الحافظہ اور جزئیات معلومہ کا استحضار نہ ہو جائے اور غیر حاصل اس کے ذریعہ سے حاصل نہ ہو جائے۔ مثلاً اہل معانی نے تراکیب بلغاء سے مستنبط کر کے ایسے چند اصول مقرر کر دیئے کہ ان کے ادراک و ممارست اور کثرت تصفح و مزاولت سے نفس کو ایک ایسی قوت حاصل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان ان اصول کی جزائیات کا جس وقت چاہے استحضار کر سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ و جزائیات مجہولہ کے استحضار پر بھی متمکن ہو جاتا ہے۔ علامہ سیالکوٹی نے ذکر کیا ہے کہ علم بمعنی ملکہ میں صرف ملکہ استحضار معتبر ہے جو تکرار مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ مابقیہ کے استحصال کا تمکن معتبر نہیں۔
چہارم مفہوم کلی اجمالی پر پنجم مسائل، مبادی تصوریہ، مبادی تصدیقیہ اور موضوعات کے مجموعہ پر۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ اجزاء العلوم ثلثۃ، میر سید شریف جرجانی کی تحقیق یہ ہے کہ لفظ عام کا استعمال ادراک قواعد میں بطریق حقیقت ہے اور ملکہ میں جو باعتبار حصول ادراک کا تابع ہے اور باعتبار بقاء وسیلہ ہے اور متعلق ادراک (مسائل) کے اندر اس کا استعمال بطریق حقیقت عرفیہ ہے یا بطریق حقیقت اصطلاحیہ مجاز مشہور۔
موضوعات علوم...... سعادت انسانیہ کا مدار حسب وسعت حقائق و احوال اشیاء کی معرفت پر ہے اور حقائق و احوال اشیاء میں غیر معمولی تکثر ہے۔ اس لئے علماء اولین نے ضبط احوال و تسہیل تعلیم کے پیش نظر شئی واحد یا چند اشیاء متناسبہ کے احوال ذاتیہ و عوارض کو علیحدہ کر کے ان سے بحث کی ہے اور علوم مدون کئے ہیں۔ اشئی منفردہ یا اشیاء متناسبہ کے حوال ذاتیہ و عوارض کو علیحدہ کر کے ان سے بحث کی ہے۔ اور علوم مدون کئے ہیں۔ اشئی منفردہ یا اشیاء متناسبہ کو اصطلاحی زبان میں موضوعات کہتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے علوم کا امتیاز ہوتا ہے۔ پس ہر علم کا ایک موضوع ہوگا۔ جس میں اس کے عوارض ذاتیہ کے سلب و ثبوت سے بحث ہوگی۔ جیسے علم طب کا موضوع جسم انسانی ہے اس حیثیت سے کہ امراض جسم انسانی کو لاحق ہوتے ہیں اور علاج کے ذریعہ سے ان کا تدارک کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نحو کا موضوع کلمہ ہے۔ علم نحو کلمہ کے ان عوارض و احوال سے بحث کرتا ہے جو اس کو باعتبار معرب و مبنی پیش آتی ہیں۔ و علی ہذا القیاس۔
پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ایک علم کا جو موضوع ہو اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی دوسرے علم کا موضوع نہ ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہی کسی دوسرے علم کا بھی موضوع ہو یا اس سے اخص ہو یا اعم ہو یا مبائن ہو۔ لیکن وہ دونوں کسی امر ثالث کے تحت میں مندرج ہوں۔ یا مبائن ہو اور کسی امر ثالث کے تحت میں بھی مندرج نہ ہوں۔ لیکن کسی نہ کسی وجہ سے دونوں میں اشتراک ہو یا دونوں علی الاطلاق ہی مبائن ہوں۔ پس یہ کل چھ صورتیں ہوئیں۔ اول یہ کہ جو موضوع ایک علم کا ہے وہی بعینہ دوسرے علم کا موضوع ہو۔ اس صورت میں موضوع مخصوص ہیئت کے ساتھ مقید ہوگا مثلاً اجرام عالم علم ہیئت کا بھی موضوع ہیں اور علم سماء عالم کا بھی لیکن علم ہیئت کا موضوع ہونا بحیثیت شکل ہے اور علم سماء عالم کا موضوع ہونا بحیثیت طبیعت ہے۔
دوم و سوم یہ کہ ایک علم کا موضوع دوسرے سے اخص ہو یا اعم ہو تو یہ عموم و خصوص یا تو علی وجہ التحقیق ہوگا بایں طور کہ عموم و خصوص کسی امر ذاتی کے سبب سے ہو۔ مثلاً عام خاص کے لئے جنس ہو یا امر عارض کے سبب سے ہو۔ اول کی مثال جیسے مقدار اور جسم تعلیمی ہے کہ جسم تعلیمی اخص ہے اور مقدار اس کے لئے جنس ہے جو علم ہندسہ کے موضوع ہے اور جسم تعلیمی مجسمات کا موضوع ہے۔ ثانی کی مثال موجود اور مقدار ہے کہ موجود علم الٰہی کا موضوع ہے اور مقدار علم ہندسہ کا موضوع ہے جو موجود سے اخص ہے۔ لکن لا لانہ جنسہ بل لکونہ عرضا عامالہ۔
چہارم یہ کہ دونوں موضوع متبائن ہوں اور کسی امر ثالث کے تحت میں مندرج ہوں جیسے علم ہندسہ اور علم

حساب کا موضوع کہ یہ دونوں تحت الکم داخل ہیں
پنجم یہ کہ دونوں موضوع متبائن ہوں اور کسی وجہ سے مشترک ہوں جیسے موضوع طب اور موضوع اخلاق کو قوی انسانیہ میں ان دونوں کا اشتراک ہے۔
ششم یہ کہ ان دونوں میں علی الاطلاق تبائن ہو جیسے علم حساب اور علم طب کہ علم حساب کا موضوع عدد ہے اور علم طب کا موضوع بدن انسان اور ان دونوں میں کسی قسم کا اشتراک نہیں ہے۔

اغراض وغایات علوم...... جب آدمی کوئی کام کرتا ہے تو اس پر کوئی نہ کوئی اثر مرتب ہوتا ہے۔ اب یہ اثر بایں حیثیت کہ وہ اس فعل کا نتیجہ اور ثمرہ ہے فائدہ کہلاتا ہے۔ اور بایں حیثیت کہ وہ انتہاء فعل کے بعد ہوتا ہے غایت کہلاتا ہے تو فائدہ فعل اور غایت فعل دونوں بالذات متحد ہوئے اور بالاعتبار مختلف۔ پھر یہی اثر مذکور اگر اس فعل میں فاعل کے اقدام کے سبب ہو تو فاعل کے لحاظ سے غرض اور مقصود کہلاتا ہے اور اس کے فعل کے لحاظ سے علت غائیہ۔ پس غرض اور علت غائیہ بھی بالذات متحد ہیں اور بالاعتبار مختلف اور اگر سبب اقدام نہ ہو تو اس کو صرف فائدہ اور غایت کہتے ہیں تو غایت علت غائیہ کے لحاظ سے عام ہے۔ افادۃ العلامۃ الشریف۔

شئی کی تقسیم...... دو طرح کی ہوتی ہے ایک تقسیم الکلی الی جزئیاتہ جیسے جسم کی تقسیم نامی اور غیر نامی کی طرف۔ اور ایک تقسیم الکلی الی اجزاۂ جیسے پانی کی تقسیم آکسیجن اور ہائیڈروجن کی طرف اور ہوا کی تقسیم آکسیجن وازوت کی طرف۔ ان دونوں تقسیموں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں شئی کو اس کے اقسام میں سے ہر قسم پر بطریق مواطاۃ محمول کر سکتے ہیں جیسے الاسم کلمۃ، الفعل کلمۃ، بخلاف دوسری صورت کے کہ اس میں حمل بالمواطاۃ جائز نہیں بلکہ حمل بالاشتقاق (حمل بذریعہ ذو) ہوتا ہے جیسے الماء ذو اکسیجن، شئی منقسم کو مقسم اور مورد قسمت کہتے ہیں۔ اور اجزاء مقسمہ کو اقسام اور اقسام میں سے ہر ایک کو دوسرے کے لحاظ سے قسیم۔ اور وہ اجزاء جو مقسم میں داخل ہوں۔ اور اقسام میں مذکور نہ ہوں ان کو واسطہ کہتے ہیں۔ مثلاً الحیوان ناطق وصاہل میں حیوان مقسم ہے اور ناطق وصاہل اقسام اور ناطق بلحاظ صاہل اور صاہل بلحاظ ناطق قسیم، اور حیوان مفترس وحیوان مجتری (جو مقسم میں داخل ہیں اور اقسام میں مذکور نہیں) واسطہ کہلاتے ہیں۔
پھر تقسیم میں مقسم کبھی تو اقسام کے ساتھ صراحۃً مذکور ہوتا ہے جیسے الانسان اما انسان کاتب او انسان غیر کاتب اور کبھی تقدیراً ہوتا ہے۔ جیسے الحیوان اما ناطق او صاہل۔ اور کبھی صرف اقسام میں ملحوظ ہوتا ہے جیسے کلمہ کی تقسیم اسم، فعل اور حرف کی طرف۔

اقسام تقسیم...... تقسیم کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی اور اعتباری تقسیم حقیقی وہ ہوتی ہے جس کے اقسام عقلاً اور خارجاً ہر دو اعتبار سے متبائن ہوں جیسے حیوان کی تقسیم ناطق وصاہل کی طرف، بخلاف تقسیم اعتباری کے کہ اس میں تبائن خارجی شرط نہیں بلکہ صرف تباین عقلی شرط ہے۔ پس تقسیم حقیقی میں مفہومات وماصدقات ہر دو میں تغایر منظور ہوتا ہے اور تقسیم اعتبار میں تغایر صرف مفہومات میں جیسے کلی کی تقسیم اس کے اقسام خمسہ، جنس، نوع، فصل، خاصہ اور عرض عام کی طرف کہ یہ پانچوں قسمیں باعتبارات مختلفہ شئی واحد یعنی لون پر صادق ہیں۔ چنانچہ لون اسود وابیض کے لئے جنس ہے اور مکیف کیلئے نوع (کیونکہ تکیف بغیر لون کے بھی ہوتا ہے جیسے تکیف بالحرارہ، تکیف بالبرودہ) اور کثیف کے لئے فصل ہے (کیونکہ غیر کثیف متصف باللون نہیں ہوتا) اور جسم کیلئے خاصہ ہے (کیونکہ جو شئی جسم نہیں وہ ملون نہیں ہوتی) اور حیوان کیلئے عرض عام ہے۔

تقسیم کی ایک اور تقسیم...... تقسیم کی ایک اور تقسیم بھی ہے جس میں وہ عقلی، استقرائی، جعلی اور قطعی کی طرف مقسم ہوتی ہے۔ تقسیم عقلی وہ ہے جس میں عقل قسم آخر کا وجود جائز نہ رکھے۔ جیسے معلوم کی تقسیم موجود وغیر موجود کی

طرف کہ ان دونوں قسموں کے علاوہ کسی تیسری قسم کا وجود عقلاً غیر متصور ہے یہ تقسیم نفی واثبات کے درمیان دائر ہوتی ہے۔ یعنی شئی اور اس کی نقیض یا مساوی نقیض سے مرکب ہوتی ہے۔ تقسیم استقرائی وہ ہے جس میں عقل قسم آخر کا وجود جائز رکھے گو بالفعل وہ قسم موجود نہ ہو جیسے عنصر کی تقسیم تراب، ماء ہوا اور نار کی طرف، اس تقسیم میں اصل تو یہی ہے کہ یہ نفی واثبات کے درمیان دائر نہ ہو۔ لیکن کبھی کبھی ضبط اقسام کی خاطر اس کے خلاف بھی کر لیتے ہیں جیسے یوں کہتے ہیں العنصر اماتراب اولا وہذاالماءاولا۔ تقسیم جعلی جیسے مولفین کتب کا اپنی تصانیف کو ابواب معدودہ (عشرہ وغیرہ) پر منقسم کرنا کہ یہ تقسیم ان کے لحاظ سے جعلی ہے اور قارئین کتب کے لحاظ سے استقرائی، تقسیم قطعی وہ ہے جس میں عقل بواسطہ دلیل یا بواسطہ تنبیہ کسی قسم آخر کا وجود جائز نہ رکھے۔

شروط تقسیم ...... تقسیم کیلئے جامع افراد ہونا، مانع دخول غیر ہونا، متباین الاقسام ہونا اور قسیم شئی کا قسم نہ ہونا، قسم شئی کا قسیم نہ ہونا۔ نیز اقسام کا مترادف یا متساوی یا عموم وخصوص مطلق یا عموم وخصوص مطلق یا عموم وخصوص من وجہ کی نسبت پر مشتمل نہ ہونا ضروری ہے۔ پس اگر تقسیم جامع نہ ہو جیسے انسان کی تقسیم ابیض وزنجی کی طرف (کہ اس سے اصفر خارج ہے) یا مانع نہ ہو جیسے حیوان کی تقسیم ابیض اور انسان کی طرف (کہ اس میں حجر بھی داخل ہے) یا متباین الاقسام نہ ہوں۔ جیسے حیوان ناطق کی تقسیم انسان اور بشر کی طرف تو ان سب صورتوں میں تقسیم فاسد ہوگی۔

تقاسیم واقسام علوم ...... علم گو معنی واحد اور حقیقت واحدہ ہے لیکن جہات مختلفہ اور اعتبارات متعددہ کے لحاظ سے اقسام کثیرہ تصور وتصدیق، ضروری وکسبی اور کشفی ولدنی وغیرہ کی طرف منقسم ہوتا ہے۔ مثلاً

جب ہم کسی امر کا تصور اور کسی حقیقت کا ادراک کریں تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ہم اس پر کسی بات کا حکم لگائیں گے جس کو تصدیق کہتے ہیں یا حکم نہیں لگائیں گی جس کو تصور کہتے ہیں۔ پس مطلق علم کلی یہ دو قسمیں ہیں۔ تصور اور تصدیق ان میں سے ہر ایک کی پھر دو صورتیں ہیں یا تو بلا کسب وطلب حاصل ہوگا جیسے الم ولذت، وجود وعدم اور حرارت وبرودت وغیرہ کا تصور اور نفی واثبات کے عدم اجتماع وعدم ارتفاع کی تصدیق۔ اس قسم کے علوم کو علم ضروریہ بدیہہ کہتے ہیں یا بذریعہ کسب وطلب حاصل ہوگا۔ یعنی امور مجہولہ کی تحصیل میں ایسے طریق کی ضرورت ہوگی جس کے توصل سے ان کو علم ہو سکے، اس قسم کے علوم کو علوم کسبیہ کہتے ہیں۔ اب اگر مجہولات کا علم بتوصل امور بدیہہ ہو تو اس کو علم نظری کہتے ہیں اور اگر بتوصل استعداد محل واصلاح قلب اور تصفیہ باطن وتزکیہ نفس ہو تو اس کو علم مکاشفہ کہتے ہیں جو اہل اللہ کی اصطلاح میں علم الحقائق کہلاتا ہے۔ والیہ اشار المولی الجامی بقولہ

جان زاہد ساحل وہم خیال جان عارف غرقہ بحر شہود

نیز اگر علم کا حصول بطریق تعلیم لفظی وتدریس قولی ہو تو اس کو علم ظاہری کہتے ہیں اور اگر بطریق فیض الٰہی والہام ربانی ہو تو اس کو علم باطنی کہتے ہیں جو اہل حقیقت اور صوفیہ حضرات کی اصطلاح میں علم لدنی سے تعبیر کیا جاتا ہے بایں معنی کہ اس میں تعلیم خداوندی کے سوا اور کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ کما قال بعضہم۔

تعلمنا بلاحرف وصوت قرانا ہ بلاسھو وفوت

حدیث من عمل بما علم ورثہ اللہ علم مالم یعلم سے اسی علم کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص معلوم کی ہوئی بات پر عمل کرتا ہے حق تعالیٰ اس کو غیر معلوم باتوں کے علم کا بھی وارث بنا دیتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ علم لدنی حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور علم ظاہری معلمین ومدرسین دیتے ہیں۔ کیونکہ تعلیم علم وتسہیل اسباب تو بہر صورت من جانب اللہ ہے۔ تعلیم علوم وفنون ہو یا تعلیم صنعت وحرفت، تعلیم علوم ظاہری ہو یا تعلیم علوم باطنی، چنانچہ حضرت آدمؑ کو جمیع لغات کا علم دیا اور فرمایا "وعلم آدم الاسماء کلہا حضرت داؤدؑ کو زرہ سازی سکھائی اور فرمایا" وعلمناہ صنعۃ لبوس الکم

حضرت عیسیٰ کو علم طب عطا کیا اور فرمایا "ویعلمه الکتاب والحکمة . حضرت خضر کو علم لدنی سے بہرہ ور فرمایا۔ "وعلمناه من لدنا علما . نبی کریم ﷺ کو علم قرآن اور اسرار الوہیت سے سرفراز کیا اور فرمایا "وعلمك مالم تكن تعلم انسان کو نطق و گویائی کا شرف بخشا اور فرمایا "خلق الانسان علمه البيان صاحب کشف الاسرار نے لکھا ہے کہ علم کی تین قسمیں ہیں۔ خبری، الہامی، غیبی۔ ان میں سے ہر ایک کی تعریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ علم خبری گوشہا شنود علم الہامی دلہا شنود، علم غیبی جانہا شنود یعنی علم خبری وہ ہے جو کانوں سے سن کر حاصل ہو۔ علم الہامی وہ ہے جو دلوں سے مسموع ہو۔ علم غیبی وہ ہے جو قلب وروح پر آشکارا ہو، ان میں سے ہر ایک کے طریق حصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، علم خبری بروایت است، علم الہامی بہدایت است، علم غیبی بعنایت است، یعنی علم خبری کا حصول بذریعہ روایت ہوتا ہے اور علم الہامی کا حصول بطریق ہدایت اور علم غیبی کا حصول بطور عنایت۔ اس کے بعد ہر ایک کا ثبوت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں علم خبری را گفت "فاعلم انه، لااله الاالله علم الهامی را گفت ان الذین اوتوا العلم من قلبه علم غیبی را گفت وعلمناه من لدنا علما۔

علوم اور ان کے اصول وفروع ...... منضبط کرنے کیلئے صاحب شفاء، صاحب فوائد خاقانیہ اور علامہ حفید وغیرہ ارباب علم نے مختلف اسالیب اختیار کئے ہیں مگر ان سب میں بہتر اور جامع اسلوب صاحب مفتاح السعادۃ کا ہے فرماتے ہیں کہ

جملہ اشیاء کے لئے کتابت، عبارت، اذہان ا، اعیان چار مراتب میں وجود ہوتا ہے اور ان مراتب اربعہ میں سے ہر سابق لاحق کا وسیلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ کتابت اور خط الفاظ پر دال ہوتے ہیں اور الفاظ موجود فی الاذہان پر اور یہ موجود فی الاعیان پر، اور جو علم ان میں سے پہلے تین مرتبوں سے متعلق ہو وہ تو علم آلی ہے اور جو متعلق بالاعیان ہو وہ عملی ہو گا یا نظری، پھر ان دونوں میں سے ہر ایک میں یا تو بایں حیثیت بحث ہو گی کہ وہ شریعت سے ماخوذ ہے یہی علم شرعی ہے۔ یا بایں حیثیت بحث ہوگی کہ وہ متقضائے علم ہے۔ اسی کو علم حکمی کہتے ہیں، پس یہ سات اصول ہیں اور ہر اصل کی متعدد انواع و فروغ ہیں چنانچہ موصوف نے ہر اصل کے لئے ایک دوحہ مقرر کرتے ہوئے اپنی کتاب کو سات دوحات پر مرتب کیا ہے اور ہر دوحہ میں بہت سی انواع وفروع کو ذکر کیا ہے جس کا اجمالی خاکہ حسب ذیل ہے۔

دوحۂ اولی ...... علوم خطیہ۔ اس میں علم ادوات الخط، علم قوانین الکتابۃ، علم تحسین الحروف، علم کیفیۃ تولد الخطوط، علم ترتیب حروف التہجی، علم ترکیب اشکال بسائط الحروف، علم املاء الخط العربی، علم خط المصحف، علم خط العروض مذکور ہیں۔

دوحۂ ثانیہ ...... علوم متعلقہ بالالفاظ۔ ان میں یہ علوم مذکور ہیں۔ علم مخارج الحروف، علم اللغۃ، علم الوضع، علم الاشتقاق، علم التصریف، علم النحو، علم المعانی، علم البیان، علم البدیع، علم العروض، علم القوافی، علم قرض الشعر، علم مبادی الشعر، علم الانشاء، علم مبادی الانشاء، علم المحاضرہ، علم الدواوین، علم التاریخ

فروع علوم عربیہ ...... علم الامثال، علم وقائع الامم، علم استعمالات الالفاظ، علم الترسل، علم الشروط والسجلات، علم الاحاجی والاغلوطات، علم الالغاز، علم المعمی، علم التصحیف، علم المقلوب، علم الجناس، علم مسامرۃ الملوک، علم حکایات الصالحین، علم اخبار الانبیاء، علم المغازی والسیر، علم تاریخ الخلفاء، علم طبقات القراء، علم طبقات المفسرین، علم طبقات المحدثین، علم سیر الصحابہ، علم طبقات الحنفیہ، علم طبقات المالکیہ، علم طبقات الحنابلہ، علم طبقات النحاۃ، علم طبقات الاطباء۔

دوحۂ ثالثہ ...... وہ علوم جن میں معقولات ثانویہ سے بحث ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں۔

علم المنطق، علم آداب الدرس، علم النظر، علم الجدل، علم الخلاف۔

دوحۂ رابعہ ...... وہ علوم جو متعلق بالاعیان ہیں اور وہ یہ ہیں علم الالہی، علم الطبعی، العلوم الریاضیہ وہی علم العدد، علم الہندسہ، علم الہیئۃ، علم الموسیقی۔

فروغ علم الٰہی ...... علم معرفۃ النفس الانسانیہ، علم معرفۃ النفس الملکیہ، علم امارات النبوۃ، علم مقالات الفرق۔
فروع علم طبیعی ...... علم الطب، علم البیطرہ، علم البیزرہ، علم النباتات، علم الحیوانات، علم الفلاحۃ، علم المعاون، علم الجواہر، علم الکون والفساد، علم قوس قزح، علم الفراسۃ، علم تعبیر الرویا، علم احکام النجوم، علم السحر، علم الطلسمات، علم السیمیا، علم الکیمیاء
فروع علم طب ...... علم التشریح، علم الکحالہ، علم الاطعمہ، علم الصیدلہ، علم طبخ الاشربہ والمعاجین، علم قلع الآثار من الثیاب، علم ترکیب انواع المداد، علم الجراحۃ، علم الفصد، علم الحجامۃ، علم المقادیر والاوزان، علم الباہ۔
فروع علم فراستہ ...... علم الشامات والخیلان، علم الاساریر، علم الاکتاف، علم عیافۃ الاثر، علم قیافۃ البشر، علم الاہتداء بالبراری والاقفار، علم الریافۃ، علم الاستنباط، علم نزول الغیث، علم العرافۃ، علم الاختلاج۔
فروع علم احکام النجوم ...... علم الاختیارات، علم الرمل، علم الفال، علم القرعۃ، علم اطیرہ
فروع علم السحر
علم الکہانۃ، علم النیرنجات، علم الخواص، علم الرقی علم العزائم، علم الاستحصار، علم دعوۃ الکواکب، علم القلفطیرات، علم الخفاء، علم الحیل الساسانیہ، علم کشف الدک، علم الشعبدہ، علم تعلق القلب، علم الاستعانۃ بخواص الادویہ۔
فروع علم ہندسہ ...... علم عقود الابنیہ، علم المناظرہ، علم المرایا المحرقۃ، علم مراکز الاثقال، علم جرالاثقال، علم المساحۃ، علم استنباط المیاہ، علم الآلات الحربیہ، علم الرمی، علم التعدیل، علم البنکامات، علم الملاحۃ، علم السیاحۃ، علم الاوزان والموازین۔
فروع علم ہیئت ...... علم الزیجات والتقویم، علم حساب النجوم، علم کتاب التقویم، علم کیفیۃ الارصاد، علم الآلات الرصدیہ، علم المواقیت، علم الآلات الظلیہ، علم الاکر، علم اکرالمتحرکۃ، علم تسطیح الکرہ، علم صور الکواکب، علم مقادیر العلویات، علم منازل القمر، علم جغرافیا، علم مسالک البلدان، علم البرد ومسافاتہا، علم خواص الاقالیم، علم الادوار، والاکوار، علم القرانات، علم الملاحم، علم المواسم، علم وضع الاسطرلاب، علم اعمل، الاسطرلاب، علم وضع ربع المجیب والقنطرات، علم عمل ربع الدائرہ، علم آلات الساعۃ
فروع علم عدد ...... علم حساب، التخت والمیل، علم الجبروالمقابلہ، علم حساب الخطائین، علم حساب الدوروالوصایا، علم حساب الدراہم والدنانیر، علم حساب الفرائض، علم حساب الہواء، علم حسب العقود بالاصابع، علم اعداد الوفق، علم خواص الاعداد، علم التعابی العددیہ۔
فروع موسیقی ...... علم الآلات العجیبہ، علم الرقص، علم الغنج
دوحہ خامسہ ...... علم علوم حکمیہ عملیہ، علم الاخلاق، علم تدابیر المنزل، علم السیاستہ
فروع حکمتہ عملیہ ...... علم آداب الملوک، علم آداب الوزارہ، علم الاحتساب، علم قود العساکر والجیوش۔
دوحہ سادسہ ...... علوم شرعیہ۔ علم القراہ، علم تفسیر القرآن، علم روایت الحدیث، علم درایۃ الحدیث، علم اصول الدین (کلام) علم اصول الفقہ، علم الفقہ
فروع قراۃ ...... علوم الشواذ، علم مخارج الحروف، علم مخارج الالفاظ، علم الوقوف، علم علل القرآن، علم رسم کتابت القرآن، علم آداب کتابتہ المصحف۔
فروع حدیث ...... علم شرح الحدیث، علم اسباب ورود الحدیث وازمنتہ، علم ناسخ الحدیث ومنسوخہ، علم تاویل اقوال النبی ﷺ، علم رموز الحدیث، علم غرائب لغات الحدیث، علم دفع الطعن عن الحدیث، علم تلفیق الاحادیث، علم احوال رواہ الحدیث، علم طب النبی ﷺ

فروع تفسیر ...... علم المکی والمدنی، علم الحضری والسفری، علم النہاری واللیلی، علم الصیفی والشتائی، علم الفراشی والنومی، علم الارضی والسمائی، علم اول ما نزل و آخر ما نزل، علم سبب النزول، علم ما نزل علی لسان بعض الصحابہ، علم ما تکرر نزولہ، علم ما تاخر حکمہ عن نزولہ وما تاخر نزولہ عن حکمہ، علم ما نزل مفرقا وما نزل جمعا، علم ما نزل مشیعا وما نزل مفردا، علم ما نزل علی بعض الانبیاء وما لم ینزل، علم کیفیۃ انزال القرآن، علم اسماء القرآن واسماء سورۃ، علم جمعہ و ترتیبہ، علم عدد سورۃ و آیاتہ وکلماتہ و حروفہ، علم حفاظہ و رواتہ، علم العالی والنازل، من اسانیدہ، علم التواتر والمشہور، علم بیان الموصول لفظا والمفصول معنی، علم الامالۃ والفتح، علم الادغام والاظہار والاخفاء والاقلاب، علم المد والقصر، علم تخفیف الہمزہ علم کیفیۃ تحمل القرآن، علم آداب تلاوتہ وتالیہ، علم جواز الاقتباس، علم ما وقع فیہ بغیر لغۃ الحجاز، علم ما وقع فیہ من غیر لغۃ العرب، علم غریب القرآن، علم الوجوہ والنظائر، علم معانی الادوات، علم الحکم والمتشابہ، علم مقدم القرآن والقرآن و موخرہ، علم عام القرآن و خاصہ، علم ناسخ القرآن و منسوخہ، علم مشکل القرآن، علم مطلق القرآن و مقیدہ، علم منطوق القرآن و مفہومہ، علم وجوہ مخاطباتہ، علم حقیقۃ الفاظ القرآن ومجازہا، علم تشبیہ القرآن واستعاراتہ، علم کنایات القرآن و تعریضاتہ، علم الحصر والاختصاص، علم الایجاز والاطناب، علم الخبر والانشاء، علم بدائع القرآن، علم فواصل الآی، علم ما وقع فی القرآن من الاسماء، والکنی والقاب، علم مبہمات القرآن، علم فضائل القرآن، علم افضل القرآن وفاضلہ، علم مفردات القرآن، علم خواص القرآن، علم مرسوم الخط و آداب کتابتہ، علم تفسیر و تاویلہ وبیان شرفہ، علم شروط المفسر و آدابہ، علم غرائب التفسیر، علم طبقات المفسرین، علم خواص الحروف، علم خواص الروحانیۃ، من الآفاق علم التصریف بالحروف، والاسماء، علم حروف النورانیہ والظلمانیۃ، علم التصریف بالاسم الاعظم، علم الکسر والبسط، علم الزایرجہ، علم الجعفر والجامعۃ، علم دفع مطاعن القرآن۔

فروع علم حدیث ...... علم المواعظ، علم الادعیہ، علم الآثار، علم الزہد والورع، علم صلوۃ الحاجات، علم المغازی

فروع اصول فقہ ...... علم النظر، علم المناظرہ، علم الجدل

فروع علم فقہ ...... علم الفرائض، علم الشروط والسجلات، علم القضاء، علم حکم التشریع، علم الفتاوی۔

اصول علم ...... حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ علم تین قسم کا ہے۔ لیں کے علاوہ جو کچھ ہے زاید ہے۔ آیۃ محکمہ، سنت قائمۃ اور فریضہ عادلۃ۔

تعیین علم فرض عین ...... یہ امر ہمیشہ سے مسلم رہا ہے کہ علوم میں سے بعض ایسے ہیں جن کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور بعض ایسے جن کا حاصل کرنا ہر شخص پر فرادی فرادی فرض نہیں بلکہ جماعت میں سے ایک آدمی بھی سیکھ لے تو اوروں سے وہ فرض اتر جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم..... طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ حدیث بکثرت طرق حضرت انس کے واسطے سے مروی ہے اس کی اسناد گو کلام ہے۔ لیکن اس کا مضمون محدثین کے نزدیک بھی درست ہے، لیکن وہ کونسا علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض ہے اور اس کی مقدار کیا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

مفسرین و محدثینؒ نزدیک وہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کا علم ہے اور فقہاء کے نزدیک علم حلال و حرام

علم دیں فقہست و تفسیر و حدیث ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

متکلمین فرماتے ہیں کہ وہ علم ہے جس سے معرفت توحید حاصل ہو، صوفیاء حضرات کے یہاں وہ علم قلب و معرفت خواطر ہے اور اہل حق کے نزدیک علم مکاشفہ، شیخ ابو طالب مکی کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے وہ علم مراد ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے حدیث "بنی الاسلام علی خمس الخ میں بیان فرمایا ہے، امام مالک سے پوچھا گیا طلب علم سب لوگوں پر فرض ہے۔ فرمایا نہیں، لیکن آدمی کو اتنا علم ضرور حاصل کر لینا چاہئے کہ اپنے دین میں فائدہ اٹھا سکے، علامہ ابن عبدالبر

نے ذکر کیا ہے کہ فرائض دین کا اجمالی علم فرض عین ہے، کوئی آدمی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، جیسے توحید و صفات باری کا دل و زبان سے اقرار کرنا، انبیاء علیہم السلام کی رسالت و صداقت کا اعتراف کرنا، پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کا اعتقاد رکھنا، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ کے تمام ارکان واحکام کا علم حاصل کرنا، امام غزالی نے ایک مثال کے ضمن میں فرض عین کی تشریح اس طرح کی ہے۔ فرض کرو ایک شخص اسلام قبول کرنا چاہتا ہے اس پر اس وقت صرف کلمہ شہادت کا زبان سے کہنا اور اس پر اعتقاد کرنا فرض ہے، اب نماز کا وقت آگیا تو نماز کا سیکھنا فرض ہو جائے گا، اسی طرح روزہ، زکوۃ، حج لیکن ان فرائض کے صرف ضروری ارکان سیکھنے فرض ہوں گے، مستحبات ونوافل اور دوسری قسم کی تحقیقات اور تفصیلات کا سیکھنا فرض عین نہیں۔ یہ اوامر کا حال ہے، نواہی کی تعلیم بھی حسب موقع فرض ہو جائے گی۔ مثلاً کسی شہر میں شراب اور سور کے گوشت کھانے کا رواج ہو تو وہاں شراب اور سور کی حرمت کا جاننا فرض ہوگا۔

مراتب وشرف علم...... مراتب وشرف علم کے سلسلہ میں بہت سی آیات واحادیث وارد ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یرفع الله الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات (المجادلۃ رکوع ۲)

اللہ بلند کرے گا ان کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں سے اور علم والے۔ ان کے درجے۔

انما یخشی الله من عباده العلماء۔ (الفاطر۔ ع ۴)

اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون انما یتذکر اولوالباب (الزمر رکوع ۱)

تو کہہ کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ۔ سوچتے وہی ہیں جن کو عقل ہے۔

اللہ کے نبی سرکار دوعالم ﷺ کے ارشادات بھی اس سلسلہ میں بکثرت موجود ہیں۔

ہم یہاں پہلے حضرت معاذ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں جامع حدیث ہے۔

(۱) عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ انه قال قال رسول الله صلی الله عله وسلم تعلموا العلم فان تعلمه لله تعالی خشیته، وطلبه، عباده، ومذاکراته تسبیح، والبحث عنه جهاد وتعلیمه، لمن لایعلمه، صدقته وبذله، لاهله قریته، لانه معالم الحلال والحرام ومنار سبل اهل الجنته وهوالانیس فی الواحشه. والصاحب فی الغربته والمحدث فی الخلوه والدلیل علی السراء والضراء والسلاح علی الاعداء والتزین عند الاخلاء یرفع الله تعالی به اقواما فیجعلهم فی الخیر قاده وائمته تقتفی اثارهم ویقتدی بنعالهم، ترغب الملائکته فی خلتهم وباجنحتها تمسهم یستغفرلهم کل رطب ویابس وحیتان البحر وهوامه، وسباع البروانعامه لان العلم حیاه القلوب من الجهل ومصابیح الابصار من الظلم تبلیغ العبد بالعلم منازل الاخیار والدرجات العلی فی الدنیا والاخره والتفکر فیه یعدل الصیام ومدارسته، تعدل القیام، به توصل الارحام وبه یعرف الحلال والحرام وهوامام والعمل تابعه ویلهمه السعداء ویحرمه الاشقیاء۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ علم حاصل کرو کیونکہ بوجہ اللہ علم کی تعلیم خشیت ہے اور اس کی طلب عبادت ہے۔ اس کا مذاکرہ تسبیح اور اس کی تلاش جہاد ہے۔ بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے، مستحقوں میں علم خرچ کرنا تقرب ہے، کیونکہ علم حلال وحرام کا نشان ہے، جنت کے راستوں پر روشنی کا ستون ہے، تنہائی میں مونس ہے اور پردیس میں رفیق ہے، خلوت میں ندیم ہے اور راحت ومصیبت کا بتانے والا ہے۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہتھیار ہے دوستوں میں زینت ہے۔ علم کے ذریعہ خدا بعضوں کو اٹھاتا ہے اور نیکی کا ایسا امام بنا دیتا ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلا جاتا ہے اور ان کے قول پر عمل کیا جاتا ہے۔ ملائکہ ان کی خدمت پر راغب ہوتے ہیں۔ اپنے پروں سے انہیں چھوتے ہیں

۔ان کی مغفرت کے لئے ہر چیز (حتی کہ) پانی کی مچھلیاں، زمین کے کیڑے مکوڑے، خشکی کے درند وچرند دعا کرتے ہیں۔ کیونکہ علم دلوں کے لئے زندگی ہے جہل کی موت میں، آنکھوں کے لئے روشنی ہے تاریکی میں، علم ہی کے ذریعہ بندے دنیاو آخرت میں اخیار کے مرتبے اور بلند درجے حاصل کرتے ہیں، علم میں غور وفکر روزے کے برابر اور اس کی مشغولیت قیام کے ہم پلہ ہے۔ علم ہی سے رشتے جڑتے ہیں اور اسی سے حلال وحرام کی شناخت ہوتی ہے۔ علم عمل کا رہنماء ہے اور عمل علم کا پیرو ہے۔ نصیبے وروں ہی کو علم کی توفیق میسر آتی ہے اور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں۔

حافظ ابن البر نے کتاب ”جامع بیان العلم میں اس روایت کی تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ ”ہو حدیث حسن جداًونی اسنادہ ضعف یہ حدیث گو موقوف بھی ہے مگر مختلف طرق سے مروی ہے اور اس قسم کے مضامین میں حدیث موقوف بھی مرفوع کے درجہ میں ہوتی ہے۔ لان مثلہ لایقال بالرای۔

تشریح حدیث ومنافع علم ...... سعادت ابدیہ دوہی چیزوں میں منحصر ہے۔ ایک جلب منفعت میں دوسرے دفع مضار میں اور ان میں سے ہر ایک یا دنیاوی ہے یا دینی۔ تو یہ چار قسمیں ہوتیں ہیں۔

اول منافع دینیہ اس کی دو قسمیں ہیں۔ خفی اور جلی، حدیث مذکور میں ”فان تعلمه لله خشيته“ نفع اول کی طرف اور ”تعليمه لمن لايعلمه صدقة وبذله لاهله قربة“۔ نفع ثانی کی طرف اشارہ ہے۔

دوم منافع دنیویہ۔

اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ وجدانی وذوقی اور جابی ورتبی۔ پھر نفع وجدانی یا راحت ہے یا استیلاء اور راحت یا تو خلاف نفس امر کی مشقت سے خلاصی پر ہوگی یا باعث سرور شئی کے فقدان پر کسی امر مونس کے ساتھ ہوگی۔ نیز ان میں سے ہر ایک خارجی ہوگی یا ذاتی تو راحت کی چار قسمیں ہوئیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”هو الانيس فى الوحشة“ قسم اول کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو علم سے جو انسیت حاصل ہوتی ہے اس کے ذریعہ وہ ہر قلق واضطراب سے راحت پاتا ہے اور ”والصاحب فی الغربتہ قسم ثانی کی طرف اور ”والحدث فی الخلوۃ قسم ثالث کی طرف اشارہ ہے کہ گوشہ نشین وعزلت گزیں آدمی کو علمی سرگوشی میں وہ مزہ آتا ہے جو عاشق زار کو معشوق کے ساتھ ہمکلامی میں بھی نہیں ملتا اور ”الدلیل علی السراء والضراء قسم رابع کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ علم کا مقام ایک صاحب بصیرت اور رائے سدید شخص کا سا ہے اور عواقب امور سے لاعلمی اور انجام کار سے ناواقفیت مولم نفس ومضیق صدر ہے تو جس طرح ایک لائق مشیر اپنے صحیح مشورہ کے ذریعہ سے دوسروں کو بہت سے مصائب سے بچالیتا ہے اسی طرح علم جملہ ہموم واحزان سے راحت اور تمام مہلکات سے نجات بخشتا ہے۔

استیلاء بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس سے شر کا استیصال اور ضرر کا دفعیہ ہو، دوسرے وہ جو جالب خیر ودافع ضیر ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ”السلاح علی الاعداء استیلاء اول کی طرف اشارہ ہے کہ علم سے باطل پامال اور جہالت وشبہات کا استیصال ہوتا ہے اور ”والتزین عند الاخلاء استیلاء ثانی کی طرف اشارہ ہے کہ علم باعث حسن وجمال اور ایسا کمال ہے کہ وہ انسانوں کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔

العلم زین و كنز لانفادله　　　نعم القرين اذا ماعاقلاصحباه

قسم دوم۔ منافع رتبی۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ اس واسطے کہ وجاہت اور رتبہ یا تو عند اللہ ہوگا یا عند الملاء الاعلی یا عند الملاء الاسفل۔ حضور ﷺ کا ارشاد ”یرفع اللہ بہ اقواما پہلے رتبہ کی طرف اشارہ ہے کہ حق تعالی علم کے ذریعہ سے صاحب علم کو دوسروں کی قیادت وسیادت عطا فرماتے ہیں۔

علم داند بادر لیس وبقاروں زر وسیم　　　شد یکے فوق سماک ودگرے تحت سمک

اور "یرغب الملائکۃ فی خلتھم رتبہ ثانیہ کی طرف اشارہ ہے اور "یستغفر لہم کل رطب ویابس رتبہ ثالثہ کی طرف اشارہ ہے۔ قسم ثالث دفع مضار دینیہ ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ارتکاب منہیات واتباع شہوات دوسرے اوامر سے اجتناب اور غفلت، حضور ﷺ کا ارشاد "التفکر فیہ یعدل الصیام پہلی صورت کی طرف اشارہ ہے اور "مدارستہ تعدل القیام دوسری صورت کی طرف

قسم رابع دفع مضار دنیویہ ہے۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک دفع مصالح و مقاصد اور جلب معائب و مفاسد، دوسرے قانون شرعی کے ترک سے مضرت اجتناب مفاسد، حضور ﷺ کا ارشاد بہ توصل الارحام۔ پہلی صورت کی طرف اشارہ ہے اور "بہ یعرف الحلال والحرام دوسری صورت کی طرف۔

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الذنوب ذنوبا لایکفرھا صلوۃ ولاصوم ولاحج الاالھموم فی طلب العلم۔

بعض گناہ ایسے بھی ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہے نہ روزہ نہ حج بلکہ صرف علم کی جستجو ہے۔

(۳) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان تغدوافتتعلم بابا من العلم خیرلك من ان تصلی مائۃ رکعۃ (رواہ ابن عبدالبر)

یعنی طلب علم کے لئے نکلنا اور علم کا ایک باب سیکھنا ایک سو رکعات پڑھنے سے بہتر ہے۔

(۴) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب العلم افضل عند اللہ من الصلوۃ والصیام والحج والجھاد (رواہ الدیلمی عن ابن عباس)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ علم طلب کرنا اللہ کے نزدیک نماز، روزہ، حج اور جہاد سے بھی افضل ہے۔

(۵) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سلك طریقا یلتمس فیہ علمنا سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ (رواہ الترمذی عن ابی ھریرہ)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم کی جستجو میں راہ چلے حق تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کردیتے ہیں۔

(۶) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء طالب العلم الموت وھو علی ھذہ الحالۃ فھوشھید. (روی عن ابی ھریرہ وابی ذر)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس طالب علم کے حالت میں موت آجائے وہ شہید ہے۔

(۷) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب (راوہ ابوداؤد والترمذی عن ابی الدرداء)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ عابد کے مقابلہ میں عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت باقی کواکب پر، ولنعم ماقال بعضھم۔

العلم مغرس کل فضل فاجتھد ان لایفونك فضل ذاك المغرس
وعلم بان العلم لیس ینالہ من ھمہ فی مطعم اوملبس
واحرص لتبلغ فیہ حظا وافرا واھجرلہ طیب المنام وغلس
لتعز حتی ان حضرت بمجلس کرمت فیہ وکنت صدر المجلس
ان الخلی من العلوم مقامہ عند النعال لہ صموت الاخرس

وقال بعضھم

اخو العلم حی خالد بعد موته واوصاله تحت التراب رمیم
وذو الجهل میت وهو یمسی علی الثری یظن من الاحیاء وهو عدیم
خاتم ملك سلیما نست علم جمله عالم صورت وجانست علم
لاتعجبن الجهول حلته فذاك میت وثوبه، کفن
جاهلے کان بعلم زنده نشدمیتش دان ومسکنش مدفن

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ علم کا شرف اور اس کی فضیلت یا تو اس کے موضوع کے شرف کے لحاظ سے ہوتا ہے جیسے زرگری چمڑار نگنے کے کام سے اس لئے اشرف ہے کہ زرگری کا موضوع سونا چاندی ہے اور وہ چمڑار نگنے کے موضوع سے اشرف ہے۔ جو کہ مردہ جانور کی کھال ہے یا شرف غرض کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے صناعت طب بھنگی کے پیشہ سے اشرف ہے۔ کیونکہ طب کی غرض انسان کی تندرستی کو فائدہ پہنچانا ہے، اور بھنگی کا کام محض بیت الخلاء کی صفائی کی غرض پر مبنی ہے۔ یا علم کا شرف باعتبار احتجاج ہوتا ہے جیسے علم فقہ کی بہ نسبت طب کے اس کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے اس لئے کہ دنیا کا کوئی واقعہ خواہ کسی کو بھی پیش آیا ہو ایسا نہیں ہوتا جس میں فقہ کی حاجت نہ ہو، اسی کے ذریعہ سے دینی اور دنیاوی احوال کی اصلاح ودرستی کا نظام قائم رہتا ہے۔

اقسام تدوین و اصناف مدونات...... جس طرح ہر علم بحر ناپید اکنار ہے اسی طرح علمی ذخیرہ بھی بے شمار ہے۔ لیکن معنوی جہت سے ہم اس کو دو قسموں میں منحصر کر سکتے ہیں کیونکہ علمی ذخیرہ میں یا تو قواعد علوم ہیں یا اس کے علاوہ پہلی قسم مقدار کے لحاظ سے تین قسموں میں منحصر ہے۔ اول مختصرات جن میں بغرض استحضار اہم مسائل کو قلمبند کر لیا جاتا ہے، اس سے زیادہ تر منتہی حضرات ہی مستفید ہوتے ہیں۔ دوم مبسوطات، ان سے مطالعہ میں بہت مدد ملتی ہے۔ سوم متوسطات، ان سے عام وخاص، مبتدی منتہی سب مستفید ہو سکتے ہیں۔ دوسری قسم میں دو صورتیں ہیں یا تو ان کا تعلق اخبار مرسلہ سے ہے جن کو کتب تواریخ کہتے ہیں یا ان میں اوصاف وامثال ہیں جن کو نظم میں ڈھال لیا گیا ہے۔ انہیں کو دواوین شعر کہا جاتا ہے۔

تصنیف و تالیف...... ادائیگی فرض و تادیہ سنن موکدہ ونوافل ضروریہ اور تلاوت کتاب ودرس و تدریس حدیث مستطاب کے بعد بقدر طاقت واندازہ فرصت واقتضاء وقت تحریر علوم سنیہ سے افضل کوئی شغل اور تصنیف و تالیف سے بہتر کوئی کام نہیں ہے جو بہتر بات تسوید میں آجائے اور جو پاکیزہ کلمہ صفحہ قرطاس پر مرقوم ہو جائے اس کی مثال شجرہ طیبہ کی سی ہے کہ "توفی اکلمها کل حین باذن ربها اور علم بے تصنیف بے اولاد مرد کی طرح هے اور تالیف اباطیل مثل فرزند بدنهاد . قال بعضهم۔

ومامن کاتب الاسیبلی ویبقی الدهر ماکتبت یداه
فلا تکتبن بکف غیر شئی یسرك فی القیامة ان تراه
علم ست که هر چه هست بنما یدازو هر عقده که مشکل ست بکشاید ازو
غیر از تصنیف نیك دیگر نبود کاریکه پس از تو کارها آید ازو

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "من کتب حرفا الرجل مسلم فکائنما تصدق بدینارو اعتق رقبة وکتب الله له بکل حرف حسنة ومحاعنه سیئة یعنی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے نفع کی خاطر ایک حرف لکھے وہ ایسا ہے کہ گویا اسے ایک اشرفی خیرات کی اور ایک غلام آزاد کیا۔ حق تعالیٰ اس کے لئے ہر حرف کے بدلہ میں ایک نیکی لکھیں گے اور ایک گناہ معاف فرمائیں گے۔ ولنعم ماقیل فی القلم۔

ان یخدم القلم السیف الذی خضعت — له الرقاب ودانت خوفه الامم
کذاقضی الله للاقلام مذبریت — ان السیوف لها مذار هفت خدم

وقال بعضهم

اذا اقسم الابطال یوما بسیفهم — وعدوه مما یجلب المجد والکرم
کفی قلم الکتاب فخرا ورفعة — مدی الدهر ان الله اقسم بالقلم

وقال الدقوقی

ومامات من تبقی التصانیف بعده — مخلده والعلم والفضل ولده

طریق تالیف......جب کوئی مصنف کسی مضمون پر قلم اٹھاتا ہے تو وہ یا کسی ایسی چیز کا اختراع کرتا ہے جس کا وجود اس سے قبل نہیں ہوتا جیسے متقدمین کہ ان کی تصنیفات اسی شان کی ہیں یا کسی ناقص کام کی تکمیل کرتا ہے جیسے علامہ جلال الدین سیوطی اور ان کی جلالین نصف اول۔ یا مغلق بات کی تشریح کرتا ہے۔ جیسے صاحب نور الانوار یا طویل مضمون کا اختصار کرتا ہے۔ جیسے سعد الدین تفتازانی اور ان کی مختصر المعانی یا متفرق اشیاء کو جمع کرتا ہے جیسے صاحب ہدایہ اور ان کی کتاب بدایۃ المبتدی (متن ہدایہ)۔ یا مخلوط وغیر مربوط مضمون کو مرتب و مہذب کرتا ہے۔ جیسے علامہ قزدینی اور ان کی تلخیص المفتاح۔ یا کسی فن کے قواعد و مسائل کو اختصار کے ساتھ پیش کرتا ہے جیسے کافیہ و کنز وغیرہ متون۔ چنانچہ شیخ ابو حیان لکھتے ہیں۔ "ہر تالیف کہ خالی باشد از ہشت چیز آں نوعے ازهذیان ست معدوم قد اخترع ومفرق قدجمع وناقص قد کمل ومجمل قد فصل ومسهب قد هدب ومخلط قد رتب ومبهم قد عین وخطاء قد بین. (خطیره القدس)

طریق ترجمہ......ترجمہ کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ اصل میں جو لفظ ہو اس کے ہم معنی الفاظ تلاش کر کے لفظی ترجمہ کیا جائے۔ یہ بہت پرانا طریقہ ہے۔ چنانچہ یوحنا ابن بطریق اور ابن ناعمہ حمصی کا یہی طرز تھا۔

اس طریقہ میں دو دقتیں ہیں۔ اول تو ہر لفظ کے مقابل میں ایسے لفظ کا ملنا جو تمام خصوصیتوں کے لحاظ سے اصل کے ہم معنی ہونا ممکن یا قریب از ناممکن ہے۔ دوم لفظی ترجمہ سے مطلب اچھی طرح واضح نہیں ہوتا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پوری اصل عبارت کا مطلب عبارت میں ادا کیا جائے۔ غالبا یہ طریقہ حنین سے شروع ہوا تھا۔ بعد میں اور لوگوں نے بھی اس کی تقلید شروع کر دی۔ آج کے دور میں بھی اسی کو پسند کیا جاتا ہے۔

اسالیب شرح...... مغلق مضمون کی تشریح کے تین طریقے ہیں۔

اول تشریح بقال اقوال جیسے شرح مقاصد، شرح مطالع، شرح عضد، شرح ایساغوجی وغیرہ۔

دوم تشریح بقولہ جیسے شرح تہذیب اور تلویح وغیرہ۔

سوم شرح ممزوج جس میں عبارت متن اور شرح کو ملا دیا جاتا ہے۔ جیسے شرح جامی، شرح عقائد، شرح نخبۃ الفکر وغیرہ عام طور پر موخرین شراح کے ہاں یہی طریقہ رائج ہے۔

بعض اصطلاحات مصنفین...... متقدمین مصنفین کی عادت ہے کہ وہ کسی اعتراض یا جواب کے ضعف و قوت کی طرف مخصوص الفاظ سے اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ لفظ "تامل سے قوی جواب کی طرف اشارہ ہے اور "فتامل سے جواب ضعیف کی طرف اور "فلیتامل سے جواب اضعف کی طرف، اور "فیہ بحث عبارت عام ہے کہ مستعمل فیہ مقام میں کوئی تحقیق ہو یا فساد دونوں کے لئے استعمال کرتے ہیں اس لئے مناسب محل معنی پر محمول کرنا چاہئے۔ اور "فیہ نظر اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جہاں فساد لازم آتا ہو، پھر جہاں سوال اقوی ہو وہاں "لقائل کہتے ہیں اور اس کے جواب میں "اقول یا "نقول لاتے ہیں اور اگر ضعیف ہو تو "فان قیل کہتے ہیں اور اس کے جواب میں "اجیب یا "یقال لاتے ہیں اور اضعف ہو

تو" لا یقال کہتے ہیں اور اس کے جواب میں" لا نا نقول لاتے ہیں اور اگر قوی ہو تو" فان قلت کہتے ہیں اور اس کے جواب میں" قلت اجمال بعد از تفصیل اور نتیجہ کو کہتے ہیں اور" حاصل کلام تفصیل بعد از اجمال کو کہتے ہیں۔ (کلیات ابو البقاء) اور" صواب خلاف خطا کو کہتے ہیں اور ان دونوں کا استعمال مجتہدات میں ہوتا ہے اور" بالجملہ کثرت اور تفصیل میں اور" محصول کلام اجمال بعد از تفصیل اور نتیجہ کو کہتے ہیں اور" حاصل کلام تفصیل بعد از اجمال کو کہتے ہیں (کلیات ابو البقاء) اور" صواب خلاف خطا کو کہتے ہیں اور ان دونوں کا استعمال مجتہدات میں ہوتا ہے۔ اور" حق و باطل کا استعمال معتقدات میں ہوتا ہے۔ (حظیرۃ القدس)

حوالہ نقل...... جب کوئی مضمون کسی دوسرے شخص کے کلام سے لیا جائے تو اس کا حوالہ دینا ضروری ہے ورنہ سرقہ کلامیہ پر محمول ہوگا جو نہایت قبیح حرکت ہے۔ اسی وجہ سے علامہ سیوطی کو شیخ شہاب الدین قسطلانی شارح بخاری سے بڑی شکایت تھی۔ کہا کرتے تھے کہ" انہوں نے مواہب لدنیہ میں میری کتابوں سے مدد لی ہے اور اس میں یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ میری کتابوں سے نقل کر رہے ہیں اور یہ بات ایک قسم کی خیانت ہے جو نقل میں معیوب ہے۔ نیز موصوف اپنی کتاب" الاشباہ والنظائر ص ۲۶۴/۱ میں شیخ بہاء الدین ابن النحاس کی عبارت" وجدت ذلک بخط غالی بن عثمان بن جنی عن ابیہ قال اھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان کی دیانت داری اور امانت داری دیکھو کہ انہوں نے بخط صاحبزادہ ابن جنی ایک فائدہ پایا جو اس نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے۔ اور وہ کسی کتاب میں مسطور نہ تھا کہ اس سے نقل کیا ہو اس کے باوجود شیخ نے ابن جنی اور اس کے صاحبزادے کی طرف منسوب کئے بغیر اس کے ذکر کو جائز نہیں سمجھا، ان کلام چوروں کی طرح نہیں جنہوں نے میری تصانیف" معجزات الکبیر اور خصائص صغری وغیرہ پر جن کے تتبع میں، میں نے سالہا سال صرف کئے غارت گری کی ہے اور ان کو چرا کر خیضری و سخاوی وغیرہ کی کتابوں سے کچھ مضامین منضم کر کے اپنی طرف منسوب کر لیا۔ نہ میری کتابوں کا حوالہ دیا اور نہ خیضری و سخاوی کی طرف نسبت کی۔ جن کی کتابوں سے مضامین بڑھائے ہیں اور یہ چیز علمی دیانتداری کے بالکل خلاف ہے۔ حالی نے خوب کہا ہے۔

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن　　خدر اس لوٹ سے جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی

طریقہ حوالہ نقل...... حوالہ نقل کے مختلف طریقے ہیں۔

(۱) ہر جگہ منقول عنہ کتاب کے نام کی تصریح کی جائے۔

(۲) اوائل کتاب میں یہ لکھ دیا جائے کہ اس کتاب کا ماخذ فلاں فلاں کتابیں ہیں جیسا کہ سید مرتضی نے تاج العروس میں کتب لغت کی ایک کثیر تعداد کا حوالہ دیا ہے۔ راقم الحروف نے اپنی تالیف میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۳) ہر مضمون کے ختم پر منقول عنہ کتب کو ذکر کر دیا جائے۔ آج کل عام طور سے یہی طریقہ رائج ہے اور میں نے اپنی کتاب" ظفر المحصلین باحوال المصنفین میں ان دونوں طریقوں کو جمع کر دیا ہے۔

(۴) صرف اجمالی حوالہ پر اکتفاء کیا جائے جیسا کہ ابن حجر مکی وغیرہ نے کیا ہے اور آیات قرآنی" اولم تاتھم بینۃ مافی الصحف الاولی، انہ لفی زبر الاولین، ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم و موسی وغیرہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

شرائط تحصیل علم...... تحصیل علم کے لئے بہت سی شرطیں ہیں، ہم پہلے سقراط حکیم کا ایک جامع قول پیش کرتے ہیں۔ جس میں اجمالی طور پر تقریبا ساری ہی شرطیں موجود ہیں۔ اس کے بعد کچھ شرطیں تفصیل سے پیش کریں گے۔

ینبغی ان یکون الطالب شابا فارغ القلب غیر ملتفت الی الدنیا صحیح المزاج

محباللعلم بحیث لایختار علی العلم شیئا" من الاشیاء" صدوقا منصفا بالطبع

متدینا امینا عالما بالوظائف الشرعیۃ والاعمال الدینیۃ غیر مخل بواجب فیھا ویحرم علی نفسہ مایحرم فی ملۃ نبیہ ویوافق الجمھور فی الرسوم والعادات ولایکون فظاسئی الخلق ویرحم من دونہ فی المرتبۃ ولایکون اکولا ولا متھتکا ولاخاشعا من الموت ولا جامعا للمال الابقدر الحاجۃ فان الاشتغال بطلب اسباب المعیشۃ مانع عن التعلیم.

یہ ہونا چاہئے کہ طالب علم جوان ہو فارغ القلب ہو، دنیا سے کنارہ کش ہو، صحیح المزاج ہو اور علم دولت ہو کہ علم کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی ترجیح نہ دے، راست گو اور منصف مزاج ہو، دین دار اور امانتدار ہو، افعال شرعیہ اور احکام دینیہ سے واقف ہو اور ان کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، اپنے اوپر ہر وہ چیز حرام قرار دے جو اس کے نبی کی شریعت میں حرام ہو، اخلاق وعادات میں جمہور کا پیرو ہو، بدخلق نہ ہو، اپنے سے کم رتبہ والوں پر رحم دل ہو، کھدرانہ ہو، بے آبرو اور لاپرواہ نہ ہو، ہر وقت موت سے خائف نہ ہو، مال جمع کرنے والا نہ ہو مگر بقدر ضرورت کیونکہ اسباب معیشت میں مشغول رہنا تحصیل علم سے مانع ہے۔

(۱) اخلاص نیت...... تحصیل علم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس کے ذریعہ سے خدا اور رسول کے بتائے ہوئے احکام پر عمل ہو غافلوں کو ہوشیار، جاہلوں کو واقف کار کیا جائے اور ضلالت وگمراہی کا خاتمہ ہو۔ جو علم اس مقصد کے خلاف حاصل کیا جائے وہ وبال جان ہوگا نہ کہ باعث نجات۔

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع ست — جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطالت ست
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق — علمے کہ رہ حق ننماید جہالت ست

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ "من تعلم علما لغیر اللہ فلیتبوا مقعدہ من النار۔ جو شخص رضائے خداوندی کے علاوہ کیلئے علم سیکھے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے، نیز آپ کا ارشاد ہے۔

من تعلم العلم لاربع دخل النار لیباھی بہ العلماء ولیماری بہ السفھاء ویقبل بہ وجوہ الناس الیہ ولیاخذبہ الاموال۔

جو شخص چار چیزوں میں سے کسی ایک کے لئے علم حاصل کرے گا وہ آگ میں داخل ہوگا۔
(۱) اس لئے علماء پر فخر کرے۔
(۲) جہلاء سے حجت کرے۔
(۳) مجلس میں اونچی جگہ بیٹھے لوگوں سے مال حاصل کرے۔
ونعم ما قیل فی ہذا المعنی۔

تعلم ما استطعت لقصدوجھی — فان العلم من سفن النجاۃ
ولیس العلم فی الدنیا بفخر — اذاماحل فی غیر الثقات
ومن طلب العلوم لغیروجھی — بعید ان تراہ من الھداۃ
من طلب العلم للمعاد — فاز بفضل من الرشاد
فیا لخسران لطالبیہ — لنیل فضل من العباد

وانشد الشیخ قوام الدین حماد بن ابراہیم الصفار املاء لابی حنیفہ

(۲) تزکیہ باطن...... اخلاص نیت کے بعد اخلاق رذیلہ سے طالب کے پاک صاف ہونے اور مکارم اخلاق کے ساتھ مزین ہونے کی شرط اسی طرح مقدم ہے۔ جیسے نماز کے لئے شرط طہارت دیگر شرائط پر مقدم ہے۔ اور جس طرح ملائکہ

رحمتہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کلاب ظاہری ہوں، اسی طرح علم اس قلب میں داخل نہیں ہوتا جس میں کلاب باطنی ہوں۔ فی الحدیث "ان الله کریم یحب مکارم الاخلاق . ولله در القائل

بمکارم الاخلاق کن متخلقا   لیفوح مسك ثنائك العطر الشذی

(۳) خاکساری و فروتنی ...... طالب علم کے لئے عاجزی وانکساری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تواضع کے بعد ہی بلندی حاصل ہوتی ہے۔ رفعت نزد خدا در انکسار ست و تکبر سرکشی سبب ادبار، من تواضع للہ رفعہ اللہ

مباش غرہ بعلم و عمل کہ شد ابلیس   بدیں سبب ز دیار گاہ عزت دور

ذرے ہوئے بلند ہوا اس کو لے اڑی   قطرے ہوئے جو پست گہر ہو کے رہ گئے

حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ کا قول ہے کہ "میں نے طالب علمی میں خود کو نیچا کیا تو اب استادی عزت پائی۔

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست   نیستی وحاجت وعجز و نیاز آوردہ ام

(۴) احترام استاد ...... طالب کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز اپنے معلم کا ادب واحترام ہے۔ کیونکہ جس طالب سے اس کے استاد کو اذیت ہو وہ برکت علم سے محروم ہوتا ہے۔

دی گئی منصور کو سولی ادب کے ترک پر   تھا انا لحق حق مگر اک حرف گستاخانہ تھا (امیر)

طالب علم کو چاہئے کہ وہ استاد کے سامنے کسی قسم کی انانیت اور تکبر کا اظہار نہ کرے۔ بلکہ ہمہ وقت عاجزی و انکساری سے پیش آئے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "من لم یتحمل ذل التعلم ساعة بقی فی ذل الجهل ابدا۔

حضرت جابر ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "تین شخصوں کی تحقیر منافق ہی کر سکتا ہے۔ بوڑھے مسلمان کی، عادل حاکم کی اور نیکی کے معلم کی۔

حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ "خود علم سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ، علم کے لئے سنجیدگی و بردباری پیدا کرو، جس سے علم سیکھو اور جسے سکھاؤ اس سے خاکساری برتو، جبار عالم نہ بنو کہ تمہاری بدمزاجی تمہارے علم کا ساتھ چھوڑدے۔

حضرت علی ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب تم کسی عالم کے پاس پہونچو تو پہلے خاص طور پر عالم کو پھر دوسروں کو سلام کرو۔ عالم کے روبرو مودب بیٹھو، ہاتھوں سے اشارے نہ کرو، آنکھیں نہ مٹکاؤ۔

من کہ ایں در معانی سفتہ ام   آنچہ گفتندم بگو آں گفتہ ام

شیخ برہان الاسلام زرنوجی نے "تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ شیخ شمس الائمہ حلوائی کچھ دن کیلئے بخارا سے نکل کر کسی گاؤں میں مقیم ہو گئے تھے جہاں آپ کے اکثر تلامذہ ملاقات کیلئے حاضر ہوئے، لیکن قاضی ابو بکر محمد بن علی زرنوجی ملاقات کیلئے نہ جاسکے۔ کچھ دن کے بعد جب انہوں نے شمس الائمہ سے ملاقات کی تو شمس الائمہ نے دریافت کیا کہ تم ملاقات کیلئے کیوں نہ آئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ والدہ کی خدمت میں مشغول تھا اس لے حاضر نہ ہو سکا۔ شمس الائمہ نے فرمایا کہ عمر میں تو برکت ہوگی مگر درس کی رونق نہ پاسکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کو اکثر عمر گاؤں میں رہنا پڑا۔ جس کی وجہ سے درس کا کوئی نظم قائم نہ ہوسکا۔ فمن تاذی منه استاذه یحرم برکة العلم ولاینتفع به الاقلیل .

من آنچه شرط بلاغست باتو می گویم   تو خواه ازسخنم پند گیرو خواه ملال

نیز خلیفہ ہارون الرشید کا واقعہ نقل کیا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کو تحصیل علم کے لئے اصمعی کے پاس بھیجا، ایک روز دیکھا کہ اصمعی وضو کر رہے ہیں اور شہزادہ ان کو وضو کراتے ہوئے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ہارون اصمعی پر برافروختہ ہوا اور کہا کہ میں نے اس کو آپ کے پاس تحصیل علم اور ادب سیکھنے کے لئے بھیجا ہے اور یہ کونسی ادب کی بات ہے کہ آپ اپنا پاؤں خود دھوئیں اس کو چاہئے تھا کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالتا اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پاؤں دھوتا۔

شباں وادی ایمن گہے رسد بمراد   کہ چند سال بجاں خدمت شعیب کند

(۵) مطالعہ ...... ٹھوس استعداد اور ترقی علم کے لئے مطالعہ و کتب بینی نہایت ضروری ہے۔ حکیم جالینوس سے پوچھا گیا کہ اپنے سب ساتھیوں سے زیادہ تم نے حکمت کیسے حاصل کی۔ جالینوس نے جواب دیا۔ اس طرح کہ میں نے کتب بینی کے لئے چراغ پر اس سے زیادہ خرچ کیا ہے جتنا وہ شراب پر خرچ کر چکے ہیں۔

ذوق   ایں   بادہ   ندانی   بخدا تا نچشی

فاضل لطفی کہتے ہیں کہ میں سنان باشا وزیر کے تلامذہ میں تھا۔ ان کی عادت تھی کہ تعطیل والی راتوں میں علماء کو مدعو کرتے اور عمدہ پر تکلف کھانا کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ علماء حاضر ہوئے جن میں مصلح الدین مصطفیٰ قسطلانی، خواجہ زادہ اور خطیب زادہ بھی تھے۔ میرا ایک دوست تھا میں اس سے باتیں کرنے لگا اور میں نے دوران گفتگو میں کہا کہ ایک مرتبہ ایسا بیمار ہوا کہ خون پھوٹ پھوٹ کر پسینہ کی طرح نکلا اور میرا کرتہ رنگین ہو گیا۔ اس پر تمام حاضرین ہنس پڑے۔ لیکن قسطلانی نے کہا ہنسنے کی بات نہیں ہے، یہ تو فلاں مرض ہے جس کو شیخ نے "القانون کی فلاں فصل میں ذکر کیا ہے۔ خواجہ زادہ نے ازراہ طعن کہا" آپ نے قانون کا مطالعہ کیا ہے۔ قسطلانی نے جواب دیا" جی ہاں، قانون ہی کا نہیں شیخ ابن سینا کی تمام تصنیفات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ بلکہ کی شیخ کی "شفاء تو بتمامہ سات مرتبہ دیکھی ہے۔ یہ سن کر حاضرین انگشت بدنداں رہ گئے۔

کوشش کرو کہ پھر سے بہار آئے باغ میں   کچھ تیل چاہئے ابھی اس چراغ میں (عشرت)

نیز طالب علم کو چاہئے کہ وہ قلم و قرطاس ساتھ رکھے اور جو نئی بات مطالعہ میں آئے اس کو نوٹ کر لے۔ لان العلم صید والکتابۃ لہ قید، وفی الحدیث، قید والعلم بالکتابۃ ۱ ہ (رواہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول) وقد قیل من حفظ فر ومن کتب قر بعینی حفظ کی ہوئی بات کا ذہن سے نکل جانا تو ممکن ہے لیکن جب وہ تحریر میں آگئی تو اب اس کا بھولنا نا ممکن سا ہو گیا۔

مگر صرف نوشتہ پر بھروسہ نہ کرے بلکہ جو کچھ لکھا ہے اس کو محفوظ کرنے کی کوشش کرے۔ لان العلم ما ثبت فی الخواطر لا ما اودع فی الدفاتر، لکھنے کا مقصد تو صرف اتنا ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت نسیان و ذہول ہو جائے تو نوشتہ کی طرف مراجعت کی جا سکے۔ ونعم ما قال الخلیل۔

لیس بعلم ما حوی القمطر   ما العلم الا ما حواہ الصدر

یعنی وہ علم نہیں جو کتابوں میں مسطور ہے۔ علم وہی ہے جو سینہ میں سما چکا ہے۔

(۶) استفسار و سوال ...... جو بات سمجھ میں نہ آئے یا جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پوچھنے میں نہ شرمائے۔ گو بار بار دریافت کرنا پڑے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے "لیس من اخلاق المومن الملق الافی طلب العلم کہ چاپلوسی کرنا مومن کی شان نہیں ہے۔ مگر طلب علم کے سلسلہ میں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا" انی لك هذا العلم. قال :قلب عقول ولسان سئوول مشہور مقولہ ہے۔ جو سوال کرنے میں سبکی سمجھتا ہے اس کا علم بھی ہلکا رہتا ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ "جو طلب علم میں شرماتا ہے اس کا علم حقیر رہتا ہے۔ امام غزالی سے سوال ہوا کہ آپ کو اصول و فروع کا احاطہ کہاں سے حاصل ہوا۔ آپ نے یہ آیت پڑھی" فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون . فاشار الی ان السوال من اسباب العلم وطرائقه۔ امام اصمعی سے پوچھا گیا کہ آپ نے تمام علم کیسے حاصل کیا۔ کہنے لگے مسلسل سوال سے۔ اصمعی کا شعر ہے

شفاء العمی طول السوال وانما   تمام العمی طول السکوت علی الجهل

کوری عقل کا علاج دائمی سوال ہے اور کوری عقل کی تکمیل جہل پر دائمی سکوت ہے، قال السعدی الشیرازی "ہرچہ ندانی از پرسیدنش ننگ مدار۔

شرط نصیحت بود بجا آرم — اگر قبول کنی ورنہ آں تو میدانی

(۷) مذاکرہ و تکرار...... تحصیل علم کے لئے مطارحہ ومناظرہ اور تکرار و مذاکرہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ علم میں پختگی اسی سے آتی ہے۔ مشہور مقولہ ہے "السبق حرف والتکرار الف یعنی سبق تو کم ہونا چاہئے او تکرار و مطالعہ زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ سبق کی بہ نسبت تکرار اور غور و خوض جتنا بھی زیادہ ہوگا فہم و ادراک اتنا ہی بڑھے گا۔ وقد قیل حفظ حرفین خیر من سماع وقرین وفہم حرفین خیر من حفظ وقزین درس میں بیٹھ کر صفحات کے صفحات سن لینے سے زیادہ مفید یہ ہے کہ صرف دو حرف محفوظ کرلئے جائیں اور صفحات کے صفحات محفوظ کرلینے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ دو حرف سمجھ بوجھ کر یاد کرلئے جائیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ تکرار کا مقصد طلب ثواب و اظہار صواب ہو نہ کہ تجبر و تعلّی۔

(۸) حفظ اوقات...... طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنے اوقات کی قدر کرے اور فضول گفتگو اور لایعنی باتوں کو بمجوائے قول نبی ﷺ "من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه ترک کرتا ہوا ضروریات شرعیہ فرائض وواجبات اور حوائج بشریہ اکل و شرب۔ بول و براز اور بقدر ضرورت نوم و خواب سے باقی ماندہ اپنے تمام اوقات کتب بینی اور مذاکرہ و تکرار میں صرف کرے۔ کیونکہ انسان کی ترقی کا راز حفظ اوقات ہی میں مضمر ہے۔ اسلام کے ہوش ربا کارنامے قدر شناسی اوقات ہی کے نتائج ہیں، اگر وہ لوگ اپنے اوقات کی قدر نہ کرتے تو ابو عبداللہ حسن بن حامد بن علی بن مروان حنبلی اپنی کتاب "الجامع فی المذہب چار سو اجزاء میں۔ شیخ حسین بن محمد بن احمد بن ماسر جس نیشاپوری متوفی ۳۶۵ھ اپنی کتاب "المسند الکبیر تیرہ سو اجزاء میں، ابو علی اسماعیل بن القاسم بن عیذون بن ہارون بن عیسی بن محمد بن سلمان القالی متوفی ۳۵۶ھ اپنی کتاب "التاریخ پانچ ہزار اوراق میں "ابو عبداللہ جمال الدین محمد بن سلیمان بن الحسن بن الحسین البلخی المقدسی الحنفی مشہور باابن النقیب متوفی ۶۹۸ھ اپنی تفسیر ننادے جلدوں میں، ابو سلیمان داؤد بن علی اصبہانی اپنی تصنیفات اٹھارہ ہزار اوراق میں، شیخ الاسلام بزدوی الحنفی اپنی تفسیر ایک سو بیس اجزاء میں، شیخ ابو الصفاء صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی اپنی کتاب "الوافی بالوفیات پچاس جلدوں میں، حافظ ابو محمد حسن بن احمد بن محمد سمرقندی اپنی کتاب "بحر الاسانید من صحاح المسانید تین سو جزء میں دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکتے تھے۔

قدمات قوم وماماتت مکارمھم — وعاشت وھم فی الناس اموات
لیس الفتی بفتی یستضاء بہ — ولایکون لہ فی الارض آثار

ظاہر ہے کہ وہی چوبیس گھنٹے ان کے شب وروز کے تھے اور وہی ہمارے ہیں لیکن اسلاف نے اپنے اوقات کی قدر کی اور ہم اس سے غافل ہیں۔

نصیحت ہمیں ست جان پدر — کہ عمرت عزیزست ضائع مکن

مشہور مقولہ ہے "الوقت من ذہب یعنی وقت بھی ایک سونا ہے، حدیث میں ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ جب وہ طلوع ہوتا ہو مگر یہ کہ وہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے انسان مین ایک نو پید امخلوق ہوں میں تیرے عمل پر شاہد ہوں مجھ سے کچھ حاصل کرنا ہو تو کرلے میں قیامت تک لوٹ کر نہیں آوٗں گا، دنیا کی تمام چیزیں ضائع ہو جانے کے بعد واپس آسکتی ہیں لیکن ضائع شدہ وقت نہیں آسکتا۔

غافل ز احتیاط نفس یک نفس مباش — شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

طریقہ تحصیل ملکہ...... ایک عالم کو جب تک کسی علم کے مبادی و قواعد اصول پر پورا پورا احاطہ حاصل نہ ہو جائے اور

اس کے جملہ مسائل سے واقفیت حاصل کر کے اصول سے فروغ نکالنے کا ملکہ پیدا نہ کر لے اس وقت تک اس کو اس علم میں حاذق وماہر نہیں کہا جا سکتا۔

اب یہ ملکہ مسائل کے صرف رٹ لینے اور سمجھ لینے سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ ملکہ نفس مسائل کو سمجھ لینے اور یاد کر لینے سے ایک بالاتر درجہ ہے، جو صرف عالم ماہر کو حاصل ہوتا ہے۔ علم میں ملکہ حاصل کرنے کا سہل تر طریقہ یہ ہے کہ طلبہ بحث ومناظرہ کے عادی ہوں، مسائل علمیہ پر تحقیقی بحثیں ہوں، مختلف مضامین پر گفتگو چھڑے، اور اس میں سرگرمی سے حصہ لیں، اس طریق سے ملکہ بہت جلد پیدا ہو جاتا ہے۔

مگر آج کل تعلیم کا رنگ ہی دوسرا ہے۔ طلبہ برسوں مجالس علمیہ میں بیٹھتے ہیں مگر گم صم۔ نہ بولتے ہیں نہ بحثیں کرتے ہیں نہ مناظروں میں حصہ لیتے ہیں، ان کی تمام تر توجہ مسائل کے رٹنے پر ہوتی ہے۔ اس غلط عملی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کو نہ ملکہ نصیب ہوتا ہے نہ علم میں تحقیقی نظر۔ بلکہ یہ سطحی کے سطحی ہی رہتے ہیں اور فارغ التحصیل ہونے پر بھی ملکہ راسخہ سے قطعی محروم ہوتے ہیں۔

صرف مطالعہ کا علم اغلاط سے پاک نہیں ہوتا...... اخیر میں ایک گزارش یہ ہے کہ آج کل بعض شائقین علم کو دیکھا گیا ہے کہ وہ کسی استاد کے زیر تربیت تحصیل علم کو ضروری خیال نہیں کرتے بلکہ ذاتی مطالعہ کو کافی سمجھتے ہیں جو ان کی خام خیالی ہے۔ کیونکہ صرف مطالعہ کا علم اغلاط سے پاک نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ الفاظ میں اشتراک وترادف، حقیقت ومجاز اور عموم وخصوص کے احتمالات پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے محض لفظوں کی لوٹ پلٹ سے یقین تک رسائی نہیں ہوتی۔ محقق معلم ایک نکھری نکھرائی مراد متعلم کو بتاء دیتا ہے، پھر یہ کچھ قدرتی نظام بھی ہے کہ جب ایک جماعت تشنہ لب دست حاجت دراز کئے ہوئے تحصیل علم کے لئے آتی ہے تو اس اجتماع میں کچھ عجیب برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی معلم میں قوت افادہ اور متعلم میں دہبی طور پر قوہ استورہ کچھ اس طرح رونما ہو جاتی ہے کہ علوم جس انداز سے یہاں کھلتے ہیں صرف اپنے مطالعہ سے نہیں کھلتے اس لئے کسی اچھے استاد کی تربیت حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں مختار توئی خواہ رسی یا نہ رسی

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی (فاضل دیوبند)

(۱) علم التفسیر

تفسیر وتاویل کی لغوی تحقیق...... تفسیر سہ حرفی مادہ "الفسر (ف، س، ر) سے تفعیل کے وزن پر ہے، فسر کے معنی کشف وایضاح یعنی کھولنا اور واضح کرنا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ "الفسر السفر کا مقلوب ہے۔ جب صبح کی روشنی پھیلتی ہے اس وقت کہتے ہیں "السفر الصبح صبح روشنی ہو گئی، مگر صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے "والقول بانہ مقلوب السفر ممالا یسفر لہ وجہ بعض حضرات نے تفسیر کا ماخذ "تفسرہ مانا ہے۔ جو اس قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ سے طبیب مرض کی شناخت کیا کرتا ہے۔ تاویل کی اصل "الاول ہے۔ بمعنی رجوع گویا تاویل آیت (کلام الٰہی) کو ان معانی کی طرف پھیر دینے کا نام ہے۔ جن کی وہ متحمل ہوتی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا ماخذ "الایالتہ ہے۔ بمعنی سیاست (ملکی انتظام) گویا تاویل کرنے والے نے اس کا انتظام درست کر دیا مگر صاحب روح المعانی نے اسے "لیس بشئی کہا ہے۔

تفسیر کے اصطلاحی معنی...... تفسیر کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں سب سے بہتر اور جامع تعریف شیخ ابوحیان کی ہے۔ فرماتے ہیں "ھو علم یبحث فیہ عن کیفیۃ النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتھا واحکامھا الافرادیۃ والترکیبیہ

ومعانيها التي تحمل عليها حالة التركيب وتتمات لذالك یعنی تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ کو قرآن کی کیفیت نطق ان کے مدلولات اور احکام افرادیہ وترکیبیہ اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن پر بحالت ترکیب ان الفاظ کو محمول کیا جاتا ہے اور ان کے تمتات بھی تفسیر میں شامل ہیں، تعریف میں لفظ علم بمنزلہ جنس کے ہے جو جملہ علوم کو شامل ہے۔ اور کیفیت نطق کی قید سے علم قرات اور الفاظ کے مدلولات (معانی) کی قید سے علم لغت اور احکام افرادی وترکیبی کی قید سے صرف ونحو، بیان وبدیع اور حالت ترکیب کی قید سے مدلولات حقیقیہ ومجازیہ اور ان کے تمتات کی قید سے معرفت ناسخ و منسوخ، ظاہر ونص، توضیح قصص اور احکامات کی طرف اشارہ ہے۔

وجہ تسمیہ ...... چونکہ اس علم سے مدلولات الفاظ قرآن کی تشریح اور معانی نظم کا کشف وایضاح مقصود ہوتا ہے یعنی اس کے ذریعہ سے کتاب اللہ سمجھی جاتی ہے اور اس کے معانی کا بیان، اس کے احکام کا استخراج ہوتا ہے اس لئے اس کو تفسیر کہتے ہیں۔

تفسیر و تاویل کا باہمی فرق ...... مفسرین کی ایک جماعت ابو عبیدہ وغیرہ ان دونوں میں فرق کے قائل نہیں بلکہ ان کے نزدیک دونوں کے ایک ہی معنی ہیں لیکن محققین مفسرین عدم فرق کے قائل نہیں بلکہ ابن حبیب نیشاپوری نے تو اس بارے میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ "ہمارے زمانہ میں ایسے مفسر لوگ پیدا ہوگئے ہیں کہ اگر ان سے تفسیر و تاویل میں فرق دریافت کیا جائے تو انہیں اس کا بھی جواب نہ آئے۔ پھر ان حضرات کے یہاں وجوہ فرق میں چند اقوال ہیں۔

(۱) تفسیر امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ تفسیر بہ نسبت تاویل کے عام ہے۔ تفسیر کا استعمال زیادہ تر الفاظ اور مفردات میں ہوتا ہے اور تاویل کا استعمال معانی اور جملوں میں ہوتا ہے۔ نیز تاویل کا استعمال زیادہ تر کتب الہیہ کے بارے میں ہوتا ہے اور تفسیر کو کتب سماویہ اور ان کے علاوہ دیگر کتب میں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

(۲) تفسیر ایسے لفظ کے بیان (واضح کرنے) کا نام ہے جو صرف ایک ہی پہلو کا حامل ہو اور تاویل مختلف معانی کے حامل لفظ کو اس کے کسی ایک معنی کی طرف لوٹانے کا نام ہے۔

(۳) ماتریدی فرماتے ہیں کہ تفسیر اس یقین کا نام ہے کہ لفظ سے حق تعالی کی مراد یہی امر ہے اور تاویل اس کو کہتے ہیں کہ بہت سے احتمالات میں سے کسی ایک کو یقین کے بغیر ترجیح دے دی جائے۔

(۴) ابو طالب ثعلبی فرماتے ہیں کہ تفسیر لفظ کی وضع کو بیان کرنے کا نام ہے۔ حقیقۃ ہو یا مجازاً جیسے "الصراط کی تفسیر الطریق کے ساتھ اور "صیب کی تفسیر مطر کے ساتھ۔ اور تاویل لفظ کے اندرونی (مدعا) کی تعبیر کا نام ہے۔ جیسے آیت "ان ربك لبا لمرصاد کی تفسیر یہ ہے کہ مرصاد رصد سے ماخوذ ہے۔ یقال رصدتہ میں نے اس کی نگرانی کی اور تاک رکھی۔ مرصاد اسی سے مصدر میمی ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ حق تعالی نے اس سے اپنے حکم کی بجا آوری میں سستی کرنے اور غفلت برتنے کے برے انجام سے ڈرا لیا ہے۔

(۵) ابو نصر قیشری فرماتے ہیں کہ تفسیر کا انحصار محض پیروی اور سماع پر ہے اور استنباط ایسی چیز ہے جو تاویل سے تعلق رکھتی ہے۔

(۶) تفسیر کا تعلق روایت سے ہے اور تاویل کا تعلق درایت سے۔

علم تفسیر کا موضوع ...... قرآن پاک، ہے اس لحاظ سے کہ اس کی مطالب ومقاصد بیان کئے جائیں۔

علم تفسیر کی غرض وغایت ...... تحصیل سعادت اور اجتناب شقاوت ہے۔

علم تفسیر کی فضیلت ...... کوئی مخفی امر نہیں اس کی بابت خود حق تعالی کا ارشاد ہے "يوتی الحکمة من يشاء ومن يوت

الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ ابن ابی حاتم وغیرہ نے بطریق ابن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے خیر کثیر کی بابت روایت کیا ہے کہ "اس سے قرآن کی معرفت مراد ہے کہ اس میں ناسخ کیا ہے اور منسوخ کیا۔ محکم کیا ہے اور متشابہ کیا، مقدم کون چیز ہے اور موخر کیا، حلال کیا ہے اور حرام کیا، اور امثال کون کونسی ہیں، ابن مردویہ نے بطریق جویبر بواسطہ ضحاک حضرت ابن عباس سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ "یوتی الحکمۃ سے مراد قرآن شریف کا عطا کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "یعنی قرآن شریف کی تفسیر، کیونکہ پڑھنے کو تو اسے نیک و بد سب ہی پڑھتے ہیں، بیہقی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے کہ "قرآن شریف کی تعریف و تفسیر و توضیح کرو اور اس کے غریب (نامانوس) الفاظ کی تلاش میں سرگرم رہو۔

ابن الانباری نے بطریق شعبی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول روایت کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھ کر اس کی تعریف کرے (سمجھائے) تو اسے حق تعالی کے یہاں ایک شہید کا اجر ملے گا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان میں کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ تفسیر کا جاننا فرض کفایہ ہے اور مجملہ تین شرعی علوم کے یہ بزرگ ترین علم ہے۔ اصبہانی کا قول ہے کہ سب سے اچھا پیشہ یا کام جو انسان کرتا ہے وہ قرآن شریف کی تفسیر ہے۔

تفسیر کیلئے کن کن علوم کی ضرورت ہے ...... تفسیر کے دو جزء ہیں ایک معرفت ناسخ و منسوخ، معرفت اسباب نزول، مقاصد آیات کی تشریح، غریب الفاظ کی توضیح، ابہام و اجمال کی تنقیح تفسیر کا یہ حصہ نقل صحیح اور اقوال سلف کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور متقدمین اسی کو تفسیر کہا کرتے ہیں، دوسرا حصہ وہ ہے صرف، نحو، بیان و معانی اور لغت وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ علوم اس حصہ اول کے مبادی ہیں جن کی ضرورت تفسیر میں واقع ہوتی ہے۔ ان دونوں جزؤں کے لحاظ سے فن تفسیر میں صرف و نحو، بیان و معانی، بدیع، لغت، فقہ و اصول فقہ، حدیث و اصول حدیث، قرات و کلام، تاریخ و رجال، زہد و رقاق، جدل خلاف، سیرہ و اسرار حقائق و حساب وغیرہ سب کی ضرورت ہے۔

مفسر کے شروط و آداب ...... علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص کتاب اللہ کی تفسیر کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ پہلے قرآن کی تفسیر قرآن ہی میں تلاش کرے۔ کیونکہ قرآن میں جو چیز ایک جگہ مجمل یا مختصر ہے دوسرے مقام میں اس کی تفسیر اور تفصیل کی گئی ہے۔ پھر سنت صحیحہ میں تلاش کرے کیونکہ سنت شارح قرآن ہے۔

فھو المفسر للکتاب وانما نطق النبی لنابہ عن ربہ

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی طرف رجوع کرے کہ وہ لوگ تمام قرائن و احوال نزول قرآن سے واقف، کامل العقل، صاحب علم صحیح اور عمل صالح کی صفات سے متصف تھے، ابو طالب طبری نے ابتداء تفسیر میں لکھا ہے کہ مفسر کے واسطے جو شرطیں لازم ہیں ان میں سے پہلی شرط اعتقاد کا صحیح ہونا اور دل و دماغ کا ہر قسم کی باطل آلائش سے پاک صاف ہونا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہوں نزول کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

نیز سنت نبویہ پر مداومت کے ساتھ عمل پیرا ہونا اور عمل صالح کے زیور سے آراستہ ہونا بھی ضروری ہے۔

از من بگوئی عالم تفسیر گوئے را گر در عمل نکوشی نادان مفسری
بار درخت علم ندانم بجز عمل با علم اگر عمل نکنی شاخ بے بری

نیز سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دے کیونکہ ابو داؤد، ترمذی، نسائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے "من تکلم فی القرآن برائہ فاصاب قد اخطا کہ جس شخص نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی اور وہ درست ہی کہی تب بھی اس نے غلطی ہی کی، اہل علم کے

نزدیک اس کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص معرفت اصول وفروع علم حاصل کئے بغیر قرآن کے متعلق محض اپنی رائے سے کوئی بات کہے اور وہ اتفاقاً صحیح تفسیر کے موافق بھی ہو جائے تب بھی اس کی یہ موافقت ناپسندیدہ ہو گی۔ کیونکہ یہ موافقت بے سمجھے بوجھے ہو گئی ہے۔

بر ہوا تاویل قرآن می کنی　　　پست و کثر شد از تو معنی سنی

طبقات مفسرین...... قرآن کریم وہ مقدس کتاب ہے جس کے مطالب نہایت واضح، مضامین بڑے شگفتہ ودل آویز، الفاظ خوب سبک اور شیریں، ایک ایک جملہ ایک ایک کلمہ اور ایک یک حرف دربائے سفتہ کی طرح مرتبط ومنسلک جن میں نہ کسی قسم کا معمہ واغلاق ہے اور نہ کوئی ایچ پیچ کہ بجز اشخاص معدودہ اور کوئی نہ جانتا ہو۔ بلکہ جس طرح ایک زبانداں عالم اس کے مطالب سے مستفید ہوتا ہے اسی طرح غیر عالم بھی بقدر استعداد وفہم سمجھ سکتا ہے، البتہ جو لوگ زباں داں نہیں وہ تفاسیر وتراجم کے محتاج ہوتے ہیں، نیز بعض مطالب عالیہ جو عبارات انیقہ کی تہہ میں مستور ہیں یا جن امور کی طرف الفاظ میں اشارے یا عبارت میں تعقید واطلاق، عموم وخصوص، استعارات وکنایات، مجاز وتشبیہات ہیں وہ کسی ماہر کے بتائے بغیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اس لئے خود مہبط وحی (پیغمبرؐ) نے بحکم لتبین للناس مانزل الیھم صحابہ کرام کو وقتاً فوقتاً علوم ومعانی قرآن کی تعلیم فرمائی پس مفسر اول خود نبی امین، سید المرسلین، رحمۃ اللعالمین ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیعت عظام نے یہ فرض انجام دیا۔ پھر ان کے فیض یافتہ تابعین وتبع تابعین نے اور ان کے بعد بے شمار علماء صالحین نے حسب ضرورت تفاسیر لکھیں جن کی تعداد آج سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں سے بھی متجاوز ہے۔

طبقہ اولی...... ہر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ کی ذات فیضیاب کی صحبت سے یہ قابلیت پیدا ہو گئی تھی کہ غوامض قرآن کو سمجھ سمجھا سکیں لیکن تفاوت اذہان اور گوناگوں قابلیتوں کے لحاظ سے فرق مراتب کی بناء پر گروہ صحابہ میں سے دس اشخاص مشہور مفسر ہوئے۔ یعنی خلفائے اربعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، خلفاء اربعہ میں سب سے زیادہ تفسیر قرآن کے متعلق روایتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ بلکہ حضرت علی اور حضرت، عبداللہ بن عباس تو اس فن کے امام ہی تھے۔ باقی تینوں خلفاء سے اس بارے میں بہت ہی کم روایتیں آئی ہیں جس کا سبب یہ تھا کہ ان حضرات نے بہت پہلے وفات پائی تھی۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ مجھے تفسیر قرآن کے بارے میں حضرت ابو بکر کے بہت ہی کم آثار یاد ہیں، جو تعداد میں دس سے بھی زیادہ نہ ہوں گے بجز حضرت علی سے آثار بکثرت مروی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ...... حضرت معمر نے بواسطہ وہب بن عبداللہ حضرت ابو الطفیل سے راویت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔ لوگو! مجھ سے پوچھو، واللہ جو بات بھی دریافت کرو گے میں تم کو اس کا جواب دوں گا۔ ہاں کتاب کی نسبت پوچھو کیونکہ بخدا کوئی آیت ایسی نہیں جس کی بابت مجھ کو یہ علم نہ ہو کہ وہ رات کو اتری یا دن کو اور ہموار میدان میں اتری یا پہاڑ میں۔

ابو نعیم نے "حلیہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ "بے شک قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے اور ان میں سے کوئی حرف ایسا نہیں جس کا ایک ظاہر اور باطن نہ ہو اور بلاشبہ حضرت علی بن ابی طالب کے پاس ان کے ظاہر وباطن دونوں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ...... آپ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت اور بھی زیادہ روایتیں منقول ہیں، ابن جریر وغیرہ نے روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں، کتاب اللہ کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کہاں نازل ہوئی ہے اور اگر

میں کسی ایسے شخص کا مکان (جگہ) جانتا ہوتا جو مجھ سے زیادہ کتاب اللہ جانتا ہو اور وہاں تک سواریاں پہنچ سکتی ہوں تو میں اس کے پاس ضرور پہنچتا۔ ابو نعیم نے بواسطہ ابوالبختری روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ آپ ہم سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت کچھ بیان فرمایئے۔ آپ نے جواب دیا کہ انہوں نے قرآن و سنت کو جان لیا ہے اور وہ منتہی ہوگئے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ...... آپ کا ایک کبیر نسخہ تفسیر میں ثابت ہے۔ جس کو ابو جعفر رازی حضرت ربیع بن انس سے بواسطہ ابوالعالیہ روایت کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ معتبر مانا گیا ہے، اس سلسلہ میں ابن جریر و ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اور حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد نے مسند میں روایات درج کی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ، ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بھی تفسیر میں روایات ہیں۔ مگر بہت کم۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ...... رہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سو وہ تو ترجمان القرآن ہیں۔ جن کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی کہ "بار الہا، اس کو دین میں فقیہ بنا اور اس کو تاویل (تفسیر) کا علم عطا فرما۔

عبداللہ بن حراش کے طریق پر بواسطہ عوام بن حوشب حضرت مجاہد سے حضرت ابن عباس کا قول منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ بے شک ترجمان القرآن تو ہی ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول روایت کیا ہے۔ انه قال . نعم ترجمان القرآن ابن عباس۔ حضرت ابن مسعود کی وفات بر قول صحیح ۳۲ھ میں ہے اور حضرت ابن عباس اس کے چھتیس سال بعد تک بقید حیات رہے ہیں تو اب اندازہ کرلو کہ انہوں نے حضرت ابن مسعود کے بعد کتنا علم حاصل کیا ہوگا۔ ابو نعیم نے حضرت مجاہد سے روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے کثرت علم کے سبب بحر (دریا) کے نام سے موسوم تھے۔ ابن الحنفیہ سے روایت ہے کہ ابن عباس اس امت کے حبر تھے۔

تفسیر قرآن کے بارے میں آپ سے اتنی کثیر روایتیں آئی ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور ان سے تفسیر کے متعلق کئی کئی روایتیں بھی آئی ہیں اور ان کے اقوال کو مختلف طریقوں سے نقل کیا گیا ہے۔ مثلاً طریق علی بن ابی طلحہ ہاشمی عن ابن عباس، طریق قیس بواسطہ عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، طریق ابن اسحاق بواسطہ محمد ابی محمد عن عکرمہ او عن سعید بن جبیر عن ابن عباس، طریق جویبر بواسطہ ضحاک عن ابن عباس، طریق بکر بن سہل دمیاطی بواسطہ عبدالغنی بن سعید عن موسیٰ بن محمد عن ابن جریج عن ابن عباس، طریق شبل بن عباد مکی بواسطہ ابو نجیح عن مجاہد عن ابن عباس، طریق سدی بواسطہ ابومالک وابو صالح عن ابن عباس، طریق کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس، طریق ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، طریق مقاتل بن سلیمان طریق وغیرہ ان تمام طریقوں میں علی بن ابی طلحہ ہاشمی کا طریق روایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ امام احمد ابن حنبل نے کہا ہے کہ مصر میں فن تفسیر کا ایک صحیفہ ہے جس کو علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا ہے، اگر کوئی شخص اس کی طلب کا ارادہ کر کے مصر کی طرف جائے تو یہ کچھ بہت (بڑی بات) نہیں، ابو جعفر نحاس نے اپنی کتاب الناسخ میں اس قول کو مستند بتایا ہے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ نسخہ مصر میں ابو صالح کاتب لیث کے پاس تھا۔ جس کو انہوں نے معاویہ بن صالح سے بواسطہ علی بن ابی طلحہ ہاشمی حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے، امام بخاری نے اپنی کتاب میں جو حضرت عبداللہ بن عباس کے اقوال بطور تعلیق درج کئے ہیں وہ بیشتر ابو صالح کی روایت سے لئے ہیں، اسی سے ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے بھی بہت سی روایتیں اپنے اور ابو صالح کے مابین چند واسطوں کے ساتھ بیان کی ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ابو صالح کے شیخ الشیخ علی بن ابی طلحہ نے خود ابن عباس سے تفسیر کے متعلق کچھ نہیں سنا بلکہ ابن عباس اور ان کے درمیان مجاہد یا سعید بن جبیر کا واسطہ ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ واسطہ معلوم ہو جانے کے

بعد اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔ اس روایت کے مان لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ خلیلی نے اپنی کتاب "الارشاد میں کہا ہے کہ ابو صالح کے شیخ معاویہ بن صالح قاضی اندلس کی روایت کو جو وہ بواسطہ علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس سے راویت کرتے ہیں۔ بڑے بڑے محدثین نے معتبر مانا ہے۔ باوجود یہ کہ حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ علی بن ابی طلحہ نے خود ابن عباس سے کچھ نہیں سنا۔ حضرت ابن عباس سے روایت تفسیر کا طریق قیس بواسطہ عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر بھی اعلی طریق ہے جو شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ چنانچہ فریابی اور حاکم نے اپنی متدرک میں اکثر روایتیں اسی طریق سے کی ہیں۔ اسی طرح طریق ابن اسحاق بواسطہ محمد بن ابی محمد عن عکرمہ او سعید بن جبیر عن ابن عباس بھی ایک جید طریق ہے جس سے ابن جبیر اور ابن ابی حاتم نے بہت سی باتیں روایت کی ہیں اور طبرانی کی معجم کبیر میں بھی اس طریق سے بہت سی چیزیں مروی ہیں اور ان میں سب سے بود اور لچر طریقہ طریق کلبی ہے جس کو وہ بواسطہ ابو صالح حضرت ابن عباس سے روایت کرتا ہے۔ لیکن ابن عدی نے "کامل میں بیان کیا ہے کہ کلبی کی کچھ حدیثیں اچھی اور خاص بھی ابو صالح کے واسطے سے مروی ہیں۔ کلبی ایک مشہور مفسر ہے جس کی تفسیر سے زیادہ طویل اور پراز تفصیل تفسیر کسی دوسرے مفسر کی نہیں پائی جاتی اور ضحاک بن مزاحم کا طریق روایت منقطع ہے۔ کیونکہ یہ حضرت ابن عباس سے نہیں ملا اور ضحاک سے جو روایت جویبر کی ہو وہ نہایت ضعیف ہے کیونکہ جویبر بہت کمزور بلکہ متروک راوی ہے، ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں سے کسی نے بھی اس طریق سے کوئی چیز راویت نہیں کی۔ ہاں ابن مردویہ اور ابوالشیخ ابن حیان نے اس طریق سے روایت کی ہے۔

طبقہ ثانیہ ...... تابعین کا ہے جن کے بیشتر اقوال اس قسم کے ہیں کہ انہوں نے ان اقوال کو صحابہ سے سنا اور حاصل کیا ہے۔ ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم مکہ کے لوگ ہیں کیونکہ وہ حضرت ابن عباس کے رفقاء ہیں۔ جیسے مجاہد، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ (مولی ابن عباس) سعید بن جبیر، طاؤس وغیرہ، اسی طرح کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود ﷛ کے اصحاب اور اہل مدینہ بھی تفسیر کے بارے میں اعلی معلومات کے حامل ہیں۔ مثلاً زید بن اسلم جن سے ان کے بیٹے عبد الرحمٰن بن زید اور مالک بن انس نے تفسیر کو اخذ کیا ہے۔ اسی طرح حسن بصری، عطاء بن ابی سلمہ خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ابو العالیہ، ضحاک بن مزاحم، عطیہ بجوفی، قتادہ، مرہ ہمدانی اور ابو مالک۔ ان بزرگوں میں سے حضرت مجاہد کا نام سرفہرست ہے۔ فضل بن میمون کا قول ہے کہ میں نے حضرت مجاہد کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس نے تیس مرتبہ قرآن کو ابن عباس پر پیش کیا ہے (یعنی ان کے روبرو اتنی مرتبہ قرآن پڑھا ہے، اور تین مرتبہ اس طرح پڑھا کہ اس کی ہر آیت پر ٹھہر کر اس کی بابت دریافت کرتا تھا کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کیونکر ہوئی تھی۔ امام ثوری بھی کہتے ہیں کہ "اگر تم کو مجاہد سے تفسیر کی راویت ملے تو وہ تمہارے لئے بہت کافی ہے۔ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ اسی سبب سے مجاہد کی تفسیر پر امام شافعی اور بخاری وغیرہ اہل علم اعتماد کرتے ہیں۔ اسی طرح سعید بن جبیر کی تفسیر بھی قابل اعتماد ہے۔ سفیان ثوری نے کہا ہے کہ تم تفسیر چار شخصوں سے اخذ کرو۔ یعنی سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک سے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ تابعین میں سے چار شخص بہت بڑے عالم ہیں۔ عطاء بن ابی رباح مناسک کے بعد، سعید بن جبیر تفسیر کے بعد، عکرمہ یہ کے اور حسن حلال و حرام کے حضرت عکرمہ کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہے۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ عکرمہ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم باقی نہیں رہا۔

طبقہ ثالثہ ...... تبع تابعین کا ہے جو صحابہ اور تابعین دونوں کے اقوال روایت کرتے ہیں۔ جیسے سفیان بن عینیہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن الحاج، زید بن ہارون، عبد الرزاق، آدم بن ابی ایاس، اسحاق بن راہویہ، روح بن عبادہ، عبد بن حمید، ابو بکر عثمان بن ابی شیبہ، ابن جریج، اسماعیل بن عبد الرحمٰن سدی، ابوالحسن مقاتل بن سلیمان مروزی، ابونصر محمد بن سائب کلبی

کوفی، ابن قیتبہ ابو محمد بن عبد اللہ بن مسلم دینوری، ان سب کی تفاسیر ہیں مگر رطب ویابس سے خالی نہیں، مقاتل کو بعض نے شیعی بتایا ہے۔

طبقہ رابعہ ...... طبقہ رابعہ میں ابو جعفر محمد بن جریر طبری، ابو القاسم ابراہیم بن اسحاق انماطی، عبد الرحمٰن بن ابی حاتم، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان، ابن مردویہ، ابو الشیخ، ابن المنذر ابو حنیفہ، احمد بن داؤد نحوی، دینوری وغیرہ مشاہیرات داخل ہیں، ان سب کی بھی تفاسیر ہیں مگر رطب ویابس سے خالی نہیں۔ ابو الشیخ ابن مردویہ اور ابن حبان کی تفسیر میں ضحاک کی اکثر روایات جو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں جویبر کے واسطہ سے ہوتی ہیں اور یہ شخص محدثین کے نزدیک قابل اطمینان نہیں بلکہ کذاب ہے ہاں ان سب میں بڑی اور عظیم الشان تفسیر ابن جریر طبری کی ہے جس میں وہ توجیہ اقوال اور بعض کو بعض پر ترجیح دیتے اور اعراب سے بھی بحث کرتے ہیں۔ لیکن اس میں جو اقوال بذریعہ شر بن عمارہ درج ہیں وہ غیر معتبر ہیں کیونکہ بشر کو حفاظ نے ضعیف کہا ہے جیسا کہ طبقہ ثالثہ میں کلبی اور مقاتل کو مجروح سمجھا گیا ہے۔

طبقہ خامسہ ...... طبقہ خامسہ میں ابو عبد الرحمٰن محمد بن حین سلمی نیشاپوری، ابو اسحاق احمد ثعلبی نیشاپوری، ابو محمد عبد اللہ جوینی، ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، ابو الحسن واحدی نیشاپوری وغیرہ حضرات ہیں، یہ لوگ اسناد کو حذف کر کے صحابہ د تابعین کی طرف اقوال منسوب کر دیتے ہیں کہ ابن عباس نے یوں فرمایا، مجاہد نے یہ کہا، ابو العالیہ کا یہ قول ہے، اس میں بہت سے حوالے اصل بھی ہوتے ہیں بلکہ ابو عبد الرحمٰن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری کی تفسیر میں تو بہت کچھ خرافات، ابو اسحاق احمد ثعلبی کی تفسیر میں بہت کچھ جھوٹے قصے اور غلط روایات بھی ہیں۔

طبقہ سادسہ ...... طبقہ سادسہ میں وہ متاخرین ہیں جو چھٹی صدی میں گزرے ہیں۔ جیسے ابو القاسم اسماعیل بن محمد اصفہانی ان کی تفسیر "الجامع تیس جلدوں میں ہے۔ ابو القاسم حسین راغب اصفہانی ابو حامد زین الدین محمد بن محمد غزالی، ابو جعفر محمد بن حسین بن علوی طوسی، ابو القاسم محمد بن عمر جار اللہ زمخشری وغیرہ اس طبقہ میں یہ بات پیدا ہو گئی تھی کہ یہ لوگ جن خاص خاص علوم میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے انہی کے مطابق اپنے اپنے مذاق پر تفسیر کرتے تھے، صرفی اور نحوی صرف نحو و صرف کے قواعد، مسائل، فروع اور اختلافات بیان کرتا جیسے زجاج اور واحدی نے کتاب "بسیط میں اور ابو حیان نے کتاب "البحر والنہر میں کیا ہے اور متکلم ادنیٰ مناسبت سے مسائل فلسفہ کا ذکر کر کے ان کے رد کے درپے ہوتا، اسی طرح مورخ قصوں کی بھرمار کر کے گزشتہ لوگوں کے واقعات وحالات درج کرتا جیسے ثعلبی نے کیا ہے، اور معتزلی آیات کو اپنے اعتزال پر ڈھالتا جیسے زمخشری نے کیا ہے جو علماء کی جماعت میں صرف اعتزالی عقائد ہی نہیں بلکہ ان عقائد میں شدت اور غلو کی وجہ سے سخت بدنام ہے، لوگوں کی سوء ظنی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ گویا شکر میں لپیٹ کر کونین کھلانے کی مہارت اس شخص کو خاص طور پر حاصل ہے۔ چھپا چھپا کر اپنے عقائد خاص کی سمیت جذب کرتے چلے گئے ہیں۔ زین الدین بن المنیر اسکندرانی نے اس راز کو فاش بھی کیا ہے۔ لیکن ان بدنامیوں اور بر سر بازار رسوائیوں کے باوجود اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فنون عربیت میں یہ کتاب بے مثل ولاجواب ہے اور صاحب مصباح کا یہ کہنالم یصنف مثلہ قبلہ اس جیسی کوئی کتاب اس سے پہلے تصنیف نہیں ہوئی بالکل بجا ہے، قال بعضھم فی مدح الکشاف

ان التفاسیر فی الدنیا بلاعدد — ولیس فیھا لعمری مثل کشاف

ان کنت تبغی الھدی فالزم قراتہ — فالجھل کالداء والکشاف کالشافی

طبقہ سابعہ ...... طبقہ سابعہ میں یہ لوگ ہیں ابو عبد اللہ محمد فخر الدین رازی، ان کی تفسیر کا نام مفاتیح الغیب ہے۔ جو آٹھ جلدوں میں ہے۔ تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔

یہ منطق وکلام کے امام تھے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں کوئی چیز چھوڑی نہیں مگر فلسفہ قدیم کے رد میں مقصد سے

دور نکل جاتے ہیں۔ محمد بن ابی بکر رازی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی۔ مالکی، ان کی تفسیر کا نام جامع احکام القرآن ہے جس کو تفسیر قرطبی کہتے ہیں۔ موفق الدین احمد بن یوسف الموصلی، ان کی تفسیر کواشی، دو ہیں خورد کو تلخیص اور کلاں کو تبصرہ کہتے ہیں۔ قاضی ناصر الدین عبد اللہ بن عمر بیضاوی، ان کی تفسیر کا نام "انوار التنزیل واسرار التاویل ہے جو تفسیر بیضاوی سے مشہور ہے۔

طبقہ ثامنہ...... طبقہ ثامنہ میں یہ لوگ ہیں۔ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی، ان کی تفسیر "مدارک گو مختصر ہے مگر نہایت عمدہ ہے۔ ہبۃ اللہ شرف الدین بن عبد الرحیم بازری، ان کی تفسیر کا نام "اسرار التنزیل ہے۔ ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی، ان کی تفسیر کئی جلدوں میں بطرز محدثانہ ہے روایت میں احتیاط کرتے ہیں۔ شرف الدین عبد الواحد بن المیز ان کی تفسیر بھی کئی جلدوں میں ہے۔ قطب الدین بن محمود بن مسعود شیرازی، ان کی تفسیر "فتح المنان تفسیر القرآن چالیس جلدوں میں ہے جس کو تفسیر "علامی" کہتے ہیں۔ شرف الدین حسن بن محمد طیبی، ان کی تفسیر "فتوح الغیب عن قناع الریب" نہایت عمدہ تفسیر ہے جو کچھ مفسر کے فرائض ہیں سب ادا کئے ہیں۔

طبقہ تاسعہ...... طبقہ تاسعہ میں نویں صدی اور اس کے بعد کے مفسرین جلال الدین محمد بن احمد محلی، جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی صاحب جلالین، شیخ علی بن احمد بن حسن مہمائی صاحب تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی صاحب بحر مواج، علامہ سعد الدین تفتازانی صاحب کشف الاسرار وعدۃ الابرار عبد الرحمٰن بن عمر بلقینی صاحب مواقع العلوم، ابو الفضل شہاب الدین محمود آلوسی صاحب روح المعانی وغیرہ حضرات ہیں۔

مذکورہ بالا تفاسیر میں سے ہمارے یہاں صرف تفسیر بیضاوی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری اور تفسیر جلالین داخل درس ہیں۔

(۲) علم اصول تفسیر

لغوی تحقیق...... اصول تفسیر میں مضاف یعنی اصول اصل کی جمع ہے جو ضد فرع اور بنیاد ہے، قاعدہ، دلیل، راجح، نسب، ماخذ اور مصدر وغیرہ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے اور مضاف الیہ یعنی تفسیر کی لغوی واصطلاحی تحقیق "علم تفسیر" کے ذیل میں گزرچکی۔

اصطلاحی تعریف...... علم اصول تفسیر ایسے قواعد کے جاننے کا نام ہے جن کو مستحضر رکھنے سے علی وجہ الصحۃ نظم قرآن کے معانی مقصودہ کی تشریح اور احکام شرعیہ کا استنباط کیا جاسکے۔

وجہ تسمیہ...... چونکہ اس علم کے ذریعہ سے قرآنی الفاظ کے مدلولات کی تفصیل، شرح معانی نظم اور استخراج احکام شرعیہ کے قواعد معلوم ہوتے ہیں اس لئے اس علم کا نام اصول تفسیر ہے۔

موضوع اور غرض وغایت...... اس علم کا موضوع نظم قرآن ہے۔ مگر علی الاطلاق نہیں بلکہ بحیثیت مذکورہ اور غرض وغایت سنت نبویہ اور آثار صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے مطابق نظم قرآن سے استخراج احکام شرعیہ کا ملکہ حاصل کرنا بالفاظ دیگر کلام اللہ کی مراد سمجھنے اور اس سے احکام دینیہ کے استنباط کرنے میں خطا واقع ہونے سے بچنا ہے۔

تدوین اصول تفسیر...... قرآن پاک ایک مکمل ضابطہ حیات، کامل قانون ہدایت، جامع اصول وکلیات اور صدہا علوم وفنون کا سرچشمہ ہے۔

جامع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

چنانچہ علماء اسلام نے تین سو سے زیادہ علوم وفنون مدون کئے ہیں اور ہر ایک فن پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ان تمام

علوم یا اکثر کے مجموعہ کو علوم القرآن یا اصول التفسیر کہتے ہیں۔

پہلی صدی ...... اسلام میں جس طرح قرآن مجید سب سے پہلے کتابی صورت میں مرتب ہوا اسی طرح اس کے علوم پر بھی کام کا آغاز سب سے پہلے ہوا۔ چنانچہ پہلی صدی ہجری کے اوائل میں علوم قرآن میں سے فضائل قرآن پر کام ہوا اور سید القراء صحابی رسول ﷺ حضرت ابو المنذر ابی بن کعب انصاری ؓ متوفی ۱۹ھ کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ آپ نے سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب فضائل القرآن لکھی اور کبار تابعین میں سے قاضی بصرہ ابو الاسود دولی متوفی ۶۹ھ نے سب سے پہلے نقط مصاحف پر ایک مختصر رسالہ لکھا جس کا تذکرہ علامہ ابو عمر والدانی متوفی ۴۴۴ھ نے کتاب المحکم میں کیا ہے، اسی صدی کے اختتام پر دوسری صدی کے اوائل میں حضرت ابن عباس ؓ کے نامور شاگرد حضرت عکرمہ متوفی ۱۰۷ھ نے قران مجید کے اسباب نزول پر کتاب لکھی جس میں وہ تمام معلومات جمع کیں جو موصوف نے ابن عباس ؓ سے سنی تھیں۔

دوسری صدی ...... دوسری صدی کے اوائل میں قرآن کے خاص خاص موضوع اور مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر موضوع پر بلند پایہ ائمہ فن نے قلم اٹھایا۔ چنانچہ امام لغت خلیل بن احمد بصری متوفی ۱۷۰ھ نے نقط مصاحف پر قلم اٹھایا، اسباب و علل سے بحث کی اور انہیں کتابی صورت میں مرتب کر کے پیش کیا، قراء سبعہ میں سے قاضی دمشق عبد اللہ بن عامر یحصبی متوفی ۱۱۸ھ نے سب سے پہلے قرآن پاک کے مقطوع اور موصول پر مقطوع آالقرآن و موصولہ کے نام سے کتاب لکھی نیز مصاحف کی تاریخ تدوین اور اختلاف مصاحف کے موضوع پر سب سے پہلے "اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق" کے نام سے کتاب مرتب کی۔ ان کے بعد امام ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی متوفی ۱۸۹ھ نے کتاب اختلاف مصاحف اہل المدینۃ واہل الکوفۃ والبصرۃ" لکھی، ابان بن تغلب بکری کوفی متوفی ۱۴۱ھ نے سب سے پہلے "غریب القرآن" کے نام سے قرآن مجید کے غریب الفاظ کو جمع کیا، مشہور مفسر اور فقیہ خراسان مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ اور علامہ حسین بن واقد مروزی متوفی ۱۵۷ھ نے ناسخ و منسوخ پر "کتاب الناسخ والمنسوخ" اور وجوہ و نظائر قرآن پر کتاب وجوہ القرآن اور ابو عمرو بن العلا بصری متوفی ۱۵۱ھ نے حروف القرآن پر قراء سبعہ میں سے امام ابو عمارہ حمزہ بن حبیب کوفی متوفی ۱۵۸ھ نے اجزاء قرآن پر کتاب اسباع القرآن اور امام نافع بن عبد الرحمن مدنی متوفی ۱۶۹ھ نے کتاب العواشر اور انہی دونوں حضرات نے وقف و ابتدا کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ اول الذکر نے کتاب الوقف والابتداء اور ثانی الذکر نے کتاب وقف التمام تصنیف کی۔ امام ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی متوفی ۱۹۸ھ نے سب سے پہلے فرق باطلہ کی تردید میں کتاب جوابات القرآن اور ابو عبیدہ معمر بن المثنی متوفی ۲۱۰ھ نے اعراب معانی قرآن پر قمطرازی کی۔

تیسری صدی ...... تیسری صدی کے اوائل میں مصادر قرآن اور اس کے جمع و تثنیہ کے موضوع پر سب سے پہلے امام نحو یحیی بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ نے کتاب الجمع والتثنیۃ فی القرآن اور کتاب المصادر فی القرآن کے نام سے دو جداگانہ کتابیں تصنیف کیں۔ ہیثم بن عدی طائی متوفی ۲۰۷ھ نے اور استاد سیبویہ ابو زید سعید بن زید انصاری متوفی ۲۱۵ھ نے لغات القرآن پر، ابو الحسن علی بن محمد مدائنی متوفی ۲۲۴ھ نے "تسمیۃ المستہزئین الذین جعلوا القرآن عضین" وغیرہ کے نام سے اسماء منافقین کے موضوع پر امام کسائی کے نامور شاگرد عبد اللہ بن احمد معروف با بن ذاکون متوفی ۲۴۲ھ نے سب سے پہلے "اقسام القرآن وجوابہا" کے نام سے قرآن مجید کی قسموں اور ان کے جوابات پر، ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ، متوفی ۲۵۵ھ نے نظم القرآن اور مسائل القرآن کے نام سے نظم و ترتیب اور اعجاز پر حافظ حدیث ابو اسحاق ابراہیم بن محمد حربی متوفی ۲۸۵ھ نے سجود القرآن کے نام سے قرآن کے سجدوں پر امام لغت ابو علی احمد بن جعفر دینوری متوفی

۲۸۹ھ نے سب سے پہلے ضمائر القرآن پر مشہور نحوی محمد بن یزید واسطی متوفی ۳۰۶ھ نے "اعجاز القرآن فی نظمہ" کے نام سے اعجاز قرآن کے موضوع پر کتابیں تصنیف کیں۔

چوتھی صدی...... چوتھی صدی کے اوائل میں علوم قرآن پر یکجا بحث کا آغاز ہوا۔ چنانچہ علامہ ابو بکر محمد بن خلف محولی متوفی ۳۰۹ھ نے علوم قرآن پر ۲۷ جزؤں میں کتاب "احادی فی علوم القرآن" اور نامور حافظ حدیث محمد بن اسحاق صاغانی کے شاگرد اور محمد بن فارس لغوی کے استاذ حافظ احمد بن جعفر معروف با بن المنادی متوفی ۳۳۶ھ نے گوناگوں علوم قرآن پر کم وبیش چار سو مستقل کتابیں لکھیں اور ان میں ایسی نادر معلومات جمع کیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں گویا چوتھی صدی میں علوم قرآنی کی کم از کم سو اصناف پر تنہاء ابن المنادی نے وہ کام کر دیا جو پھر نہ ہو سکا۔

پانچویں صدی...... پانچویں صدی میں ابو نصر محمد بن احمد بن علی مروزی حنفی متوفی ۴۸۴ھ نے اس موضوع پر دو کتابیں التذکرہ لاہل التبصرہ اور المقول لکھیں۔ آج یہ کتابیں نہیں ملتیں، اس لئے نہیں بتایا جا سکتا کہ ان کتابوں میں کون کون سی اہم مباحث اور علوم سے بحث کی گئی ہے۔

چھٹی صدی...... چھٹی صدی میں نامور مفسر علامہ ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے جن کا شمار حفاظ حدیث میں ہے فنون الافنان فی علوم القرآن تصنیف کی۔ جس میں اختصار کے باوجود بعض اہم مباحث کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

ساتویں صدی...... ساتویں صدی میں حافظ العصر شہاب الدین ابو شامہ عبد الرحمٰن مقدسی متوفی ۶۶۵ھ نے المرشد الوجیز فی علوم القرآن العزیز تالیف کی جس کا مخطوطہ مکتبۃ البدریہ بیت المقدس میں محفوظ ہے۔

آٹھویں صدی...... آٹھویں صدی میں علامہ بدر الدین زرکشی متوفی ۷۹۴ھ نے "البرہان فی علوم القرآن" نامی کتاب لکھی۔ جس میں ۴۷ انواع علوم قرآن سے بحث کی۔ اس موضوع پر یہ کتاب نہایت کامیاب ہے اور سیوطی کی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" کی اساس اور بنیاد یہی کتاب ہے جو چار ضخیم جلدوں میں قاہرہ سے شائع ہوگئی ہے۔

نویں صدی...... نوی صدی میں جلال الدین عبد الرحمٰن بن عمر بلقینی شافعی متوفی ۸۲۴ھ نے مواقع العلوم من مواقع النجوم لکھی۔ پھر اس موضوع پر محی الدین محمد بن سلیمان کافجی حنفی ۸۵۶ھ نے "التیسیر فی علم التفسیر" تحریر کی۔ ۸۷۲ھ میں علامہ سیوطی نے اپنی مبسوط تفسیر مجمع البحرین و مطلع البدرین کا مقدمہ لکھا جس میں موصوف نے قرآن مجید کے ایک سو دو علوم پر تبصرہ کیا ہے۔ اس کا نام "التحبیر فی علوم التفسیر" ہے جس کی اصل اور بنیاد علامہ بلقینی کی کتاب مواقع العلوم ہے۔ اس کے دو مخطوط جامع ازہر (قاہرہ) کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں، اس کے بعد سیوطی کو علامہ زرکشی کی کتاب "البرہان" ملی تو موصوف نے اس کو سامنے رکھ کر از سر نو مجمع البحرین کا مقدمہ لکھنا شروع کیا جو ۸۷۸ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ یہی مقدمہ "الاتقان فی علوم القرآن" کے نام سے عالم میں مشہور ہے۔ اس میں زرکشی کی کتاب پر ۳۳ انواع علوم کا اضافہ ہے۔

دسویں صدی...... دسویں صدی میں شیخ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ نے علوم قرآن پر ۹۳۲ھ میں الجوہر المصون السر المرقوم فیما تنتجہ الخلوۃ من الاسرار والعلوم لکھی جس میں قرآن پاک کے تین ہزار علوم کو بیان اور ان پر تبصرہ کیا ہے۔

گیارہویں صدی...... گیارہویں صدی میں سب سے پہلے ہندوستان میں ملا جیون احمد بن ابی سعید صالحی امیٹھوی متوفی ۱۱۳۰ھ نے احکام القرآن کے موضوع پر ۱۰۶۹ھ میں "التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ مع تعریفات المسائل الفقہیہ" تالیف کی جس میں قرآن پاک کی کم وبیش پانچ سو آیات کی تشریح و توضیح حنفی نقطہ نگاہ سے کی ہے۔

بارہویں صدی...... بارہویں صدی کے اوائل میں محدث ابن عقیلہ جمال الدین محمد بن احمد مکی نے الاحسان فی علوم

القرآن لکھی جس سے سید مرتضٰی زبیدی نے تاج العروس میں استفادہ کیا ہے اور شیخ محمد آفندی ارمیری متوفی ۱۱۶۰ھ نے بدائع البرہان فی علوم القرآن اور ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر لکھی جو قرآن فہمی کے اصول پر نہایت مختصر، مفید اور اہم کتاب ہے۔

(۳) علم قرأت

لغوی تحقیق...... لفظ قرأت بکسر اول بر وزن ہدایت مصدر ہے۔ بمعنی خواندگی قَرَاَ (ف)(ن) قَرْاءً قِرَاءَۃً، قراتا، الکتاب تلفظ کرنا اور پڑھنا۔

اصطلاحی معنی...... قرآن پاک کے الفاظ دو طرح کے ہیں۔ اول متفق علیہ جن کو تمام صحابہ نے ایک ہی طرح روایت کیا ہے۔ دوم مختلف فیہ جن کو لغات کے مختلف ہونے کی بناء پر حق تعالیٰ نے کئی کئی طرح نازل فرمایا ہے تو علم قرأت اس علم کا نام ہے جس میں وہ الفاظ و مسائل بیان کئے جائیں جو نزول کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ سے کئی کئی طرح آئے ہیں۔ بالفاظ دیگر علم قرأت وہ علم ہے جس میں اختلاف قرأت متواتر مشہورہ کے اعتبار سے صور نظم قرآنی پر بحث کی جائے۔

موضوع...... علم قرات کا موضوع قرآن پاک کے الفاظ ہیں کیونکہ اس علم میں انہی کے تلفظ کے حالات سے بحث کی جاتی ہے۔

غرض وغایت...... نظم قرآن کی تلاوت اور ضبط اختلافات متواترہ کے ملکہ کی تحصیل ہے۔

خیر القرون اور قرأت...... صحابہ کرام ﷺ جن جن وجوہ سے قرآن پاک پڑھتے تھے وہ سب صحیح اور منزل من اللہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ بذات خود وہ قرائتیں پڑھتے آپ سے صحابہ کرام سنتے اور اس کے مطابق پڑھتے تھے۔ لیکن جماعت صحابہ میں بعض حضرات کو اس سلسلہ میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بقول علامہ دانی آپ سے حروف القرآن کے متعلق روایات وارد ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ "یوم القوم اقرؤہم لکتاب اللہ واکثرہم قراتا اور آنحضرت ﷺ کا آپ کو امامت کے لئے آگے بڑھانا بطریق تواتر ثابت ہے۔ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ سے بھی حروف القرآن میں روایت وارد ہیں۔

سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن حضرات نے عہد نبوی ﷺ میں قرآن پاک جمع کیا تھا ان میں سے ایک آپ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی، ابو عبد الرحمٰن سلمی، زر بن جیش اور ابو الاسود دؤلی نے آپ کو قرآن پاک سنایا ہے۔

چہارم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، آپ نے آنحضرت ﷺ کو قرآن سنایا اور آپ کو ابو عبد الرحمٰن سلمی ابو الاسود دؤلی اور عبد الرحمٰن بن ابی لیلی نے سنایا۔ ابو عبد الرحمٰن کا بیان ہے کہ میں نے اپ سے زیادہ قاری قرآن نہیں دیکھا۔

پنجم سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، آپ نے آنحضرت ﷺ سے قرآن پڑھا اور آنحضرت ﷺ نے آپ کو بطور ارشاد و تعلیم قرآن کا ایک حصہ سنایا حضرت ابو قلابہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کے حق میں ارشاد فرمایا" اقرؤہم ابی بن کعب" صحابہ میں سے حضرت عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن السائب نے اور تابعین میں سے عبد اللہ بن ابی عیاش بن ابی ربیعہ، ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب اور ابو العالیہ ریاحی نے آپ سے قرآن پاک پڑھا ہے۔

ششم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی اور امین رسول ﷺ و جامع قرآن آپ نے آنحضرت ﷺ کو قرآن پاک سنایا۔ صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اور تابعین میں ابو عبد الرحمٰن سلمی، ابو العالیہ ریاحی اور بقول بعض حضرت ابو جعفر نے آپ سے قرآن پاک پڑھا۔

ہفتم حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷛، تحقیق و ترتیل اور تجوید قرآن میں امام اور نہایت خوش الحان تھے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ "من احب ان یقرا القرآن غضا کما انزل فلیقرا اقراء ابن ام معبد آپ نے آنحضرت ﷺ سے اور آپ سے حضرت اسود، تمیم بن حذلم، حارث بن قیس، زر بن حبیش، عبیدا بن قیس، عبید بن فضلہ، علقمہ، عبید بن عمرو سلمانی، عمرو بن شرجیل، ابو عبد الرحمٰن سلمی، ابو عمرو شیبانی، زید بن وہب وغیرہ نے قرآن پاک پڑھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے دہن مبارک سے تقریباً ستر سورتیں حفظ کی ہیں، عاصم و حمزہ، خلف و اعمش اور کسائی کی قرائت آپ ہی پر منتہی ہوتی ہے۔

ہشتم حکیم الامتہ حضرت ابو الدرداء عویمر بن زید ﷛ جامع قرآن، عبد اللہ بن عامر یحصبی، خلید بن سعد، راشد بن سعد اور خالد بن سعدان وغیرہ نے آپ سے قرآن پاک پڑھا ہے۔ حضرت مسلم بن مشکم سے مروی ہے کہ میں نے آپ سے پڑھنے والوں کو شمار کیا تو تقریباً سولہ سو ہوئے۔

نہم حضرت ابو موسی الاشعری ﷛۔ آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور آنحضرت ﷺ کو سنایا اور آپ کو حطان بن عبد اللہ رقاشی، ابو رجاء عطاردی اور ابو یخ ہنائی نے سنایا۔ آپ نہایت خوش الحان تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے آپ کی قرأت سنی تو فرط مسرت میں ارشاد فرمایا۔ لقد اوتی ھذامزمارمن مزامیر آل داؤد۔"

دہم بحر التفسیر و حبر الامتہ حضرت عبد اللہ بن عباس ﷛، آپ نے عہد نبوی ﷺ میں قرآن پاک حفظ کیا اور حضرت ابی بن کعب ﷛ اور زید بن ثابت ﷛ کو سنایا، آپ سے حضرت ایاس، سعید بن جبیر سلیمان بن قتیبہ، عکرمہ بن خالد اور ابو جعفر یزید بن قعقاع نے پڑھا۔

یازدہم حضرت ابو ہریرہ ﷛، آپ نے قرآن پاک حضرت ابی بن کعب ﷛ سے پڑھا اور آپ کو عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج اور ابو جعفر نے سنایا۔ آپ رات کو تین حصوں پر تقسیم کرتے تھے۔ ایک حصہ قرآن کے لئے اور ایک سونے کے لئے اور ایک ضبط و حفظ احادیث کے لئے۔ ابو جعفر اور نافع کی قرأت آپ ہی پر منتہی ہوتی ہے۔

دوازدہم عبد اللہ بن ابی السائب بن صیفی المخزومی۔ حضرت ابی بن کعب ﷛ اور حضرت عمر ﷛ سے قرأت روایت کرتے ہیں۔ مجاہد بن جبیر اور عبد اللہ بن کثیر نے آپ سے پڑھا۔ قال مجاهد لنا نفخر علی الناس بقارئنا عبدالله بن السائب ویفقیهنا ابن عباس وبموذننا ابی مخدورة وبقا ضینا عبید بن عمیر۔

دور تابعین...... تابعین حضرات جنہوں نے صحابہ کرام سے قرآن پاک پڑھا ان کے پانچ فرقے ہیں۔ قراء مدینین، قراء مکیین، قراء کوفیین، قراء بصرئین، قراء شامیین

قراء مدینین...... (۱) سعید بن المسیب متوفی ۹۴ھ آپ نے حضرت ابن عباس ﷛ اور حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے پڑھا اور آپ سے محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے پڑھا۔ حضرت عمر ﷛، حضرت عثمان ﷛ اور سعید بن زید سے روایت رکھتے ہیں۔ آپ سے حروف والقرآن میں روایت ہے۔

(۲) امیر المومنین ابو حفص عمر بن عبد العزیز متوفی ۱۰۱ھ آپ سے بھی حروف القرآن میں روایت ہے۔ نہایت، خواش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے، ایک مرتبہ رات میں باہر تشریف لائے اور با آواز بلند خوش الحانی کے ساتھ پڑھنے لگے۔ چاروں طرف سے لوگ جمع ہو گئے تو حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ آپ نے لوگوں کو لٹو بنا دیا۔

(۳) حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام متوفی ۹۳ھ، ابن شوذب کا بیان ہے کہ آپ ہر روز چوتھائی قرآن دیکھ کر پڑھتے اور اتنا ہی رات کو تہجد میں پڑھتے تھے اپنے والدین اور حضرت عائشہ سے روایت رکھتے ہیں۔

(۴) ابو محمد عطاء بن یسار ہلالی متوفی ۱۰۳ھ ان سے حروف القرآن میں راویت ہے۔ حضرت ابی بن کعب ﷛ اور

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے زید بن اسلم اور شریک راوی ہیں۔

(۵) ابو داؤد عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج متوفی ۱۱۷ھ۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عیاش سے قرأت حاصل کی اور آپ سے نافع بن ابی نعیم نے حاصل کی۔ اسید بن اسید نے آپ سے حروف القرآن میں روایت کی ہے۔

(۶) ابو بکر محمد بن مسلم زہری، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پڑھا اور عبد اللہ بن عمر، انس بن مالک، سہل بن سعد، سائب بن یزید، ابو الطفیل محمود بن ربیع اور محمود بن لبید سے روایت کی ہے۔ عثمان بن عبد الرحمٰن الوقاص نے آپ سے حروف القرآن میں روایت کی ہے اور نافع بن ابی نعیم نے آپ سے پڑھا ہے، مالک بن انس، معمر، اوزاعی، عقیل بن خالد اور ابو عبا ابراہیم آپ سے روایت کرتے ہیں۔

(۷) ابو عبد اللہ مسلم بن جندب، آپ نے حضرت عبد اللہ بن عیاش سے پڑھا اور آپ سے حضرت نافع نے پڑھا۔

قال عمر بن عبدالعزیز من سره ان یقرا القرآن غضا فیلقرا علی قراءة مسلم بن جندب.

قراء مکیین...... ابو عاصم عبید بن عمیر بن قتادہ، حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب سے روایت رکھتے ہیں۔ حضرت مجاہد، عطاء اور عمرو بن دینار آپ سے روایت کرنے والے ہیں۔ حروف القرآن میں آپ سے روایت ہے۔

(۲) ابو محمد عطاء بن ابی رباح قرشی متوفی ۱۱۵ھ، آپ حضرت ابو ہریرہ سے قرأت روایت کرتے ہیں۔ ابو عمر نے آپ سے پڑھا ہے۔ حروف القرآن میں آپ سے روایت ہے۔

(۳) ابو عبد الرحمٰن طاؤس بن کیسان یمانی متوفی ۱۰۶ھ، آپ نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے قرآن پڑھا۔ حروف القرآن میں آپ سے بھی روایت ہے۔

(۴) ابو الحجاج مجاہد بن جبیر متوفی ۱۰۳ھ میں آپ نے عبد اللہ بن السائب اور عبد اللہ بن عباس کو تقریباً تیس گردانیں سنائیں، عبد اللہ بن کثیر، ابو عمرو بن العلاء اور اعمش وغیرہ نے آپ سے پڑھا ہے۔

(۵) ابو عبد اللہ عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) متوفی ۱۰۵ھ آپ سے حروف القرآن میں روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر سے روایت رکھتے ہیں۔ علباء بن احمر اور ابو عمرو بن العلاء نے آپ کو قرآن سنایا ہے۔ ایوب خالد حذاء اور خلف آپ سے روایت کرنے والے ہیں۔

قراء کوفیین...... (۱) ابو شبل علقمہ بن قیس بن عبد اللہ نخعی متوفی ۶۲ھ، آپ عہد نبوی ﷺ میں پیدا ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک پڑھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع کا موقعہ پایا، ابراہیم بن یزید نخعی، ابو اسحاق سبیعی، عبید بن فضلہ وغیرہ نے آپ کو قرآن سنایا، نہایت خوش الحان تھے۔ جب حضرت عبد اللہ بن مسعود آپ سے قرأت سنتے تو فرماتے لوراك رسول الله ﷺ لسربك.

(۲) ابو عمر واسود بن یزید بن قیس نخعی متوفی ۷۵ھ، آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پڑھا اور خلفاء اربعہ سے روایت کی۔ غیر رمضان میں ہر ہفتہ اور رمضان میں ہر دو رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی، ابو اسحاق، سبیعی، اور یمینی بن وثاب نے آپ سے پڑھا ہے۔

(۴) ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل ہمدانی، آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن سنایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایات کا شرف حاصل کیا، ابو وائل اور ابو اسحاق آپ سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) ابو یزید ربیع بن خثیم کوفی متوفی قبل از ۹۰ھ راوی حروف قرآن، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرأت حاصل کی، آپ سے ابو زرعہ بن عمرو نے پڑھا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ سے کہا کرتے تھے۔ لوراك محمد صلعم لاحبك

(۶) ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب اسلمی الضریر متوفی ۷۴ھ عہد نبوی ﷺ میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان بن

عفان ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ اور حضرت ابی بن کعب سے قرات پڑھی۔ عاصم، عطاء حسن اور حسین نے آپ کو قرآن سنایا۔

(۷) ابو مریم زرین جیش بن حباشہ متوفی ۸۳ھ، آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ، حضرت عثمان بن عفان ؓ اور حضرت علی ؓ کو قرآن سنایا اور آپ کو عاصم، سلیمان اعمش، ابو اسحاق اور یحیی بن وثاب نے سنایا۔

(۸) ابو العالیہ عبید بن فضلہ، آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور علقمہ سے قرات پڑھی، یحیی بن وثاب اور حمران بن اعین آپ سے قرات روایت کرتے ہیں۔

(۹) ابو عمران ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی متوفی ۹۶ھ، آپ نے حضرت اسود بن یزید اور علقمہ سے پڑھا اور آپ سے اعمش اور طلحہ بن مصرف نے۔

(۱۰) ابو عمرو عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۵ھ، آپ نے ابو عبدالرحمٰن سلمی اور علقمہ سے پڑھا ہے۔ محمد بن ابی لیلی آپ سے قرات روایت کرتے ہیں۔

قراء بصریین...... (۱) ابو العالیہ رفیع بن مہران رباحی متوفی ۹۶ھ، آپ نے حضرت ابی بن کعب ؓ، زید بن ثابت ؓ اور عبداللہ بن عباس ؓ سے قرآن پڑھا، حضرت عمر ؓ کو تین یا چار بار قرآن سنانا بھی ثابت ہے، اعمش اور ابو عمرو وغیرہ نے آپ سے پڑھا ہے۔

(۲) ابو رجاعمران بن تیم عطاردی متوفی ۱۰۵ھ ہجرت سے گیارہ سال قبل پیدا ہوئے اور عہد نبوی میں مشرف با اسلام ہوئے مگر حضور ﷺ کو دیکھ نہیں سکے، آپ نے قرآن پاک حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے پڑھا اور حضرت عمر ؓ سے روایت کی۔ شہاب عطاردی نے آپ سے قرات کی روایت کی ہے۔

(۳) نصر بن عاصم لیثی متوفی قبل از ۹۰ھ، آپ نے حضرت ابو الاسود سے پڑھا ہے اور مالک بن دینار اور عون عقیلی نے آپ سے حروف کی روایت کی ہے۔

(۴) ابو سعید حسن بن ابی الحسن الیسار بصری متوفی ۱۱۰ھ، آپ نے بواسطہ حطان بن عبداللہ رقاشی حضرت ابو موسی الاشعری سے اور بواسطہ ابو العالیہ حضرت ابو زید و حضرت عمر ؓ سے پڑھا۔ ابو عمرو بن العلاء اور سلام بن سلیمان الطویل آپ سے راویت کرنے والے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں لو اشاء اقول ان القرآن نزل بلغة الحسن لقلت لفصاحته۔

(۵) ابو بکر محمد بن سیرین متوفی ۱۱۰ھ، آپ حضرت انس بن مالک ؓ، زید بن ثابت ؓ، عمران بن حصین ؓ، عائشہ ؓ اور ابو ہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں اور امام شعبی، ثابت، قتادہ، ایوب اور مالک بن دینار آپ سے روایت کرنے والے ہیں۔ حروف القرآن میں آپ سے روایت ہے۔

(۶) ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ سدوسی متوفی ۱۱۷ھ، آپ نے ابو العالیہ اور حضرت انس بن مالک سے قرات کی روایت کی ہے اور آپ سے روایت کرنے والے ابو ایوب، شعبہ، اور ابو عوانہ ہیں۔ ابان بن یزید عطار نے آپ سے حروف القرآن میں روایت کی ہے۔ آپ قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے۔

قراء شامیین...... ابو ہاشم مغیرہ بن ابی شہاب عبداللہ بن عمرو مخزومی متوفی ۹۱ھ، آپ نے حضرت عثمان بن عفان ؓ سے قرات حاصل کی اور آپ سے عبداللہ بن عامر نے۔

قراء سبعہ...... صحابہ و تابعین کے بعد سات حضرات فن قرات میں مشہور ہوئے اور ان کی قرآتوں نے بہت زیادہ رواج پایا، اول ابو رویم نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم لیثی متوفی ۱۶۹ھ [۱] عالم وجوہ قرات امام اہل مدینہ، بڑے عابد و زاہد اور سخی شخص تھے۔ تقریباً ستر تابعین سے آپ نے قرآن پاک پڑھا۔ جن میں ابو جعفر یزید بن قعقاع، زہری اور عبدالرحمٰن بن

---

[۱] او ابو نعیم او ابو الحسن او ابو عبداللہ او ابو عبدالرحمٰن ۱۲، او ۱۷۰ھ او ۱۶۷ھ او ۱۵۷ھ او ۱۵۰ھ ۱۲۔

ہر مز الاعرج وغیرہ داخل ہیں۔

دوم ابو معدب عبداللہ بن کثیر بن عمرو بن عبداللہ بن زاذان مالکی متوفی ۱۲۰ھ، آپ ۴۵ھ میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، مجاہد بن جبیر وغیرہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ عبداللہ بن السائب سے قرات حاصل کی۔ ابوعمرو کا بیان ہے کہ میں نے ابن کثیر اور مجاہد دونوں سے پڑھا ہے مگر ابن کثیر حضرت مجاہد سے زیادہ عالم بالعربیۃ تھے۔

سوم ابوعمرو زبان بن العلاء بن عمار بن العریان تمیمی متوفی ۱۵۴ھ ہیں۔ آپ نے مکی، مدنی، کوفی، بصری، سینکڑوں شیوخ سے قرات حاصل کی۔ قراء سبعہ میں آپ سے، زیادہ کسی کے شیوخ نہیں۔ حضرت انس بن مالک، حسن بن ابی الحسن بصری، سعید بن جبیر، عکرمہ اور مجاہد جیسی مایہ ناز ہستیاں آپ کے شیوخ میں داخل ہیں۔ قراء کی ایک بڑی جماعت عبداللہ بن مبارک، اصمعی، معاذ بن مسلم نحوی وغیرہ نے آپ سے قرات روایت کی ہے۔ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے بہت سی مختلف قرائتیں حاصل کی ہیں تو آپ کس کی قرات پر پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بقراۃ ابی عمرو بن العلاء.

چہارم۔ ابو عمران عبداللہ بن عامر بن یزید بن تمیم یحصبی متوفی ۱۱۸ھ، آپ نے حضرت ابوالدرداء اور مغیر بن ابی شہاب سے قرات حاصل کی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان، نعمان بن بشیر، واثلہ بن الاسقع اور فضالہ بن عبید سے بھی سماع ثابت ہے۔

پنجم، ابوبکر بن عاصم بن بہدلہ ابی النجود اسدی متوفی ۱۲۷ھ، ابو عبدالرحمٰن سلمی اور زر بن جیش سے قرات حاصل کی، نہایت خوش الحان قراء میں سے ہیں۔ ابوامیہ رفاعہ بن یثر بن تمیمی اور حارث بن حسان بکری سے روایت رکھتے ہیں، ابوعبدالرحمٰن سلمی کے بعد کوفہ میں ریاست قرات آپ پر ختم ہوگئی۔

ششم ابو عمارہ حمزہ بن حبیب بن عمارہ بن اسماعیل الزیات الکوفی متوفی ۱۵۴ھ امام اعمش، جعفر بن محمد الصادق اور ابو اسحاق ابن ابی لیلی سے قرات حاصل کی۔ امام عاصم کے بعد امامت قرات آپ ہی کو حاصل ہوئی۔ ابراہیم بن ادہم، سفیان ثوری، شریک بن عبداللہ اور علی بن حمزہ کسائی آپ سے قرات کے راوی ہیں، عابد و زاہد، عالم عربیہ اور ماہر فرائض تھے۔

ہفتم۔ ابوالحسن علی بن حمزہ بن عبداللہ بن بہمن بن فیروز کسائی متوفی ۱۸۹ھ حضرت حمزہ زیارت سے قرات حاصل کی۔ زیارت کے بعد کوفہ میں ریاست قرات آپ ہی پر ختم ہوئی، امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین وغیرہ نے آپ سے راویت کی ہے، ابن الانباری ابوبکر فرماتے ہیں کہ آپ میں کئی خوبیاں جمع تھیں۔ اول یہ کہ آپ سب سے زیادہ عالم نحو تھے۔ دوم یہ کہ معرفت غریب میں یکتا تھے۔ سوم یہ کہ قرات میں بے نظیر تھے۔

مذکورہ بالا قرآء سبعہ میں سے ہر ایک کے دو دو راوی ہیں جن کے اسماء یہ ہیں۔

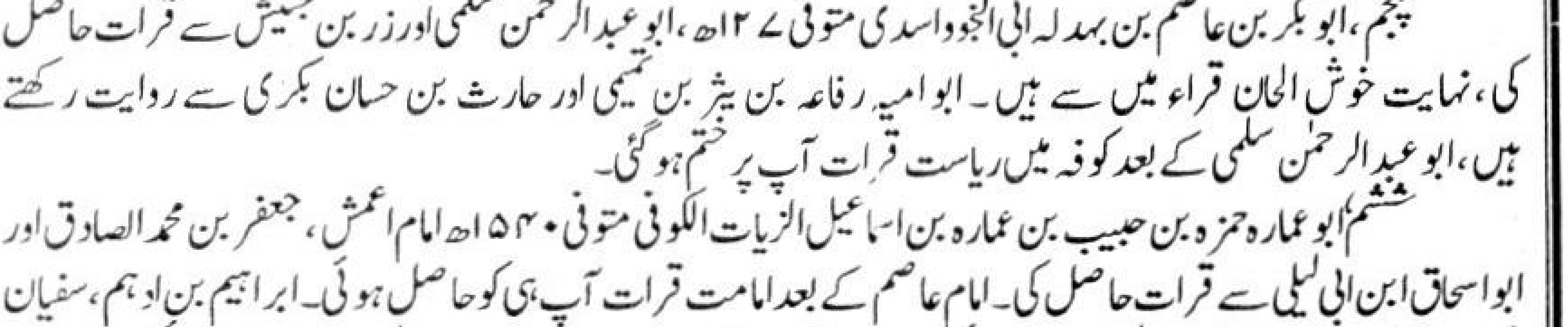

گزشتہ تینوں زبانوں میں بے شمار قرائتیں پڑھی پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ مگر تصنیفی صورت سے نہیں بلکہ سینہ بہ سینہ۔ جب تیسری صدی میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر مصنف نے اپنی کتاب میں وہ قرائتیں بیان کیں جو

اس کو متصل اور صحیح سند سے پہنچی تھی، یہاں ان کو سنہ وفات کے اعتبار سے صدی وار بیان کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے تصنیف کا سال اس سے پہلی صدی میں ہو۔

تیسری صدی...... تیسری صدی میں سات کتابیں لکھی گئیں۔

(۱) کتاب القرءات۔

یہ ابو عبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ کی تصنیف ہے، ابو قدامہ کہتے ہیں کہ شافعی فہم میں، احمد پرہیزگاری میں، اسحاق حافظہ میں سب پر فائق ہیں اور ابو عبید لغت و عربیت میں اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ہیں، آپ کی یہ کتاب سبعہ سمیت پچیس قراتوں میں ہے اور اس فن کی سب سے پہلی کتاب ہے۔

(۲) کتاب القرءآت۔

یہ ابو حاتم سہل بن محمد بن عثمان سجستانی نحوی مقری بصری متوفی ۲۴۸ھ کی تصنیف ہے۔ جس میں پچیس قرائتیں ہیں۔ لیکن اس میں سبعہ میں سے ابن عامر، حمزہ اور کسائی کی درجہ نہیں۔

(۳) کتاب القرءآت۔

یہ قاضی ابو اسحٰق اسماعیل بن اسحاق متوفی ۲۸۴ھ کی تصنیف ہے جو قالون کے شاگرد ہیں۔ اس میں سبعہ سمیت بیس سے زیادہ قرائتیں ہیں۔

(۴) کتاب القرءآت (۵) کتاب الشواذ۔

یہ دونوں ثعلب ابو العباس احمد بن یحیی بن زید بن یسار شیبانی متوفی ۲۹۱ھ کی تصنیف ہیں۔

(۶) کتاب القرءآت۔

یہ احمد بن جبیر بن محمد کوفی تنزیل انطاکیہ متوفی ۲۵۸ھ کی ہے۔

(۷) آداب القرآت۔

یہ عبداللہ بن مسلم نحوی معروف بابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ کی ہے۔

چوتھی صدی...... چوتھی صدی میں زیادہ کتابیں لکھی گئیں جن میں سے بعض قابل ذکر یہ ہیں۔

(۱) الجامع۔

یہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی تصنیف ہے جو مشہور مورخ ہیں۔ اس میں بیس سے زیادہ قرائتیں ہیں۔

۱؎ ہو ابو موسیٰ عیسیٰ بن میناء ابن وردان الزرقی مختار اہل المدینہ سماہ نافع بقالون لجودہ قرآتہ فان قالون بلغۃ الروم جید توفی ۲۲۰ھ

۲؎ ہو عثمان بن سعید ابو سعید القرشی المتوفی ۱۹۷ھ مختار اہل مصر، قیل ورشان طائر معروف سمی بہ وخفف فقیل ورش لانہ کان یلبس ثیابا قصارا و قیل الورش شئی یصنع من اللبن قیل ہو الجبین او کالجبین لقب بہ لبیاضہ ۱۲ ۳؎ ہو ابو الحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بن القاسم بن نافع بن ابی بزہ مقری مکہ و موذن المسجد الحرام المتوفی ۲۰۵ھ ۴؎ ہو محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن خالد بن سعید بن جرجد ابو عمر والمخزومی المتوفی ۲۹۱ھ، اختلف فی سبب تلقیہ قنبلا قیل لانہ من بیت بمکہ یقال لاہلہ القنابلۃ و قیل لاستعمالہ دواء یقال رقنبل معروف عند الصیادلۃ حذفت الیاء تخفیفا ۱۲ ۵؎ ہو ابو عمرو حفص بن عمر بن عبد العزیز بن صہبان بن عدی متوفی ۲۴۶ھ قال الاہوازی رحل فی طلب القرآءت و قراء بسائر الحروف السبعۃ و بالشواذ قراء علی ابی محمد یحیی بن المبارک الیزیدی وغیرہ ۱۲ ۶؎ ہو صالح بن زیاد بن عبداللہ بن اسمٰعیل بن ابراہیم ابوشب السوسی المتوفی ۲۶۱ھ ۱۲ ۷؎ ہو ہشام بن عمار بن نصر بن میسرہ بن ابی الولید السلمی المتوفی ۲۴۵ھ کان مشہورا بالنقل والفصاحۃ والعلم والروایۃ ۱۲ ۸؎ ہو ابو عمرو عبداللہ بن احمد بن بشر بن ذکوان القرشی المتوفی ۲۴۴ھ قال ابو زرعۃ لم یکن بالعراق ولا بالحجاز ولا بالشام ولا بمصر ولا خراسان اقراء من ابن ذکوان ۱۲ ۹؎ ہو شعبہ بن عیاش بن سالم ابو بکر الحیاط المتوفی ۱۹۴ھ اختلف فی اسمہ علی ثلاثۃ عشر تور اصحہا شعبہ قیل لم یفرش لہ فراش خمسین سنۃ ۱۲ ۱۰؎ ہو ابو عمرو حفص بن سلیمان بن المغیرہ المتوفی ۱۸۰ھ ۱۱؎ ہو ابو محمد خلف بن ہشام بن ثعلب الاسدی المتوفی ۲۲۹ھ ۱۲؎ ہو ابو عیسیٰ خلاد ابن خالد الشیبانی المتوفی ۲۲۰ھ ۱۲ ۱۳؎ ہو لیث بن خالد البغدادی المتوفی ۲۴۰ھ ۱۴؎ ہو حفص بن عمر بن عبد العزیز بن صہبان الدوری و ہو راوی ابی عمر والمذکور ۱۲

(۲) کتاب القرءآت۔

یہ ابو بکر محمد بن احمد بن عمر بن احمد بن سلیمان داجونی متوفی ۳۲۴ھ کی تصنیف ہے اس میں آٹھ قرائتیں ہیں۔

(۳) کتاب السبعہ۔

یہ ابو بکر بن مجاہد کی تصنیف ہے اور سب سے پہلی کتاب ہے جس میں قراءت سبعہ پر اکتفا کی گئی ہے اور نافع کو سب سے پہلے لائے ہیں، قراءت سبعہ کا رواج اسی کتاب سے ہوا ہے۔ بعد کے سب حضرات انہی کے مقلد ہیں۔

(۴) کتاب القرءآت۔

یہ ابو بکر احمد بن نصر بن منصور بن عبد المجید بن عبد المنعم شذائی متوفی ۳۷۰ھ کی تصنیف ہے۔

(۵) الغایۃ فی العشرہ

(۶) شامل۔

یہ دونوں ابو بکر احمد بن حسین بن مہران متوفی ۳۸۱ھ کی تصنیف ہیں۔

(۷) کتاب القرا آت۔

یہ امام دار قطنی ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی متوفی ۳۸۵ھ کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ جس میں اول اصول پھر فروع بیان ہوئے ہیں۔ بعد کے مصنفین نے یہ ترتیب اسی کتاب سے لی ہے۔

(۸) ارشاد فی العشرہ

(۹) معدل۔

یہ دونوں ابو الطیب عبد المنعم بن عبید اللہ بن غلبون بن مبارک حلبی متوفی ۳۸۹ھ کی تصانیف ہیں۔

(۱۰) احتجاج القراء۔

یہ ابن السراج شمس الدین محمد بن اسدی متوفی ۳۱۶ھ کی تصنیف ہے۔

پانچویں صدی...... پانچویں صدی میں پچاس سے زیادہ کتابیں لکھی گئیں جن میں اکثر محققانہ اور معتبر متون ہیں۔ ان میں سے نصف کے قریب علماء اندلس نے لکھی ہیں۔

(۱) المنتہی فی العشر۔

یہ ابو الفضل محمد بن جعفر خزاعی متوفی ۴۰۸ھ کی تصنیف ہے جس میں تمام متقدمین سے زیادہ طرق وغیرہ جمع کئے ہیں۔

(۲) الہدایہ فی السبعہ۔

(۳) التیسیر۔

یہ دونوں ابو العباس احمد بن ابی العباس مہدی کی تصانیف ہیں، حدیث وفقہ میں فاضل، تفسیر و قرآت اور عربیت میں امام تھے۔ بقول حافظ ذہبی ۴۳۰ھ کے بعد وفات پائی۔

(۴) تبصرہ فی السبعہ

(۵) تذکرہ

(۶) کتاب الادغام

(۷) کشف

(۸) موجز

(۹) آیات مشددہ۔
یہ کل کتابیں ابو محمد مکی ابن ابی طالب بن محمد بن مختار قیسی قیروانی متوفی ۴۳۷ھ کی تصانیف ہیں۔ تمام علوم میں فاضل عربیت اور قراءت میں امام تھے۔
(۱۰) جامع البیان۔
اس میں پانچ سو روایات اور طرق ہیں۔
(۱۱) تمہید
(۱۲) مفردہ یعقوب
(۱۳) الایجاز
(۱۴) الموضح فی الفتح والامالہ
(۱۵) المحتوی فی الشواذ
(۱۶) المقنع فی الرسم
(۱۷) التیسیر۔
جو سبعہ کی مایہ ناز کتاب ہے۔
(۱۸) طبقات القراء۔
یہ سب کتابیں حافظ ابوعمرو عثمان بن سعید بن عثمان بن سعید بن عمر الدانی الاموی معروف با بن الصیر فی متوفی ۴۴۴ھ کی تصانیف ہیں ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں صرف قرا آت اور اس کے متعلقات پر آپ کی یادگار ہیں۔ آپ نے مختلف علوم پر ایک سو بیس کتابیں لکھی ہیں۔ اس وقت روئے زمین پر آپ ہی کی سند سے قرائتیں پڑھی جاتی ہیں۔
(۱۹) تذکار فی العشر۔
یہ ابوالفتح عبدالواحد حسین بن شیطا بغدادی متوفی ۴۴۵ھ کی تصنیف ہے۔ جس میں ایک سو طرق درج ہیں۔
(۲۰) الوجیز فی الثمان
(۲۱) مفردات السبعہ
(۲۲) الایضاح
(۲۳) الاتضاح
(۲۴) الموجز
(۲۵) النیر الجلی فی قراءت زید بن علی
(۲۶) جامع المشہور
(۲۷) قراءت حسن
(۲۸) قراءت ابن محیصن
(۲۹) الاقناع فی الشواذ۔
یہ سب کتابیں ابوعلی حسن بن علی بن ابراہیم بن یزداز بن ہرمز اہوازی متوفی ۴۴۶ھ کی تصانیف ہیں۔
(۳۰) العنوان۔
یہ ابوطاہر اسماعیل بن خلف بن سعید بن عمران انصاری متوفی ۴۵۵ء کی تصنیف ہے جو سبعہ کی بہترین کتابوں میں

سے ہے۔
(۳۱) کامل۔
یہ ابو القاسم یوسف بن علی بن جبارہ بن محمد بن عقیل ہذلی متوفی ۴۶۵ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں پچاس قرائتیں اور چودہ سو انسٹھ روایات و طرق ہیں۔
(۳۲) السوق العروس۔
یہ ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد بن محمد بن علی بن محمد طبری متوفی ۴۷۸ھ کی تصنیف ہے۔ بہت ضخیم ہے۔ اس میں پندرہ سو پچاس روایات و طرق درج ہیں۔
چھٹی صدی ...... چھٹی صدی میں تیس کتابیں لکھی گئیں۔ جن میں اکثر محققانہ اور بعض زندہ جاوید متون ہیں۔ یہ سب علماء بغداد و مصر واندلس کی یادگار ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔
(۱) الاقناع
(۲) الغایہ۔
یہ دونوں ابو جعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف بن باذش غرناطی متوفی ۵۴۰ھ کی تصانیف ہیں۔ دونوں سبعہ میں ہیں اور اعلیٰ پایہ کی ہیں۔
(۳) بصرہ
(۴) ارادۃ الطالب
(۵) کفایہ
(۶) ایجاز۔
یہ سب ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن عبد اللہ البغدادی متوفی ۵۴۱ھ کی تصانیف ہیں۔
(۷) المصباح الزاہر فی العشرۃ المتواتر۔
یہ ابو الکرم مبارک بن حسن بن احمد بن علی فتحان شہزوری متوفی ۵۵۰ھ کی تصنیف ہے جس میں پانچ سو طرق ہیں۔
(۸) شاطبیہ
(۹) طیبہ

(۴) علم تجوید

لغوی معنی ...... لفظ تجوید باب تفعیل کا مصدر ہے جو جودہ بمعنی عمدگی سے مشتق ہے، تجوید کے معنی کسی چیز کو عمدہ بنانے، سنوارنے اور آراستہ کرنے کے ہیں۔
اصطلاحی معنی ...... تجوید وہ علم ہے جس میں صحت تلفظ (یعنی ادائیگی) مخارج و صفات حروف اور ترتیل نظم (یعنی ادائیگی مد، قصر، وقف اور وصل وغیرہ) کی حیثیت سے تلاوت قرآن کی عمدگی، حروف کو صحت اور خوبصورتی سے پڑھنے کے قواعد بیان کئے جائیں۔
وجہ تسمیہ ...... چونکہ اس علم میں اوصاف واو قاف کی درستی اور مخارج و صفات کی عمدگی کے ساتھ قرآن کو سنوار کر پڑھنے کے قواعد بیان کئے جاتے ہیں اس لئے اس کا نام تجوید ہو گیا۔
موضوع تجوید ...... کیفیت تلفظ و تلاوت نظم و نسق اس علم کا موضوع ہے۔

غرض وغایت...... صحت اور عمدگی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنا

تدوین تجوید...... فن تجوید میں سب سے پہلے موسیٰ بن عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان بغدادی متوفی ۳۲۵ھ نے کتاب تصنیف کی۔ ان کے بعد اور بہت سی کتابیں تالیف ہوئیں۔ جن میں المقدمتہ الجزریہ مؤلفہ ابوالخیر جزری، الرعایہ لتجویۃ القراءہ مؤلفہ محمد مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ الدر الیتیم مؤلفہ محمد بن پیر علی متوفی ۹۸۱ھ انشراح الصدور فی تجوید کلام الغفور مؤلفہ شیخ وہبہ سرور محلی، القول السدید فی بیان حکم التجوید مؤلفہ محمد بن علی بن خلف حسینی معروف بحداد، الغفار الفرید فی فن التجوید مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی عمدہ اور زیادہ مشہور ہیں، اس فن میں تین کتابیں داخل درس ہیں۔ المقدمتہ الجزریہ، فوائد مکیہ، خلاصتہ البیان۔

(۵) علم حدیث

حدیث کے لغوی معنی...... لفظ حدیث بقول علامہ سیوطی ضد قدیم کو کہتے ہیں اور خبر، ذکر، بات اور بیان وغیرہ میں مستعمل ہوتا ہے۔ عربی زبان میں اس کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو ہم اردو میں گفتگو، کلام یا بات سے مراد لیتے ہیں۔

حدیث کے اصطلاحی معنی...... اصطلاح میں حدیث نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال کو کہتے ہیں اور افعال میں آپ کی تقریرات یعنی وہ واقعات بھی داخل ہیں جو آپ کے سامنے پیش آئے اور آپ ان کو دیکھ کر یا سن کر خاموش رہے کہ ان کو بھی جزو دین تصور کیا جائے گا اس واسطے کہ اگر وہ امور منشاء دین کے منافی ہوتے تو یقیناً آپ ان کی اصلاح کرتے یا منع فرمادیتے، اسی طرح افعال میں آپ کے اختیاری احوال بھی داخل ہیں، البتہ غیر اختیاری احوال حلیہ وغیرہ اس میں داخل نہیں کیونکہ ہم سے ان کا کوئی حکم متعلق نہیں، مگر یہ تعریف علماء اصول فقہ کے یہاں ہے، محدثین کی اصطلاح میں حدیث کے تحت ہر وہ چیز داخل ہے جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو اقوال وافعال اور احوال ہوں یا تقریرات وصفات، بلکہ بعض حضرات نے صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال کو بھی حدیث میں داخل مانا ہے جیسا کہ فتح الباقی فی شرح الفیتہ العراقی میں منقول ہے۔

حدیث، خبر، اثر، سنت...... حدیث اس کو کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہو، لہٰذا بوقت اطلاع اس سے مراد صرف مرفوع حدیث ہوگی نہ کہ موقوف کیونکہ مرفوع اور موقوف دونوں پر خبر کا اطلاق ہوتا ہے نہ کہ حدیث کا، پس حدیث اور خبر کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہوئی۔ یعنی ہر حدیث خبر ہے۔ لیکن ہر خبر کا حدیث ہونا ضروری نہیں، مگر بعض علماء نے حدیث کا اطلاق بھی مرفوع وموقوف ہر دو پر کیا ہے۔ پس ان کے یہاں یہ دونوں مترادف اور ہم معنی ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہو وہ حدیث ہے اور جو غیر سے مروی ہو وہ جز ہے۔ اسی لئے مورخ وقصہ گو کو اخباری اور خادم سنت کو محدث کہا جاتا ہے، اس تفریق پر حدیث وخبر کے درمیان مباینت ہوگی۔

اثر کا اطلاق بھی مرفوع وموقوف دونوں پر ہوتا ہے تو یہ مرادف خبر ہے لیکن فقہاء، خراسان موقوف کو اثر سے اور مرفوع کو خبر سے تعبیر کرتے ہیں، رہا لفظ سنت سو یہ اکثر علماء اصول کے نزدیک مرادف حدیث ہیں۔

علم حدیث...... علامہ زرقانی نے شرح بیقونیہ میں اور شیخ عزالدین بن جماعہ نے علم حدیث کی تعریف یوں کی ہے ان علم الحدیث علم بقوانین ای قواعد یعرف بہا احوال السند والمتن من صحتہ وحسنہ، کہ علم حدیث ایسے قوانین وقواعد کا جاننا ہے۔ جن سے سند ومتن کے احوال صحت وحسن کے اعتبار سے معلوم ہوں، مگر یہ تعریف اصول حدیث کی ہے کہ نہ علم حدیث کی، اسی طرح علامہ سیوطی نے جو الفیہ میں تعریف کرتے ہوئے کہا

علم الحدیث ذو قوانین تحد یدری بھا احوال متن و سند

یہ بھی اصول حدیث کی ہے نہ کہ علم حدیث کی، علم حدیث کی تعریف وہ ہے جو علامہ عینی اور شیخ کرمانی نے شرح بخاری میں کی ہے۔"ھو علم یعرف بہ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافعالہ واحوالہ کہ علم حدیث وہ علم ہے جس سے حضور ﷺ کے اقوال طیبہ، افعال مبارکہ، احوال حسنہ معلوم ہوں۔

علامہ جزائری فرماتے ہیں کہ پھر محدثین نے علم حدیث کی دو قسمیں کی ہیں۔ علم روایۃ الحدیث اور علم درایۃ الحدیث، علامہ ابن الاکفانی نے ارشاد القاصد میں لکھاہے کہ علم روایۃ الحدیث وہ علم ہے جس سے بسماع متصل اور ضبط و تحریر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال کا منقول ہونا معلوم ہو اور علم درایۃ الحدیث وہ علم ہے جس سے انواع و احکام روایت، شروط رواۃ، اصناف مرویات اور ان کے معانی کا استخراج معلوم ہو۔

وجہ تسمیہ ...... چونکہ اس علم کے ذریعہ سے نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کی باتیں اور ان کے طریق عمل کی سچی خبریں معلوم ہوتی ہیں اس لئے اس کا نام علم حدیث رکھا گیا، اور یہ کوئی خود ساختہ اصطلاح نہیں بلکہ قرآن کریم ہی سے مستنبط ہے۔

قرآن کریم میں حق تعالی نے دین کو نعمت فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور سورۂ والضحی میں آپ کو ہی نعمت کے بیان کرنے کا حکم ان الفاظ میں دیا ہے۔ واما بنعمۃ ربك فحدث، پس آنحضرت ﷺ کی اسی تحدیث نعمت کو حدیث کہتے ہیں۔

موضوع حدیث ...... شیخ کرمانی نے لکھاہے کہ علم حدیث کا موضوع حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ بایں حیثیت کہ آپ رسول ہیں، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ محی الدین کافیجی اس بات پر ہمیشہ متعجب رہے اور کہتے رہے کہ یہ تو علم طب کا موضوع ہے نہ کہ علم حدیث کا، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ مجھے کافیجی پر تعجب ہے کہ ان کو علم طب سے کیسے اشتباہ ہوا حالانکہ ذات گرامی کو نبی ہونے کی حیثیت سے تو طب میں کوئی دخل ہی نہیں، لقط الدرر میں ہے کہ علم حدیث کا موضوع ذات نبی ﷺ ہے۔ لیکن مطلقاً نہیں بلکہ آپ کے اقوال وافعال، تقریرات واوصاف کی حیثیت سے۔

غرض و غایت ...... باعتبار اتصال وانقطاع احادیث کی سند کے اقسام اور نقل وروایت کے احکام و آداب معلوم کرنا۔

شرف و منزلت حدیث ......(۱) صحیح بخاری کی حدیث 'مثل مابعثنی اللہ تعالی بہ من الھدی والعلم کمثل غیث اصلب ارضاء میں حضور ﷺ نے اپنے علوم نبوت وہدایت کی مثال بارش سے دی ہے۔ جو بہترین قابل زرعت وزرخیز زمین پر برسے، کہ باران رحمت سے پوری طرح سیراب ہو کر خوب گھاس، دانہ اور پھل پھول اگائے اور اس سے سب کو نفع پہنچے۔ ایسے ہی امت کے وہ لوگ ہیں جو علوم نبوت سے سیراب ہو کر دوسروں کو تعلیم دیں، کہ یہ لوگ زمین مذکور کی طرح خود بھی منتفع ہوئے اور دوسرے کو بھی نفع پہنچایا۔

(۲) عن ابن مسعود ؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ امراء سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا وادھا فرب حامل فقہ الی من ھوا فقہ منہ . (مشکوۃ کتاب العلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا، خدا اس بندے کو خوش عیش کرے جو میری بات سن کر یاد کرلے اور دوسروں تک پہنچائے کیونکہ بہت سی دین کی باتیں کم سمجھ والے کے پاس ہوتی ہیں وہ دوسرے زیادہ سمجھ والے کے پاس پہنچ جائیں تو اس کو زیادہ نفع ہو سکتا ہے۔

(۳) عن ابن عباس ؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم ارحم خلفای قلنا ومن خلفائك یارسول اللہ! قال الذین یروون احادیثی ویعلمونھا الناس.

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما، ہم نے

عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، وہ لوگ جو میری احادیث کی روایت اور لوگوں کو ان کی تعلیم کرتے ہیں۔

ولقد اجاد ابو بکر حمید القرطبی فی قصیدته فقال

غور الحدیث مبین فارن واقترب — واحد الرکاب له نحو الرضی الندس
واطلبه بالصین فهوا حلم ان رفعت — اعلامه بربا هایا ابن اندلس
فلا تضیع فی سوی تقیید شارده — عمرا یفوتك بین اللخظ والنفس
ماالعلم الاکتاب الله اواثر — یجلو بنور هداه کل ملتمس
نور ملقتبس خیر لملتمس — حمی لمتحتر س نعمی لمبتئیس
راه سنت روا گر خواهی طریق مستیقم — کزسنن راهی بو دسوئے رضائے ذوالمنن
هر مژده درچشم دے همچو سنانی باد تیز — گرسنان زندگی خواهد زمانے بے سنن

امی عرب اور حفاظت حدیث...... عرب کی قوم عام طور پر امی یعنی بے پڑھی لکھی تھی اور ان میں کسی قسم کی مکتوبی یا زبانی تعلیم کا رواج نہ تھا۔ چنانچہ قرآن پاک نے ان کو "امیین" ہی فرمایا ہے، بعث نبوی ﷺ کے وقت شہر مکہ میں سولہ سترہ سے زیادہ آدمی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے (مورخ بلاذری نے ان سترہ آدمیوں کے نام بھی گنوائے ہیں) اور شہر مدینہ میں تو اس سے بھی کم عرب یہ فن جانتے تھے، تقریباً یہی حال ہر جگہ تھا جیسے بڑے مقام پر رسول اللہ ﷺ نے ایک تبلیغی خط بھیجا تو راوی کہتے ہیں کہ سارے علاقے اور قبیلہ میں ایک شخص بھی نہ تھا جو خط کو پڑھ سکے۔ لوگ تلاش اور انتظار کرتے تھے تا آں کہ ایک بچہ ملا جس نے خط پڑھ کر سنایا، تقریباً اسی زمانے یا کچھ بعد کا واقعہ ہے کہ نمر بن تولب مسلمان ہوئے۔ یہ ایک بڑے قبیلے کے سردار تھے اور اتنے بڑے شاعر کہ ان کی نظموں کا ایک دیوان تیار ہوا ہے۔ انہیں ان کے قبیلے عکل (یمن) کا سردار مامور کر کے ایک تحریر پروانہ بارگاہ رسالت سے عطا ہوا۔ بازار میں آ کر یہ پوچھنے لگے کیا آپ لوگوں میں کسی کو پڑھنا آتا ہے۔ یہ خط پڑھ کر مجھے سنایئے۔

یہ کتنا ولولہ انگیز امر ہے کہ نبی امی کو سب سے پہلے جو وحی ربانی ہوئی وہ یہ تھی۔

اقرا باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقراء وربك الاکرام الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون کے قطرے سے پیدا کیا، پڑھ کہ تیرا بزرگ و برتر رب وہ ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی اور انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

پس نبی امی نے امت کو اللہ کا جو پہلا حکم پہنچایا اور جس کی عمر بھر تعمیل کرائی وہ پڑھنے اور لکھنے ہی کے متعلق تھا۔ نیز جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو وہاں سب سے پہلے جو سورۃ نازل ہوئی وہ سورۃ بقرۃ ہے جس میں آیت مداینہ (اصول قرض دہی) بھی ہے۔ یاایها الذین آمنوا اذاتداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوه۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہیں جب تم آپس میں کوئی قرض دہی کسی معینہ مدت کیلئے کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

قرآنی ہدایت کے پیش نظر لکھنے پڑھنے پر جو توجہ دی گئی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر تھی، اس عمارت کے ایک حصے میں سائبان اور چبوترہ (صفہ) بنایا گیا، یہ اولین اسلامی اقامتی جامعہ تھی، رات کو اس میں طلبہ سوتے اور دن میں اساتذہ ان کو لکھنے پڑھنے اور مسائل دین وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ جو خوشخط تھے اور زمانہ جاہلیت میں بھی کاتب کی حیثیت سے مشہور تھے، انہیں وہاں لکھنا سکھاتے تھے، نیز حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے اس بات پر مامور کیا تھا کہ صفہ میں لوگوں کو لکھنا سکھائیں اور قرآن پڑھائیں، صفہ کی درسگاہ میں تعلیم پانے والوں کی کثیر تعداد کا اندازہ اس سے

ہو سکتا ہے کہ بعض مولف اہل صفہ کے چار سو طلبہ کا ذکر کرتے ہیں جو تعجب نہیں کہ ایک ہی دن کی حاضری ہو کیونکہ خود مقیم و شب باش طلبہ ستر اسی تک ہو جاتے تھے، سعد بن عبادہ انصاری اکیلے ایک ایک رات میں اسی اہل صفہ کی ضیافت کرتے تھے، مدینہ میں ۲ھ میں ایک اور اقامتی درسگاہ "دار القراء" کا بھی پتہ چلتا ہے جو مخرمہ بن نوفل کے مکان میں قائم ہوئی تھی۔ نیز ۲ھ کے معرکہ بدر میں ہاتھ آنے والے قیدیوں کی رہائی کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتا ہو وہ دس دس مسلمانوں بچوں کو اس فن کی تعلیم دے، اسی طرح آپ بچوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ اپنے پڑوسیوں سے علم سیکھیں اور اپنے پڑوس کی مسجد میں سبق پڑھا کریں، اس کے علاوہ جب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تو انہیں فرائض منصبی کے متعلق ایک تحریری ہدایت نامہ دیا گیا، اس میں انتظامی امور کے علاوہ تعلیم کی اشاعت کے بھی احکام ہیں، نیز مورخ طبری نے ۱۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو ناظم تعلیمات بنا کر یمن بھیجا جہاں وہ ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں دورہ کیا کرتے اور مدارس کی نگرانی و انتظام کرتے تھے۔

اسلام کی اس عام تعلیمی سیاست کے اثرات سے جہاں دستور مملکت، حدود و رقبہ سلطنت، آبادیوں کی مردم شماری، دستاویزیں، معاہدے، پروانے، شاہان وقت کے نام، تبلیغ خطوط، سرحد اندازی، زراعت و معدنیات کا محصول طلبی، گورنروں، قاضیوں، تحصیلداروں کو وقتی ہدایات وغیرہ جملہ امور کو باقاعدہ سرکاری طور پر تحریری صورت میں انجام دیا جانے لگا وہیں حضور اکرم ﷺ کے ملفوظات اور آپ کی احادیث کو قلم بند کرنے کا بھی پورا اہتمام کیا گیا۔

عہد رسالت میں صحابہ کے نوشتے ...... (۱) الصحیفۃ الصادقۃ صحیح بخاری میں وہب بن منبہ نے اپنے بھائی ہمام بن منبہ سے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں آپ کی حدیثیں بیان کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں بجز عبداللہ بن عمرو بن العاص القرشی رضی اللہ عنہ کے کیونکہ وہ (بروقت) لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ متوفی ۶۵ھ نے اپنے اس جمع کردہ ذخیرہ حدیث کا نام "الصحیفۃ الصادقۃ" رکھا تھا، کہتے ہیں کہ اس میں ایک ہزار حدیثیں تھیں، یہ انہیں اس قدر عزیز تھا کہ اکثر فرمایا کرتے تھے "مایرغبنی فی الحیواۃ الا الصادقۃ والوھط (مجھے زندگی کی یہی دو چیزیں خواہش دلاتی ہیں صادقہ اور وہطہ) ان دونوں چیزوں کا تعارف خود آپ ہی نے ان الفاظ میں کرایا ہے۔

فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما الوھط فارض تصدق بھا عمرو بن العاص کان یقوم علیھا۔

صادقہ تو وہ صحیفہ ہے جس کو میں نے حضور ﷺ سے سن کر لکھا ہے اور وہطہ وہ زمین ہے جو کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راہ خدا میں وقف کیا تھا اور وہ اس کی دیکھ بھال رکھا کرتے تھے۔

یہ نسخہ ان کے خاندان میں عرصہ تک محفوظ رہا۔ چنانچہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب اسی کو ہاتھ میں رکھ کر روایت کرتے اور اس سے درس دیتے تھے، بظاہر وہ انہیں حفظ نہ تھا، اس تالیف کا ذکر ابن منظور نے لسان العرب مادہ "ظھم" میں بھی کیا ہے، مسند دارمی کی حدیث میں ہے کہ ایک دن ہم لوگ عبداللہ بن عمرو کے پاس تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کون سا شہر پہلے فتح ہوگا۔ قسطنطنیہ یا رومیہ۔ اس پر انہوں نے ایک پرانی صندوق منگوائی، اس میں ایک کتاب نکال کر اس پر نظر ڈالی پھر کہا۔ ایک دن ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے اور آپ جو کچھ فرما رہے تھے اس کو لکھتے جا رہے تھے۔ اس اثناء میں آپ سے پوچھا گیا۔ کون سا شہر پہلے فتح ہوگا قسطنطنیہ یا رومیہ۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہرقل کے بیٹے کا سر پہلے فتح ہوگا یعنی قسطنطنیہ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو ہی نہیں صحابہ کی ایک جماعت ملفوظات نبوی ﷺ کو لکھا کرتی تھی اور یہ خود رسول اللہ ﷺ کے روبرو ہوتا تھا۔

(۲) صحیفہ علی کرم اللہ وجہہ۔ اس صحیفہ کا ذکر بخاری، مصنف عبد الرزاق، سنن ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے، اس کے متعلق خود حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ما کتبنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا القرآن وما فی ھذہ الصحیفۃ۔ (بخاری)

ہم نے حضور ﷺ سے بجز قرآن اور جو کچھ اس صحیفہ میں درج ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا۔ یہ صحیفہ چمڑے کے ایک تھیلے میں تھا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار مع نیام کے رہتی تھی (مسلم)۔ اس میں زکوۃ کے علاوہ خون بہا، اسیروں کی رہائی، کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کرنا، حرم مدینہ کے حدود اور اس کی حرمت، غیر کی طرف انتساب کی ممانعت، نقض عہد کی برائی، غیر اللہ کیلئے ذبح کرنے پر وعید اور زمین کے نشانات مٹانے کی مذمت وغیرہ بہت سے احکام و مسائل درج تھے۔ حدیث کی اکثر کتابوں میں اس صحیفہ کی روایتیں موجود ہیں اور صحیح بخاری "کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب مایکرہ من التعمق والتنازع فی العلم میں جو تفصیل ملتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صحیفہ کافی طویل تھا اور کم سے کم چار سرکاری دستاویزوں کا مجموعہ تھا۔

(۳) تالیف عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ۔ یہ مشہور واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب عمرو بن حزم کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا تو انہیں ایک تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں جو احکام اور ہدایات دینی تھیں درج فرمائیں۔ عمرو بن حزم نے اس قیمتی دستاویز کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اکیس دیگر فرامین نبوی بھی فراہم کئے جو بنی عادیا اور بنی عریض کے یہودیوں، تمیم داری، قبیلہ جہینہ وجذام وطئی وثقیف وغیرہ کے نام موسوم تھے اور ان سب کی ایک کتاب تالیف کی، جو عہد نبوی ﷺ کے سیاسی دستاویزی یا سرکاری پردانوں کا اولین مجموعہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ "اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین کے نام سے ابن طولون نے جو کتاب تالیف کی اور جس کا نسخہ بخط مولف کتب خانہ "المجمع العلمی" دمشق میں محفوظ ہے اور وہ چھپ بھی گئی ہے اس میں حضرت عمرو بن حزم کی یہ تالیف بطور ضمیمہ شامل اور محفوظ کردی گئی ہے۔

(۴) صحیفہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حج پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا، امام بخاری کی التاریخ الکبیر میں ہے کہ مشہور تابعی قتادہ کہا کرتے تھے کہ مجھے سورۃ بقرۃ کے مقابلہ میں صحیفہ جابر زیادہ حفظ ہے۔

(۵) رسالہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بھی حدیثیں جمع کیں جو ان کے بیٹے سلیمان بن سمرہ کو وراثت میں ملیں، ابن حجر نے لکھا ہے کہ سلیمان نے اپنے باپ کے حوالہ سے نسخہ خبیرہ (ایک بڑا رسالہ) روایت کیا ہے، نیز ابن سیرین کہتے ہیں کہ سمرہ نے اپنے بیٹوں کیلئے جو رسالہ لکھا اس میں علم کثیر پایا جاتا ہے۔ (تہذیب التہذیب)

(۶) صحیفہ سعد بن عبادہ۔ حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں بھی لکھنا پڑھنا جاننے وغیرہ کے باعث "مرد کامل" سمجھے جاتے تھے، انکے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں انہوں نے احادیث نبوی ﷺ جمع کی تھیں۔ اس کی روایت ان کے بیٹے نے کی ہے۔ (ترمذی)

(۷) مجموعہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔ صحیح بخاری کے باب الذکر بعد الصلوۃ میں مروی ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بظاہر ان کی دریافت پر بعض حدیثیں اپنے کاتب کو املاء کرا کے روانہ کیں۔

(۸) مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اس کے نسخے عہد صحابہ ہی میں لکھے گئے چنانچہ مسند ابی ہریرہ کا نسخہ عمر بن عبد العزیز کے والد عبد العزیز بن مروان گورنر مصر متوفی ۸۶ھ کے پاس بھی تھا، انہوں نے کثیر بن مرہ کو لکھا کہ تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں کی جو حدیثیں ہوں انہیں لکھ کر بھیج دو۔ الا احادیث ابی ہریرہ فانہ عندنا یعنی ابوہریرہ کی حدیثوں کے بھیجنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

(۹) تالیف ابی ہریرہ ؓ۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کی ایک اور تالیف ان کے شاگرد بشیر بن نہیک نے مرتب کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ سے جو کچھ سنتا تھا لکھتا جاتا تھا، جب میں نے ان سے رخصت ہونا چاہا تو ان کے پاس ان کی کتاب لایا اور انہیں پڑھ کر سنائی اور ان سے کہا۔ یہ وہ چیز ہے جو میں نے آپ سے سنی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں (دارمی) ابن وہب کہتے ہیں مجھے حضرت ابوہریرہ ؓ نے ایک مرتبہ اپنی کتابیں دکھائیں، ان کی کتابوں کا ایک اہم واقعہ جو غالباً ان کی پیرانہ سالی کے زمانہ کا ہے قابل ذکر ہے، عمرو بن امیہ ضمیر اولین اسلامی سفیر اور عہد نبوی کے بہت ممتاز سفارتی افسر تھے، ان کے ایک فرزند کی جو ابوہریرہ ؓ کے شاگرد تھے روایت ہے تحدثت عن ابی هريرة بحديث فانكر . میں نے ابوہریرہ ؓ کی ایک حدیث (انہیں سے) بیان کی۔ انہوں نے ناواقفیت ظاہر کی۔

فقلت انی قد سمعته منك قال ان كنت سمعتہ منی فهو مكتوب عندی فاخذ بيدی الی بيته فرانا كتبا كثيرة من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد ذلك الحديث فقال قد اخبرتك ان كنت حدثتك به فهو مكتوب عندی .

میں نے کہا میں نے اسے آپ ہی سے سنا ہے کہا۔ اگر تم نے اسے مجھ سے سنا ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئی۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہم کو حدیث نبوی ﷺ کی بہت سی کتابیں دکھائیں، اور پھر وہ حدیث بھی پائی۔ پھر کہا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر میں نے وہ حدیث تم سے بیان کی ہے تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہونی چاہئیے۔

(۱۰) الصحیفۃ الصحیحۃ۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ کیلئے احادیث نبوی میں سے کوئی ڈیڑھ سو کا انتخاب کرنے کے بعد ایک چھوٹے سے رسالے کی صورت میں مرتب کر کے املا کرایا ہے اس لئے ان کا نام "صحیفہ ابی ہریرہ امام بن منبہ" ہونا چاہئیے۔ لیکن اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کو اگر کسی صحابی کی حدیث دانی پر رشک تھا تو وہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ ہیں جنہوں نے "الصحیفۃ الصادقۃ" کے نام سے حدیثوں کا ایک مجموعہ چھوڑا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ اس کی دیکھا دیکھی انہوں نے اپنی تالیف حدیث کا نام "الصحیفۃ الصحیحۃ" رکھا ہو، بہر حال پہلی صدی ہجری کے تقریباً وسط کی یہ تالیف تاریخی نقطہ نظر سے ایک گراں مایہ یادگار ہے، اس کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ، عبد اللہ بن عباس ؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کے صحیفوں کی روایتیں بھی کتب حدیث میں موجود ہیں، منکرین حدیث جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث نبوی آنحضرت ﷺ کے دو تین سو سال بعد لکھی جانی شروع ہوئی اور امام احمد بن حنبل، بخاری، مسلم، ترمذی جیسے ائمہ کو بھی جعلساز قرار دینا چاہتے ہیں ان کی دلیل زیادہ تر یہی رہی ہے کہ عہد نبوی یا عہد صحابہ کی حدیث کے متعلق کوئی یادگار موجود نہیں ہے اور یہ کہ بعض صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے کتابت حدیث کی ممانعت نقل کی ہے۔ پہلی دلیل کا غلط ہونا تو اوپر ثابت ہو چکا ہے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتابت حدیث کی ممانعت کو بھی تحقیقی نظر سے دیکھتے چلیں۔

کتابت حدیث کی ممانعت اور اس کی وجہ ...... ایسی حدیثیں جن میں حدیث کے لکھنے کی ممانعت نظر آتی ہے ان میں سب سے اہم روایت حضرت ابو سعید خدری ؓ کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

لاتكتبوا عنی شيئا سوى القرآن فمن كتب عنی غير القرآن فليمحه (دارمی، احمد، ابن قتيبه)

مجھ سے قرآن کے سوا کوئی اور چیز قلمبند نہ کرو، اگر کسی نے قرآن کے سوا مجھ سے کوئی چیز لکھی ہو تو اسے مٹا دے۔

یہی روایت حضرت ابوہریرہ ؓ نے بھی کی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ ؓ سے ایک روایت یہ بھی ہے (اگرچہ اس کا راوی عبد الرحمٰن بن زید ضعیف سمجھا جاتا تھا) کہ آنحضرت ﷺ ایسے وقت برآمد ہوئے جب ہم حدیثیں لکھ رہے تھے، فرمایا تم لوگ یہ کیا لکھ رہے ہو۔ ہم نے کہا، وہ حدیثیں جو آپ سے سنی ہیں۔ فرمایا، کیا تم کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب چاہتے ہو۔ تم سے پہلے کی امتوں کو کسی اور چیز

نے نہیں بھٹکایا بجز اس کے کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دیگر کتابیں بھی لکھ ڈالیں۔ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔کیا کتاب اللہ کے ساتھ کوئی اور کتاب۔ کتاب اللہ کو پاک اور خالص رکھو۔(احمد)

ان تمام روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت وقتی اور عارضی تھی جو خاص طور پر حفاظت قرآن کے پیش نظر کی گئی تھی، چونکہ حق تعالی نے آپ کو"جوامع الکلم" عطا فرمایا تھا اس لئے اندیشہ تھا کہ قرآن وحدیث دونوں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ مگر جب قرآن سے اشتباہ کا اندیشہ جاتا رہا تو کتابت حدیث کی اجازت دے دی گئی۔اس توجیہہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔خود بھی اس ممانعت والی حدیث کے روای ہیں ان کا اپنا طرز عمل یہ تھا کہ حدیث کی بہت سی کتابیں لکھ رکھی تھیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے ہم ذکر کر کے آئے ہیں۔اگر آنحضرت ﷺ کی ممانعت وقتی اور عارضی نہ ہوتی بلکہ عام اور دائمی ہوتی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کا حدیثوں کے دفتر کے دفتر لکھ ڈالنا ناممکن تھا۔

یہی حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے، خطیب بغدادی نے ان کی ذاتی رائے یہی لکھی ہے کہ حدیث کو نہ لکھنا چاہیئے۔ لیکن یہ تواتر سے ثابت ہے کہ ان کی وفات ہوئی تو اتنی تالیفیں چھوڑیں کہ ایک اونٹ پر لادی جاسکتی تھیں۔ترمذی نے ان کے شاگرد عکرمہ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ کچھ اہل طائف ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کی کتابوں کو نقل کرنا چاہا۔چنانچہ ابن عباس ان کو پڑھ کر املا کراتے گئے۔

بہر کیف ابتداء قرآن کے ساتھ عام طور پر کتابت حدیث کی اجازت دے دینا بالخصوص ان امتیوں کو جنہیں ابھی تک کتابت کا پورا سلیقہ بھی حاصل نہیں ہوا تھا یقیناً مناسب نہ تھا، جن حضرات کو یہ سلیقہ حاصل تھا ان کو اس وقت بھی اجازت دے دی گئی تھی پھر بعد میں جب کتابت کی ضرورت زیادہ محسوس ہونے لگی تو عام طور پر بھی اجازت دے دی گئی جو امور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں وہ ہمیشہ زمانہ کی ضروریات اور حالات کے تابع رہا کرتے ہیں۔چنانچہ سند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنا آغاز! ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے فرمودہ امور دوسروں کو بھی بیان کروں، اس لئے چاہتا ہوں کہ اپنے دل (حفظ) کے ساتھ اپنے ہاتھ کی لکھائی سے بھی مدد لوں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو۔

احفظ حدیثی ثم استعن بیدک مع قلبک۔ میری حدیثوں کو زبانی یاد کر پھر اپنے دل کے ساتھ اپنے ہاتھ سے مدد لے۔ حافظ ابن عبدالبر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔قید وا العلم بالکتاب. کہ علم کو تحریر کر کے مقید کرلو، اسی لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کو کتابت علم کی وصیت فرمایا کرتے تھے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ کسی انصاری صحابی نے ایک دن آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی اور کہا کہ ہر روز وعظ و تذکیر میں آپ جو اہم اور کار آمد باتیں بیان فرماتے ہیں وہ مجھے اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن وہ مجھے یاد نہیں رہتیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو، یعنی لکھ لیا کرو۔

بہر کیف عہد نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تحریر حدیث کا ثبوت بلا ریب موجود ہے۔ہاں یہ ضروری ہے کہ اس عہد کے نوشتوں کو فنی حیثیت سے مستقل کتابیں نہیں کہہ سکتے۔

تدوین حدیث......جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روز بروز اس دنیا سے رخصت ہونے لگے اور ابھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بزم عالم ان کے مبارک وجود سے تقریبا خالی ہو چلی، چنانچہ بصرہ کے صحابہ میں سب سے آخر میں جس نے وفات پائی وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کا انتقال ۹۳ھ یا ۹۵ھ میں ہوا ہے۔یہ وہ وقت تھا کہ دوسرے اسلامی شہروں میں بھی دو چار کبیر السن صحابہ کے علاوہ کہ جو جلد ہی فوت ہوگئے خورشید نبوت سے براہ راست کسب زیور کرنے والے تمام ستارے غروب ہو چکے تھے۔ماہ صفر ۹۹ھ میں خلیفہ صالح عادل بن مروان حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ

نے دیکھا کہ صحابہ کے متبرک نفوس سے دنیا خالی ہو چکی۔ اکابر تابعین میں کچھ تو صحابہ کے ساتھ ہی چل بسے باقی جو ہیں ایک ایک کر کے سارے مقامات سے اٹھتے جا رہے ہیں۔ اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظ اہل علم کے اٹھنے سے کہیں علوم شرعیہ نہ اٹھ جائیں اور حدیث پاک کی جو امانات ان کے سینوں میں محفوظ ہے وہ ان کے ساتھ ہی قبروں میں نہ چلی جائے، ادھر ہر شیعہ، خوارج، قدریہ نئے نئے فرقے اسلام میں سر اٹھاتے جاتے تھے جو اپنے اپنے عقائد و خیالات کی ترویج میں پوری قوت سے کوشاں تھے۔ اس لئے آپ نے فوراً تمام ممالک کے علماء کے نام فرمان بھیجا کہ حدیث نبوی ﷺ کو تلاش کر کے جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے مدینہ منورہ کے قاضی ابو بکر بن عمرو بن حزم متوفی ۱۱۷ھ کو جو آپ کی طرف سے وہاں کے امیر بھی تھے فرمان بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیثیں اور اسی قسم کی جو روایات مل سکیں ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فناء ہو جانے کا خوف ہے۔ (موطا محمد، وعلقہ البخاری فی الصحیح) قاضی موصوف اپنے وقت میں مدینہ طیبہ کے بہت بڑے فقیہ اور امارت و قضاء میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے نائب تھے، امام مالک فرماتے ہیں کہ یہاں مدینہ میں جس قدر قضاء کے بارے میں ان کو علم تھا اتنا کسی کو نہ تھا، بڑے عابد و شب بیدار تھے۔ ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ چالیس سال ہونے آئے یہ کبھی شب میں اپنے بستر پر دراز نہیں ہوئے۔

آپ نے امیر المومنین کے حسب الحکم حدیث میں تعدد کتابیں لکھیں۔ لیکن افسوس ہے کہ جب قاضی صاحب کا یہ کارنامہ پایہ تکمیل کو پہنچا تو حضرت عمر بن عبد العزیز وفات پا چکے تھے۔ آپ نے ۲۵ رجب ۱۰۱ھ کو انتقال کیا۔ مدت خلافت کل دو سال پانچ ماہ ہے۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں اور ہر دی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ مدون اول قاضی ابو بکر ابن حزم ہیں۔

عمر بن عبد العزیز نے امام زہری کو بھی خاص طور پر تدوین سنن پر مامور کیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر جامع بیان العلم میں امام زہری کا بیان نقل کرتے ہیں کہ "ہم کو عمر بن عبد العزیز نے سنن کے جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور پھر انہوں نے ہر اس سرزمین پر کہ جہاں ان کی حکومت تھی ایک دفتر بھیج دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قاضی ابو بکر بن حزم سے پہلے اس فن کی تدوین کی ہے۔ چنانچہ امام مالک کی تصریح موجود ہے۔ "اول من دون العلم ابن شہاب (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ) محققین کی ایک جماعت کا خیال یہی ہے، سیوطی نے الفیہ اور تدریب میں، ابن حجر نے فتح الباری میں اسی پر جزم ظاہر کیا ہے۔ لقط الدرر میں بھی انہی کو واضع اول مانا ہے اور نیل الامانی میں بھی یہی ہے۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں فقیہ شام حضرت مکحول دمشقی کی تصنیفات کے سلسلہ میں کتاب السنن کا تذکرہ کیا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس کی تدوین بھی امر خلافت کی تعمیل ہی میں ہوئی ہوگی۔

علامۃ التابعین امام شعبی کے متعلق علامہ سیوطی تدریب الراوی میں حافظ ابن حجر عسقلانی سے ناقل ہیں کہ "ایک مضمون کی حدیثوں کے جمع کرنے کا کام سب سے پہلے امام شعبی نے کیا" امام شعبی کتابت علم کے قائل نہ تھے اس لئے ظاہر ہے کہ احادیث کے جمع کرنے کا یہ کام انہوں نے محض خلیفہ عادل کے حکم کی تعمیل ہی میں کیا ہوگا۔

چونکہ یہ تینوں ائمہ باہم معاصر ہیں اس لئے یقین کے ساتھ تو یہ فیصلہ کرنا سخت مشکل ہے کہ سب سے پہلے اس موضوع پر کس نے قلم اٹھایا۔ تاہم حسب تصریح امام مالک و دراوردی اگر اس علم کے پہلے مدون امام زہری ہیں تو امام شعبی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ احادیث نبوی کی تبویب سب سے پہلے انہیں نے کی ہے۔ اس لئے تدوین حدیث کی اولیت کا سہرا اگر علماء اہل مدینہ کے سر ہے تو اس کی تبویب کی اولیت کا شرف یقیناً علماء اہل کوفہ کو حاصل ہے۔

وقال السیوطی فی الفیتہ .

اول جامع الحدیث والاثر ، ابن شہاب امر لہ عمر

واول الجامع للابواب ، جماعۃ فی المصر ذو اقتراب

کابن جریج وھیشم مالک،معمر وولد المبارک واول الجامع باقتصار،علی الصحیح فقط البخاری

دوسری صدی کی تصنیفات...... پہلی صدی کے آخر میں خلیفہ راشد کے حکم سے کیا۔ائمہ تابعین نے جمع وتدوین حدیث کا دروازہ کھولا،امام شعبہ،امام زہری،امام مکحول دمشقی اور قاضی ابو بکر بن حزم کی تصانیف اسی عہد عمری کی یادگار ہیں،دوسری صدی ہجری میں اس سلسلہ کو اتنی ترقی ہوئی کہ احادیث مرفوعہ ایک طرف صحابہ کے آثار اور تابعین کے فتاوی اور اقوال تک ایک ایک کر کے اس عہد کی تصانیف میں مرتب ومدون کر دیئے گئے۔

کتاب الآثار...... فقیہہ وقت حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد ۱۲۰ھ میں امام ابو حنیفہ جب جامعہ کوفہ کی اس مشہور علمی درسگاہ میں مسند فقہ وعلم پر جلوہ آراء ہوئے کہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے باقاعدہ طور پر چلی آرہی تھی تو آپ نے جہاں علم کلام کی بنیاد ڈالی وہاں فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا وہیں علم حدیث کی اہم ترین خدمت یہ انجام دی کہ چالیس ہزار احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہا روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقیہہ پر مرتب کیا۔جس کا نام "کتاب الآثار" ہے اور آج امت کے پاس احادیث صحیح کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے جو دوسری صدی کے ربع ثانی کی تالیف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے پہلے حدیث نبوی ﷺ کے جتنے صحیفے اور مجموعے لکھے گئے ان کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے کیف ما تفق جو حدیثیں ان کو یاد تھیں انہیں قلم بند کر دیا تھا،امام شعبہ نے بے شک بعض مضامین کی حدیثیں ایک ہی بات کے تحت لکھی تھیں لیکن وہ پہلی کوشش تھی جو غالباً چند ابواب سے آگے نہ بڑھ سکی،احادیث کو کتب وابواب پر پوری طرح مرتب کرنے کا کام ابھی باقی تھا جس کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کتاب الآثار تصنیف کر کے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل فرمایا اور بعد کے ائمہ کیلئے ترتیب وتبویب کا ایک عمدہ نمونہ قائم کیا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ...... ممکن ہے کہ کچھ لوگ کتاب الآثار کو احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ بتانے پر چونکیں۔کیونکہ عام خیال یہی ہے کہ صحیح بخاری سے پہلے احادیث صحیحہ کی کوئی کتاب مدون نہیں تھی مگر یہ بڑی غلط فہمی ہے۔اس واسطے کہ علامہ مغلطائی کے نزدیک اس بارے میں اولیت کا شرف امام مالک کو حاصل ہے۔حافظ سیوطی تنویر الحوالک میں لکھتے ہیں کہ "حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ امام مالک ہیں" اور کتاب الآثار موطا سے بھی پہلے کی تصنیف ہے۔جس سے خود موطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے۔چنانچہ حافظ سیوطی تبیض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے کہ جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی۔پھر امام مالک ابن انس نے موطا کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

غرض کتاب الآثار قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی دوسری کتاب ہے۔جو ابواب پر مرتب ومدون ہوئی اور جس میں صرف ان ہی احادیث اور آثار وفتاوی نے جگہ پائی جن کی روایت،ثقات اور اتقیا امت میں برابر چلی آتی تھی۔امام اعظم نے اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کے آخری افعال وہدایات کو مبنائے اول اور آثار وفتاوائے صحابہ وتابعین کو مبنائے ثانی قرار دیا۔

موطا امام مالک...... کتاب الآثار کے بعد حدیث کا دوسرا صحیح مجموعہ جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں موجود ہے وہ امام مالک ابن انس کی مشہور تصنیف "موطا" ہے جو اہل مدینہ کی روایات وفتاوی کا بہترین انتخاب ہے۔جس کی صحت کا محدثین کو اس درجہ یقین ہے کہ امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں "اگر کوئی شخص اس بات پر طلاق کا حلف اٹھائے کہ موطا میں امام

---

[1] حیات امام مالک میں جو یہ مرقوم ہے کہ "موطا کو سب سے بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ یہ اسلام کی پہلی کتاب ہے" کشف الظنون میں ہے کہ سب سے پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی وہ موطا ہے،ابو بکر بن العربی شرح موطا میں لکھتے ہیں کہ یہ پہلی کتاب ہے جو شریعت اسلامیہ میں لکھی گئی ہے۔حضرت سفیان کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مالک نے صحیح تصنیف کی سو تاریخی طور پر صحیح نہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مالک کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ حانث نہ ہوگا۔

جامع سفیان ثوری...... اسی زمانہ میں امام سفیان ثوری نے "جامع" لکھی ہے جو دوسری صدی کے نصف کے قریب کی تصنیف ہے۔ بعض نے اس کا سنہ تصنیف ۱۶۰ھ بتایا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ امام زفرؒ کا جب بصرہ آنا ہوا تھا تو ان کے سامنے جامع سفیان لائی تھی اور آپ نے اسے دیکھ کر یہ فرمایا تھا کہ "یہ ہمارا کلام غیروں سے نقل کر رہے ہیں۔

امام زفرؒ کی وفات ماہ شعبان ۱۵۸ھ میں ہوئی ہے اسلئے یہ ماننا پڑے گا کہ اسکی تصنیف ان کی وفات سے پہلے پہلے مکمل ہو چکی تھی، آپکی جامع ایک زمانہ میں محدثین میں بڑی مقبول و متداول رہی ہے چنانچہ امام بخاری نے جب علم حدیث کی تحصیل شروع کی تو سب سے پہلے جن کتابوں کی طرف توجہ کی وہ سفیان ثوری کی جامع اور عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع کی تصنیفات تھیں۔ امام بخاری نے جامع سفیان کا سماع اپنے وطن ہی میں امام ابو حفص کبیر سے کیا تھا۔ اسحاق بن راہویہ سے کسی نے روایت کیا تھا کہ "دونوں کتابوں میں کونسی کتاب زیادہ اچھی ہے۔ مالک کی یا سفیان کی۔" کہنے لگے مالک کی۔ لیکن امام ابوداؤد وسجستانی صاحب سنن فرماتے ہیں کہ "لوگوں نے اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھیں، سفیان کی جامع ان سب میں اچھی ہے۔

کتاب الزہد والرقائق...... ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی المروزی مولود ۱۱۸ھ یا ۱۱۹ھ متوفی ۱۸۱ھ کی تصنیف ہے۔ جو کتاب اس وقت اس نام سے رائج و مشہور ہے وہ اس کا انتخاب ہے۔ جس کو حافظ ضیاء الدین ابو عبداللہ بن محمد بن عثمان بن سلیمان زراری نے کیا تھا جو عوام و خواص کی نظروں میں مقبول ہے۔ دراصل یہ کتاب بروایت حسین بن مروزی رائج اور مشہور ہے اور ان سے ان کے شاگرد ابو محمد بن یحیی محمد بن صاعد نے روایت کیا ہے، ابن المبارک امام اعظم کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ حق تعالی نے ان کو وہ مرتبہ عنایت کیا تھا کہ چیدہ چیدہ بزرگ ان کی محبت سے تقرب الٰہی کے متلاشی رہتے تھے، قتیبہ بن سعید بلخی جو اصحاب ستہ کے شیخ ہیں فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے زمانہ کے بہتر ابن المبارک ہیں پھر احمد بن حنبل" ثقات کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ بزرگوں کی ایک جماعت ایک مقام پر مجتمع ہوئی اور علم فقہ، ادب، نحو، لغۃ، زہد، شعر گوئی، فصاحت، شب بیداری، تہجد گزاری، عبادت، حج، جہاد، شہ سواری، ہتھیار بندی، بے فائدہ باتوں سے اجتناب، انصاف کی پابندی ان سب صفات حمیدہ میں اپنے زمانہ کا سردار ابن المبارک کو تسلیم کیا اور باب ہائے مذکورہ سے ہر بات میں ان کے تفوق اور بے نظیر ہونے کا اقرار کیا۔ ابن المبارک فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے علم کو جمع کیا ہے۔ لیکن روایت صرف ایک ہزار شیوخ سے کرتا ہوں۔

موطا امام محمد...... ابو عبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی مولود ۱۳۲ھ متوفی ۱۸۹ھ کی ہے جو آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک کی خدمت میں تین سال رہ کر استفادہ کر کے ترتیب دی ہے۔ یہ امام مالک کی جملہ روایات و نسخ میں سے ممتاز تر ہے۔

مسند ابوداؤد طیالسی...... سلیمان بن داؤد بن الجارود طیالسی کا ہے جو اصل میں شہر فارس کے رہنے والے ہیں اور آخر میں بصرہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ احادیث طویلہ کو خوب محفوظ رکھتے تھے اور اپنے زمانہ میں اسی کمال کے ساتھ مشہور و معروف تھے۔ آپ نے ایک ہزار شیوخ سے علم حدیث مکمل کیا ہے۔ اسی سال کی عمر پا کر ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔

کشف الظنون کی مذکور عبارت تلاش کے باوجود نہ مل سکی۔ حضرت سفیان سے جو منقول ہے وہ بلا جواز ہے۔ یہ الفاظ سفیان کے نہیں مغلطائی کے ہیں۔ البتہ قاضی صاحب کی تصریح کشف میں موجود ہے۔ لیکن یہ ان کی اپنی معلومات کے اعتبار سے ہے کیونکہ ان کو کتاب الآثار کا علم نہ تھا اور یہ کچھ محل تعجب نہیں یہ سی مشہور کتابوں کے متعلق بعض اکابر اہل علم کو اطلاع نہ ہو سکی۔ حافظ ابو سعید علائی کا خیال ہے کہ حافظ علی نیشاپوری امام علل حدیث صحیح بخاری سے واقف نہ تھے۔ حافظ ابن کثیر نے مقدمہ ابن الصلاح کی تلخیص میں، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے ترمذی کے تذکرہ میں یہ تصریح کی ہے کہ ابن حزم اپنی علمی وسعت کے باوجود ترمذی اور ان کی تصنیف سے ناواقف تھے۔ حافظ بیہقی کے پاس جامع ترمذی، نسائی اور سنن ابن ماجہ نہ تھیں۔ اس لئے ان ہر سہ کتابوں کی احادیث کی انہیں اطلاع نہ تھی۔ ۱۴

مصنف عبد الرزاق......ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع حمیری کا ہے صنعاء کے رہنے والے ہیں جو یمن کا دار السلطنت ہے۔ صحاح ستہ میں بھی ان کی روایت موجود ہے۔ پچاسی سال زندہ رہ کر ۱۵ شوال ۲۱۱ھ میں رحلت فرمائی۔

مسند حمیدی......ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر قریشی حمیدی کا ہے، امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں اور سفیان ابن عینیہ کے شاگرد ہیں۔ کبار اصحاب شافعی میں شمار ہوتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ "حمیدی ہمارے نزدیک امام ہیں۔" ۲۱۹ھ میں بمقام مکہ معظمہ وفات پائی۔

مصنف ابن ابی شیبہ......ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی کا ہے جو فن حدیث کے امام ہیں، ابو زرعہ رازی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں چار شخصوں پر نظر پڑتی تھی اور علم حدیث کا منتہا ان ہی کو خیال کرتے تھے۔ اول ابو بکر بن ابی شیبہ جو حدیث بیان کرنے میں یکتا تھے، دوسرے احمد بن حنبل جو فقہ اور حدیث کے سمجھنے میں منتہی خیال کئے جاتے تھے۔ تیسرے ابن معین جو جمع و تکثیر حدیث میں ممتاز تھے، چوتھے علی بن المدینی جو مخرج حدیث اور اس کے علل کے علم میں یگانہ تھے، لیکن مذاکرہ کے وقت ابو بکر بن ابی شیبہ اپنے ہم عصروں میں حافظ ترین بتائے جاتے تھے۔ ترتیب و تہذیب کے اعتبار سے بھی یہ کتاب ان کے ہمعصروں سے امتیاز نام رکھتی ہے، ماہ محرم ۲۳۵ھ میں وفات پائی۔

علم حدیث تیسری صدی میں...... تیسری صدی ہجری میں علم حدیث کو بڑی ترقی ہوئی اور اس فن کا ایک ایک شعبہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ محدثین اور ارباب روایت نے طلب حدیث میں بحر و بر کو پے سپر کیا اور دنیا اسلام کا گوشہ گوشہ چھان مارا، ایک ایک شہر اور ایک ایک قریہ میں پہنچ کر تمام منتشر اور پراگندہ روایتوں کو یکجا کیا۔ مسند حدیثیں علیحدہ کی گئیں۔ صحت سند کا التزام کیا گیا، اسماء الرجال کی تدوین ہوئی، جرح و تعدیل کا مستقل فن بن گیا اور صحاح ستہ جیسی بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں۔

تدوین صحاح ستہ وغیرہ...... مسانید کی تالیف سے جب تمام منتشر اور پراگندہ روایتیں یکجا ہو گئیں تو پھر اس دور کے محدثین نے انتخاب و اختصار کا طریقہ اختیار کیا اور صحاح ستہ کی تدوین عمل میں آئی، اسی دور میں صحاح ستہ کے علاوہ اور بہت سی کتابیں وجود میں آئیں۔

مسند دارمی......ابو محمد (یا ابو جعفر) عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن الفضل بن بہرام بن عبد الصمد تمیمی دارمی سمرقندی مولود ۱۸۱ھ متوفی ۲۵۵ھ کی تصنیف ہے جو اصطلاح کے خلاف مسند کے ساتھ مشہور ہو گئی۔ آپ نے اکثر بلاد اسلام کا سفر کیا اور دور دراز شہروں میں گشت کر کے علم حدیث جمع کیا، امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور محمد بن یحیی ذہلی وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔ جس وقت امام بکاری کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو انتہائی صدمہ سے سر جھکا لیا اور اشک جاری کرتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ حسرت آمیز شعر نکل گیا۔ حالانکہ بجز ان اشعار کے جو حدیث میں روایت کئے گئے ہیں آپ کبھی کوئی شعر نہیں پڑھتے تھے۔

[1] ان تبق تفجع بالاحبۃ کلھا — وفناء نفسك لاابالك افجع

نسخہ ابو الوقت مسند دارمی میں تین ہزار پانچ سو ستاون حدیثیں مندرج ہیں جو ایک ہزار چار سو آٹھ ابواب میں متفرق طور پر جمع کی گئی ہیں۔

سنن ابی مسلم الکشی......ابو مسلم ابراہیم بن عبد اللہ بصری کی تصنیف ہے۔ جب آپ اس کتاب کے جمع کرنے، استاذ کو سنانے اور محدثین کو دکھلانے سے فارغ ہوئے تو شکرانہ میں ہزار درہم مفلسوں کو صدقہ میں دیئے اور جو علم حدیث کا مشغلہ رکھنے والے تھے ان میں سے ایک کثیر التعداد جماعت اور دیگر امراء ملک کی دعوت کر کے پر تکلف کھانے پکوا کر کھلائے۔ جس روز آپ بغداد میں آئے تو بہت سے آدمی ان سے سند حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے رحبہ غسان جو بغداد کے فراخ ترین مکانوں میں سے تھا مکان جلوس قرار پایا۔ چونکہ چاروں طرف کثرت سے آدمیوں کا ہجوم تھا اس لئے سات

[1] اگر تو زندہ رہے گا تو تمام دوستوں کی مفارقت کا درد تجھ ہی کو اٹھانا پڑے گا، مگر تیری موت کا سانحہ ان سب سے دردناک ہے۔ ۱۲

آدمی ان کی آواز کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے متعین ہوئے۔ فارغ ہونے کے بعد جب اس مجلس کے آدمیوں کو شمار کیا گیا تو علاوہ دیگر سامعین وناظرین کے تقریبا ایک ہزار چالیس آدمی صاحب دوات وقلم وہاں موجود تھے۔ جو ان کے فرمودہ کو لکھ رہے تھے، خطیب بغدادی نے اس واقعہ کو تاریخ بغداد میں نقل کیا ہے۔ آپ نے ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔ بعض حضرات نے سنہ وفات ۲۹۲ھ لکھا ہے۔

کتاب الدعا لابن ابی الدنیا...... ابو بکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن قیس معروف بابن ابی الدنیا قرشی اموی مولود ۲۰۸ھ متوفی ۲۸۱ھ کی نہایت عمدہ اور نفیس کتاب ہے جس کے شروع میں حق تعالیٰ کے ننانوے نام درج ہیں جو بروایت ابن سیرین از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔ پھر چہل اسم ادریسی ہے جس کی سند حسن بصری پر موقوف ہے اس کے بعد اسم اعظم ہے اس کے بعد دعاالفرج ہے۔

مسند حارث بن ابی اسامہ...... ابو محمد حارث بن محمد بن ابی اسامہ بغدادی کی تصنیف ہے۔ آپ نے یزید بن ہارون، روح بن عبادہ، علی بن عاصم، واقدی اور دوسرے علماء حدیث سے اس علم کو حاصل کیا ہے۔ برقانی نے جب دار قطنی سے دریافت کیا کہ میں ان کی احادیث کو صحاح میں داخل کروں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ضرور داخل کرو۔ آپ نے ستانوے سال کی عمر پاکر ۲۸۲ھ میں رحلت فرمائی۔

مسند بزار...... ابو بکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار متوفی ۲۹۲ھ کی تصنیف ہے۔ جس کو مسند کبیر بھی کہتے ہیں۔ یہ معلل ہے۔ یعنی ایسے اسباب بھی بیان کرتے جاتے ہیں جو صحت حدیث میں قادح ہیں۔

انہوں نے ہدبہ بن خالد سے جو بخاری اور مسلم کے شیخ ہیں اور عبد الاعلی بن حماد، حسن بن علی بن راشد اور عبداللہ بن معاویہ جمحی سے علم حدیث کو حاصل کیا۔

مسند ابو یعلی الموصلی...... احمد بن علی بن المثنی بن یحیی بن عیسی بن ہلال تمیمی موصلی مولود ۲۴۰ھ متوفی ۳۰۷ھ کی تصنیف ہے اس کی ترتیب ابواب واسماء صحابہ ہر دو پر رکھی گئی ہے۔ پوری مسند کے چھتیس جز ہیں۔ حافظ اسماعیل بن محمد بن الفضل تمیمی کہتے ہیں کہ میں نے مثل مسند عدنی اور مسند ابن منیع اور ان کے علاوہ بہت سی مسندات پڑھی ہیں لیکن تمام مسندات ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے نہریں اور ابو یعلی کی مسند دریا ناپید اکنار کی طرح ہے۔

صحیح ابن خزیمہ...... ابو بکو محمد بن اسحاق بن خزیمہ اسلمی نیشاپوری مولود ۲۲۳ھ متوفی ۳۱۱ھ کی تصنیف ہے جو مشہور محدث اور ابن حبان کے شیخ ہیں۔ آپ کی صحیح اور صحیح ابن حبان صحاح ستہ کے بعد معتمد کتب حدیث میں سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ آپ کی صحیح میں ایسی احادیث بھی ہیں جو بمشکل حسن کے درجہ میں ہیں۔

صحیح ابو عوانہ...... یعقوب بن اسحق بن ابراہیم بن یزید اسفرائنی نیشاپوری متوفی ۳۱۶ھ کی ہے، جو صحیح مسلم پر متخرج ہے، خراسان، عراق، یمن، حجاز، شام، جزیرہ، فارس، اصفہان، مصر اور تور وغیرہ میں گشت کرکے ہر دیار کے علماء سے حدیثوں کو جمع کیا، شافعی المذہب تھے، اسفرائن میں شافعی مذہب کی ابتداء انہیں سے ہوئی۔

معاجم ثلاثہ طبرانی...... ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی طبرانی مولود ۲۸۰ھ متوفی ۳۶۰ھ کی تصانیف ہیں۔ آپ نے ۲۷۳ھ میں طالب علمی شروع کی۔ ملک شام کے اکثر شہروں اور حرمین شریفین، یمن، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، اصفہان، جزیرہ اور اسلام کی دوسری آباد بستیوں میں سیر وسیاحت کی۔ علی بن عبدالعزیز، بلغوی، بشر بن موسی، ابوزرعہ دمشقی اور ان کے ہمعصروں میں حدیث کی سماعت حاصل کی۔ ابو العباس احمد بن منصور شیرازی فرماتے ہیں کہ میں نے طبرانی سے تین لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ زنادقہ (فرقہ قرامطہ اسماعیلیہ) نے اس زمانہ میں جو اہل سنت کے دشمن تھے طبرانی پر ان کی آخر عمر میں اس وجہ سے سحر کرادیا تھا کہ وہ احادیث سے ان کے مذہب کو رد کرتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ

کی بصارت ظاہری جاتی رہی تھی۔ آپ نے دو ماہ اور ایک سو سال کی عمر پائی۔ آپ کی معجم کبیر مرویات صحابہ کی ترتیب پر مرتب ہے۔ معجم اوسط بہ ترتیب اسماء شیوخ مرتب ہے۔ اس کی چھ جلدیں ہیں جس میں آپ نے ایک ہزر شیوخ سے جو عجائب وغرائب سنے تھے ان کو بیان کیا ہے۔ معجم صغیر بھی شیوخ ہی کی ترتیب پر مرتب ہے۔

چوتھی صدی صحیح ابن حبان...... ابو حاتم محمد بن حبان بن معاذ بن معبد تمیمی بستی متوفی ۳۵۴ھ کی تصنیف ہے۔ جس کو تقاسیم اور انواع بھی کہتے ہیں۔ اس کی ترتیب نئی طرح کی ہے نہ مبوب بہ ابواب ہی ہے اور نہ مثل مسانید صحابہ و معاجم شیوخ ہے۔ بلکہ اول اقسام کو ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان اقسام میں انواع بیان کرتے ہیں۔

آپ امام نسائی کے شاگرد ہیں۔ ابو یعلی موصلی، حسن بن سفیان، ابو بکر بن خزیمہ سے بھی تلمذ حاصل ہے۔ خراسان سے مصر تک سیر کر کے ہر عالم کے فیض سے مستفیض ہوئے۔ علم حدیث کے علاوہ دوسرے علوم فقہ، لغت، طب اور نجوم میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے، خود آپ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ "خیال ہوتا ہے کہ ہم نے دو ہزار شیوخ سے علم حدیث کو لکھا ہے۔

سنن دار قطنی...... ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان بن دینار بن عبد اللہ بغدادی دار قطنی مولود ۳۰۶ھ متوفی ۳۸۵ھ کی تصنیف ہے شافعی المذہب تھے۔ ابو القاسم بغوی، ابو بکر بن ابی داوٗد ابن صاعد، حسین بن محابیلی اور دیگر علماء سے حدیث کی سماعت کی۔ علاوہ بغداد کے کوفہ، بصرہ، شام، واسطہ، مصر اور دوسرے اسلامی شہروں کی سیاحت کی۔ علوم نحو و فن تجوید میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ معرف علل حدیث اور اسماء الرجال میں یگانہ تھے۔ مذاہب فقہاء، علم ادب اور شعر سے بھی خوب باخبر تھے۔

صحیح حاکم...... ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمد دیہ بن نعیم ضبی نیشاپوری مولود ۳۲۱ھ متوفی ۴۰۵ھ کی تصنیف ہے جو مستدرک کے نام سے مشہور ہے۔ خراسان اور ماوراء النہر و دیگر بلاد اسلام میں گشت کر کے دو ہزار شیوخ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اگرچہ دوسرے علوم میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے مگر علم حدیث میں زیادہ مشغلہ رکھنے کی وجہ سے اسی فن میں مشہور ہوگئے۔ تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ ان کی تصانیف ایک ہزار پانچ سو جزء کے قریب پہنچتی ہیں۔ ان سب میں عمدہ "معرفۃ علوم الحدیث" ہے اور ان کی کتب الاکلیل بھی بہت مفید ہے۔ ان کی وفات کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ ایک روز غسل کی غرض سے حمام میں تشریف لے گئے۔ فراغت کے بعد وہاں سے نکلے ایک آہ نکلی اور جاں بحق ہوگئے۔ تہ بند بندھا ہوا تھا اور کپڑے بھی پہنے ہوئے تھے۔

پانچویں صدی، سنن بیہقی...... ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن عبد اللہ بن موسی بیہقی مولود ۳۸۴ھ متوفی ۴۵۸ھ کی تصنیف ہے۔ جس کو سنن کبری کہتے ہیں۔ یہ دو سو دو اجزاء اور دس جلدوں میں ہے جو مختصر مزنی کی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔ بیہقی نے حاکم ابو طاہر ابن فورک متکلم صوفی ابو علی روذباری اور عبد الرحمٰن سلمی وغیرہ سے علوم حاصل کئے اور بغداد، خراسان، کوفہ، حجاز اور دوسری اسلامی آبادیوں میں گشت کیا۔ حق تعالی نے ان کے علم میں بڑی برکت اور فہم کامل کی قوت عطا فرمائی تھی۔ بڑی عجیب عجیب تصانیف ان کی یادگار ہیں۔ آپ کی وفات شہر نیشاپور میں ہوئی۔ تابوت میں رکھ کر بیہق لائے گئے اور خسرو جرد میں مدفون ہوئے۔

معرفۃ السنن والآثار...... یہ بھی علامہ بیہقی کی تصنیف ہے جس کے معنی علماء نے یہ بیان کئے ہیں "معرفۃ الشافعی بالسنن والآثار" اسی لئے تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ شافعی فقیہ کو اس کتاب کی سخت ضرورت پڑتی ہے اس کی چار جلدیں ہیں۔

کتاب الجمع بین الصحیحین للحمیدی...... ابو عبد اللہ محمد بن ابی نصر فتوح بن عبد اللہ بن حمید ازدی حمیدی متوفی ۴۸۸ھ کی تصنیف ہے۔ جس میں بخاری و مسلم کی حدیثوں کو مسانید صحابہ کے مطابق مرتب کیا ہے۔ آپ نے اندلس

،مصر، شام، عراق اور حرم شریف میں رہ کر حدیث کی سماعت کی ابن حزم ظاہری کے شاگرد رشید تھے، ابو عبداللہ قرائکی، ابو عمر یوسف بن عبدالبر، ابو بکر خطیب اور دیگر محدثین سے بھی استفادہ کیا ہے، امیر ابن ماکولا جو مشہور محدثین میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نزہت و پاکیزگی، عفت و پرہیزگاری اور مشغلہ علمی میں، میں نے حمیدی کے برابر کسی کو نہیں دیکھا، علل حدیث کی معرفت اور اصول کے مطابق تحقیق معانی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ علم عربیت وادب، قرآن مجید کی ترکیب اور لطائف بلاغت بیان کرنے میں بھی حق تعالی نے ان کو کامل دستگاہ عطاء فرمائی تھی۔ شعر و سخن سے بھی کافی ذوق تھا مگر وعظ و نصیحت کے رنگ میں۔ [1]

(۶) علم اصول حدیث

لغوی تحقیق...... لفظ اصول کی تحقیق "اصول تفسیر" کی تعریف اور لفظ حدیث کے معنی، علم حدیث کی تعریف میں بیان ہو چکے ہیں۔

اصطلاحی تعریف...... اصول حدیث وہ علم ہے جس میں صفات رجال اور صیغ اداء کی حیثیت سے احادیث نبویہ کی صحت وضعف اور قبول وعدم قبول کے بارے میں بحث ہو، باالفاظ دیگر اصول حدیث ان قواعد کے جاننے کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ ردو قبول کے اعتبار سے راوی و مروی کا حال معلوم ہو۔ یعنی راوی میں کون سے اوصاف پائے جائیں جن کی وجہ سے اس کی بیان کردہ حدیث قابل قبول ہو اور کون سے اوصاف ایسے ہیں جن کی وجہ سے اس کی بیان کردہ روایت قابل رد ہو، اسی طرح حدیث کی کون سی قسم قابل قبول ہے اور کون سی غیر قابل قبول۔

موضوع...... دو چیزیں ہیں جو ایک راوی دوسرے مروی اور دونوں میں حیثیت مذکور ملحوظ ہے۔

غرض وغایت...... اقوال غیر سے احادیث کی حفاظت اور صحت وضعف کے اعتبار سے درجات حدیث کو معلوم کرنا۔

تدوین...... جس طریقہ پر دیگر علوم کیلئے اصول وضوابط کی ضرورت ہوا کرتی ہے، اسی طرح علم حدیث کیلئے بھی اصول وضوابط کی ضرورت تھی۔ تاکہ ان کے ذریعہ حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جاسکے۔ چنانچہ محدثین نے احادیث کے جاننے اور پرکھنے کیلئے جو معیار قائم کیا تھا وہ بہت ہی زیادہ بلند تھا۔

اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا جو قول یا فعل وغیرہ بیان کیا جائے وہ اس شخص کی زبان سے ہو جس نے اس کو خود دیکھا یا سنا ہو اور اگر کسی دوسرے کی زبانی سنے تو سننے والے یا دیکھنے والے کے درمیان جتنے راوی ہوں ان کے نام ترتیب وار بیان کئے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو حضرات سلسلہ روایت میں ہیں وہ کون لوگ تھے، کیسے تھے، ان کے مشاغل کیا تھے، ان کا چال چلن کیسا تھا، سمجھ بوجھ کیسی تھی۔ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس، عالم تھے یا جاہل، کس تخیل اور کس مشرب کے تھے، سنہ پیدائش اور سنہ وفات کیا تھا، ان کے شیوخ کون تھے، ضبط وعدالت میں کس درجہ کے تھے۔ تاکہ ان کے ذریعہ حدیث کی صحت و سقم معلوم ہو سکے۔

ان جزوی باتوں کا دریافت کرنا اور ان کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا لیکن محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کیں اور ایک ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے۔ انہیں تحقیقات کے ذریعہ "اسماء الرجال" کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہوا۔

کسی حدیث کی صحت وعدم صحت کماحقہ اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے راویوں کے حالات معلوم نہ ہو جائیں، جو فن اس کی کفالت کر سکتا ہے وہ فن جرح و تعدیل ہے جو اصول حدیث کا ایک اہم جزو ہے۔

---

[1] ملخص از ابن ماجہ اور علم حدیث و بستان المحدثین وغیرہ ۱۲۔

تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس موضوع پر گفتگو کرنے والے اور تنقید رجال کے اصول قائم کرنے والے بخاری کے شیخ اور شیخ الشیخ حضرت شعبہ بن الحجاج متوفی ۱۶۰ھ ہیں جو جرح و تعدیل کے امام کہلاتے ہیں اور سب سے پہلے اس موضوع پر قلم اٹھانے والے بھی بخاری کے دوسرے شیخ یحیی بن سعید القطان متوفی ۱۹۸ھ ہیں اور انہیں کے تلامذہ میں احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ہیں جنہوں نے اس فن میں کتابیں لکھی ہیں۔

بہر کیف حدیث کی صحت و سقم دریافت کرنے کیلئے اصول حدیث کی اس قدر ضرورت تھی کہ اگر کوئی محدث اس علم سے غافل ہوتا تو اس کو بڑی دقتوں کا سامنا پیش آتا۔ خصوصاً اس وقت جب کہ فتنوں کے دروازے کھل چکے تھے، بدعات کا شیوع، سیاسی انتشار، الحاد و زندقہ کا زور اور عقائد میں فرقہ بندی شروع ہو گئیں تھی اور ہر شخص اپنے خیالات کی تائید میں حدیثیں پیش کرنے لگا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رطب و یابس حدیثیں ان مجموعوں میں شامل ہو گئیں جن کے جانچنے پرکھنے کیلئے اصول حدیث کی سخت ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ میزان الاعتدال میں حضرت ابن سیرین سے منقول ہے کہ اسناد کے جانچنے کی ضرورت واقعات فتن کے بعد ہوئی۔

بقول حافظ ابن حجر عسقلانی سب سے پہلے اس موضوع پر قاضی ابو محمد حسن بن عبد الرحمٰن خلاد رامہرمزی متوفی ۲۶۰ھ نے قلم اٹھایا اور اصول حدیث میں ایک کتاب لکھی جس کا نام المحدث الفاصل بین الراوی والواعی ہے۔ لیکن یہ کتاب پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ ان کے بعد حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے خامہ فرسائی کی اور معرفۃ علم الحدیث نامی ایک کتاب لکھی جو پچاس فنون حدیث پر مشتمل تھی۔ مگر ان کی یہ کتاب غیر مرتب رہی۔

اس کے بعد حافظ ابو نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے حاکم کی کتاب کو پیش نظر رکھ کر اس میں بہت سے اضافے کئے۔ مگر پھر بھی تشنہ کام رہی اور بعد والوں کیلئے کام چھوڑ گئے۔ چنانچہ علامہ خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ پیدا ہوئے اور قوانین روایت میں ایک کتاب الکفایہ لکھی اور دوسری کتاب طریق روایت میں "الجامع الاداب الشیخ والسامع" تحریر کی۔

آپ کے بعد قاضی عیاضی متوفی ۵۴۴ھ نے اصول حدیث میں "الالماع اور ابو حفص میاں جی نے مالا یسع المحدث جہد" لکھی۔ پھر حافظ تقی الدین ابو عمرو عثمان بن الصلاح عبد الرحمٰن الشہرزوری متوفی ۶۴۳ھ نے ان سب کے مجموعہ کو ایک کتاب کی شکل دے کر (۶۵) اصطلاحات درج کیں جو "مقدمہ ابن الصلاح" کے نام سے مشہور اور اس فن کا بہترین مجموعہ ہے۔ اس کے بعد علماء نے مقدمہ ابن الصلاح پر کام کیا۔ امام نووی متوفی ۶۷۶ھ نے اس کی تلخیص کی جس کا نام تقریب ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس کی شرح لکھی جس کا نام تدریب ہے۔ زین الدین عراقی متوفی ۸۰۶ھ نے اس مقدمہ کو منظوم کیا۔ جس کا نام "الفیہ" ہے۔ حافظ شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ کی کتاب فتح المغیث اسی منظومہ کی شرح ہے۔

ابن الصلاح کے ایک زمانہ بعد سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ نے اس فن میں مختصر الجرجانی تصنیف کی۔ جس کی شرح حضرت مولانا عبد الحی صاحب متوفی ۱۳۰۷ھ نے تحقیق و تفصیل مذاہب کے اعتبار سے شرح و بسط کے ساتھ لکھی جس کا نام ظفر الامانی شرح مختصر الجرجانی ہے۔ سید شریف ہی کے لگ بھگ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصول حدیث میں ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر ہے۔ یہ عام طور پر مدارس میں داخل درس ہے۔

(۷) علم فقہ

لغوی معنی...... الفقہ حقیقۃ الشق والفتح والفقیہ العالم الذی یشق الاحکام و تفتیش عن حقائقہا و یفتح ما استغلق منہا۔ فقہ کے لغوی معنی کسی شئ کو کھولنا اور واضح کرنا ہے۔ فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرلے اور ان کی حقائق کا

سراغ لگائے اور متعلق و پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔ (فائق الزمخشری)

الفقہ لغۃ العلم بالشئی ثم خص یعلم الشریعۃ فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو جاننا ہے۔ پھر یہ علم شریعت کے ساتھ خاص ہو گیا (در مختار) فقہ الشئ (س) فقہا، فہمہ، وفقہہ (ک) فقاہۃ علم وکان فقیہا، فقہہ (س) فقہا۔ کسی چیز کا جاننا اور سمجھنا فقہہ (ک) فقاہۃ۔ فقیہ ہونا، علم میں غالب ہونا (اقرب الموارد) من ذلك قوله تعالی . فما هولاء القوم لایکادون یفقهون حدیثا . ولقد ذرانا لجهنم کثیرا من الجن والانس لهم قلوب لایفقهون بها . وقوله صلی الله علیه وسلم من یرد الله به خیر ا یفقهه فی الدین .

اصطلاحی معنی...... اصطلاح اہل شرع میں فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے۔ "هوا لعلم بالاحكام الشرعیۃ الفرعیۃ من ادلها التفصیلیۃ کہ فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کی ادلہ تفصیلیہ سے حاصل ہو، احکام فرعی وہ ہیں جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہے اور احکام اصلی وہ ہیں جن کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔ احکام کی ادلہ مفصلہ چار ہیں۔ قرآن پاک، حدیث، اجماع، قیاس، تعریف مذکور دو جزوں پر مشتمل ہے۔ ایک "العلم بالاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ" اس جز کے پیش نظر احکام اعتقادیہ جیسے وحدانیت خداوندی تعالی، رسالت رسل اور علم یوم آخرت وغیرہ امور فقہ کے اصطلاحی مضمون سے خارج رہیں گے، جزو دوم "العلم بالادلۃ التفصیلیۃ" کا مطلب یہ ہے کہ قضاء یا فرعیہ عملیہ میں سے ہر قضیہ کی تفصیلی ادلہ کا علم ہو۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ بیع سلم میں بوقت عقد راس المال کی تسلیم و تفویض ضروری ہے تو کتاب اللہ یا سنت رسول یا فتاوی صحابہ سے اس پر دلیل قائم ہوگی۔ اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ سود کم ہو یا زائد سب حرام ہے تو اس کی دلیل بھی اسی طرح پیش کی جائے گی۔ اور جب یہ کہا جائے کہ راس المال میں جو بھی زیادتی ہو وہ ربا کے درجہ میں ہے تو آیت "وان تبتم فلكم رؤوس اموالكم لاتظلمون ولا تظلمون سے استدلال ہوگا، اور جب یہ کہا جائے کہ لوگوں کا مال باطل طریق سے ہڑپ کرنا حرام ہے تو آیت" لاتاكلوا اموالكم بینكم بالباطل پیش کی جائے۔ بہر کیف علم فقہ کی وضع اعمال ناس کے ہر ہر جزئیہ پر حلت و حرمت، کراہت و وجوب وغیرہ کا حکم لگانا اور ان میں سے ہر ایک کی دلیل بیان کرنا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں" الفقه معرفۃ النفس مالها وما علیها یعنی فقہ نفس اور اس پر طاری ہونے والی کیفیات کے معلوم کرنے کا نام ہے۔

اہل حقیقت اور صوفیائے کرام کے یہاں فقہ علم و عمل کی جامعیت کا نام ہے ایک عارف وقت کا قول ہے

'الفقیه عند اهل الله هوالذی لایخاف الامن مولاه ولا یزاقب الا ایاه ولا یلتفت الی ماسواه ولایر جوالخیر من الغیر ویطیر فی طلبه طیران الطیر کہ اہل اللہ کے نزدیک فقیہ وہ ہے جو اپنے مولی کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور اس کے سوا کسی کی دھن نہ ہو اس کے سوا کسی کی طرف متوجہ ہو اور اس کے غیر سے طالب خیر نہ ہو اور اس کی تلاش میں پرند کی طرح اڑتا رہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ فقیہ وہی شخص ہے جو دنیا سے روگرداں ہو، امور اخرویہ میں رغبت کرنے والا اور اپنے ذاتی عیوب کا دانا بینا ہو، یعنی عارف فقیہ کی عبادت بھی فقط خدا کیلئے ہوتی ہے نہ دوزخ کے خوف سے ہوتی ہے اور نہ بہشت کی طمع سے، یہ لوگ جو بہشت مانگتے ہیں وہ تلمذ کیلئے نہیں بلکہ پروردگار کے دیدار کیلئے قال العارف

یس قصدی من الجنان نعیما — غیر انی اریداه لاراك

سایہ طوبی و دل جوئی حور و لب حوض — بهوائے سر کوئے تو برفت ازیادم

نیست بر لوح ولم جز الف قامت دوست — چه کنم حرف دگر یا دنداد استادم

سوداگری نہیں عبادت خدا کی — اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

علم فقہ کا موضوع...... مکلف آدمی کا فعل وعمل ہے جس کے احوال سے اس علم میں بحث ہوتی ہے مثلاً اس کا صحیح ہونا صحیح نہ ہونا، فرض ہونا، فرض نہ ہونا، حلال یا حرام ہونا، حلال یا حرام نہ ہونا وغیرہ، مکلف سے مراد عاقل وبالغ شخص ہے۔ پس مجنون اور نابالغ بچہ کے افعال علم فقہ کے موضوع سے خارج ہیں۔

غرض وغایت...... سعادت دارین کی ظفر یابی ہے کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے، اور آخرت میں جسکی چاہے گا شفاعت کرے گا اور اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوگا یا یہ کہو کہ علم فقہ کا مقصد احکام شرعیہ کے موافق عمل کرنے کی قوت اور ملکہ پیدا کرنا ہے۔

علم فقہ اور اسکی عظمت...... حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، "من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین کہ حق تعالی جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اسے تفقہ فی الدین یعنی دین کی فقاہت اور صحیح سمجھ عطا فرماتے ہیں، نیز آپ نے ارشاد فرمایا "فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے، کیونکہ عابد کی عبادت بلا بصیرت ہوتی ہے اس لئے شیطان پر بہت آسان ہے کہ وہ اس کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دے اور شکوک و شبہات کے جال میں پھنسا دے۔

امام شافعی کی طرف منسوب ہے آپ فرماتے ہیں، العلم علمان علم الفقہ للادیان وعلم الطب للابدان وما وراء ذلك بلغة مجلس "کہ سیکھنے کے لائق علم تو بس دو ہی ہیں ایک علم فقہ جس کے بغیر دین کے احکام سے ناواقفیت رہ جاتی ہے اور دوسرا علم طب جس سے صحت انسانی کی تعمیر ہوتی ہے اور بقیہ علوم تو صرف حظ نفس کا ذریعہ ہیں۔

امام شافعیؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو علم ضروری ہیں کہ ان کی تحصیل ہر شخص کیلئے درجہ وجوب میں ہے۔ ان کی علاوہ دیگر علوم درجہ کفایت میں ہیں، یہ مطلب نہیں کہ بقیہ علوم لاطائل اور بے سود ہیں قال الشاعر

تفقہ فان الفقہ افضل قائد[1] — الی البر والتقوی واعدل قاصد
هو العلم الهادی الی سنن الهدی — هو الحصن ینجی من جمیع الشدائد
فان فقیها واحدا متورعا — اشد علی الشیطان من الف عابد
علم دین فقهست وتفسیر و حدیث — هر که خواند غیر ازیں گرد د خبیث

خیر القرون اور تفقہ فی الدین...... تاجدار مدینہ سرکار دوعالم ﷺ کے اصحاب میں دو قسم کے اصحاب تھے، ایک وہ جو ہمہ وقت حفظ حدیث اور اس کی روایت میں لگے رہتے تھے، مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ دوسرے وہ جو نصوص میں تدبر اور غور وفکر کر کے احکام جزئیہ نکالنے اور استنباط وتفقہ پر ہی پوری طرح صرف ہمت کرتے تھے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ یہ لوگ احادیث کو پورے تثبت وتحقیق اور مسلمہ قواعد شریعت پر جانچنے کے بعد معمول بہا بناتے تھے جن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام گرامی سر فہرست ہے،

دور تابعین...... مدینہ طیبہ آنحضرت ﷺ کا دار الہجرۃ اور نبوت کی اخیر قرار گاہ تھا اس لئے علم نبوت کا اصل حزن اور منبع و معدن ہونے کا فخر اسی مبارک شہر کو حاصل ہے چنانچہ عہد نبوی سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور تک ساری دنیائے اسلام کا مرکز یہی تھا، عہد صحابہ میں یہاں قرآن وسنن کا علم بہت زیادہ تھا اور زمان تابعین میں فقہاء سبعہ "جیسے حضرات موجود تھے جو اپنے زمانہ میں علم فقہ وحدیث کے مرجع تھے امام ابن مبارک کا بیان ہے کہ جب کوئی اہم مسئلہ آتا تو یہ سب ایک ساتھ مل کر اس پر غور کرتے تھے اور جب تک وہ ان کے سامنے پیش ہو کر طے نہ ہو جاتا، قاضی

---

[1] فقہ ضرور حاصل کر کیونکہ اس سے اعمال صالحہ کی توفیق اور تقوی کی سعادت حاصل ہوتی ہے، اور فقہ سے ہدایت کی راہیں فقیہ پر کھل جاتی ہیں اور یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کی پناہ میں فقیہ عام تمام حوادث وآفات سے محفوظ ہو جاتا ہے، بے شک ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ ۱۲۔

اس کی بابت کوئی فیصلہ صادر نہ کرتا تھا۔

فقہاء سبعہ ...... حسب ذیل حضرات ہیں۔

(۱) سعید بن المسیب، حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام زہری روایت کرتے ہیں، آپ نے سن ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۲) عروہ بن الزبیر بن العوام، اپنے والد ماجد اور حضرت علی ؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کی اولاد اور امام زہری اور ایک خلقت نے روایت کی ہے، انہوں نے سن ۹۴ھ میں وفات پائی۔

(۳) قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ؓ، حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام زہری، انہوں نے سن ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔

(۴) خارجہ بن زید ثابت، اپنے والد ماجد اور حضرت اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہین اور اس سے ان کے صاحبزادے سلیمان، انہوں نے ۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۵) عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ؓ، حضرت عائشہ ؓ اور حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام زہری اور ابو الزناد، آپ نے ۹۹ھ میں وفات پائی۔

(۶) سلیمان یسار، ام المومنین حضرت میمونہ ؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، ام المومنین اور حضرت ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں اور ان سے یحیی بن سعید اور ربیعہ، انہوں نے ۱۰۹ھ میں وفات پائی۔

ساتویں کی تعیین میں تین قول ہیں۔

(الف) ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، حاکم ابو عبد اللہ نے اکثر علماء حجاز کا یہی قول نقل کیا ہے۔

(ب) سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، یہ ابن مبارک کا قول ہے۔

(ج) ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام، یہ ابو الزناد کا قول ہے اور اسی قول کے مطابق محمد بن یوسف بن الخضر بن عبد اللہ حبی حنفی متوفی ۶۱۴ھ شاعر نے فقہاء سبعہ کو قطعہ ذیل میں جمع کیا ہے۔

الا ان من لایقتدی بائمۃ فقسمۃ ضیزی من الحق خارجۃ

فخذھم عبیداللہ، عروۃ قاسم سعید، ابوبکر، سلیمان، خارجۃ

ابو بکر بن عبد الرحمن بن ہشام، حضرت ابوہریرہ ؓ اور حضرت عائشہ ؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کی اولاد اور امام زہری، انہوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔

مدون و واضع علم فقہ ...... اسلامی علوم کی ابتداء اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی اور نزول وحی کے زمانہ ہی سے عقائد، تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم شروع ہو چکی تھی۔ مگر چونکہ ایک خاص ترتیب و انداز کے ساتھ نبوت و دور خلافت میں یہ علوم مدون نہ ہوئے تھے اور نہ ان کو فن کی حیثیت حاصل تھی اس لئے وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہ ہو سکے۔ جب دوسری صدی ہجری میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی تو جن حضرات نے جن خاص علوم کی نئے انداز فکر کے ساتھ ترتیب کی وہ ان کے مدون و بانی کہلائے۔ اسی مناسبت سے امام ابو حنیفہ کو فقہ کا بانی کہا جاتا ہے۔

مسند خوارزمی میں ہے کہ امام صاحب نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدون کیا، کیونکہ صحابہ و تابعین نے علم شریعت ابواب فقہ کی ترتیب پر کوئی تصنیف نہیں کی۔ کیونکہ ان کو اپنی یاد پر اطمینان تھا۔ لیکن امام صاحب نے صحابہ و تابعین کے بلاد اسلامیہ میں منتشر ہونے کی وجہ سے علم شریعت کو منتشر پایا اور متاخرین کے سوء حفظ کا خیال کر کے تدوین شریعت کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک ہزار شاگردوں میں سے چالیس کو تدوین فقہ کیلئے منتخب کیا جو

سب اپنے وقت کے بڑے بڑے مجتہد اور بعد کے اجلہ محدثین کے شیخ الشیوخ تھے۔

اور یہ چالیس حضرات تو وہ تھے جو باقاعدہ تدوین فقہ کے کام میں ذمہ دارانہ حصہ لیتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے محدثین و فقہاء بھی اکثر اوقات حدیثی و فقہی بحثوں کو سنتے اور ان میں اپنے اپنے علوم و صوابدید کے موافق کہنے سننے کا برابر حق رکھتے تھے۔

امام صاحب نے جس طرز پر تدوین فقہ کا کام کیا یہ ایسا عظیم الشان تاریخی کارنامہ تھا جس کی نظیر غیر اسلامی تاریخوں میں بھی نہیں ملتی۔

ایک خلجان اور اس کا دفعیہ ...... ممکن ہے کسی کو یہ اشکال ہو کہ جب ابھی تک اصول فقہ مدون نہیں ہوا تھا (جیسا کہ آگے آئے گا) تو فروع فقہ سے بحث اور اس کی تدوین کیسے ہوئی۔ مگر یہ کوئی اشکال کی بات نہیں اس واسطے کہ علم اصول فقہ ضبط استنباط و معرفت خطاء از صواب کی ایک ترازو ہے۔ پس علم اصول فقہ علم ضابطہ ہوا اور علوم ضابطہ کا یہی حال ہے کہ ان کی تدوین بعد ہی کو عمل میں آئی جیسے علم عروض ہے کہ خلیل بن احمد نے اس کے قواعد و ضوابط مدون کئے۔ حالانکہ شعراء اس سے قبل ہی موزوں اشعار کہتے تھے۔ اسی طرح ارسطو نے علم منطق کو مدون کیا۔ حالانکہ لوگ اس سے پہلے بھی فکر و نظر اور مجادلہ سے کام لیتے تھے۔ وبکذ اعلم النحو فانه متاخر عن النطق بالفصحی.

تصنیفات امام اعظمؒ ...... ابتداء دور عباسی یعنی دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے علم فقیہ مدون کیا۔ آپ کی تصنیفات کا مجموعہ گو اس وقت موجود نہیں، لیکن مؤلفات اقدمین میں آپ کی بہت سی تصنیفات کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ کوثری نے بلوغ الامانی کے حاشیہ میں گیارہ مصنفات کی تشریح کی ہے۔

(۱) کتاب الرائی
(۲) کتاب اختلاف الصحابہ
(۳) کتاب الجامع
(۴) کتاب السیر
(۵) الکتاب الاوسط
(۶) الفقہ الاکبر
(۷) الفقہ الابسط
(۸) کتاب العالم والمتعلم
(۹) کتاب الرد علی القدریہ
(۱۰) رسالہ الامام الی عثمان البتی فی الارجاء
(۱۱) مکاتیب وصایا

آپ کے بعد دوسرے ائمہ نے بھی اپنے اپنے اصول و نظریات پر علم فقہ کی تدوین کی اور دوسری صدی سے لے کر ساتویں صدی تک علم فقہ میں تصنیفات کا سلسلہ جاری رہا۔ مذاہب اربعہ کی چند مشہور و معتمد کتب یہ ہیں۔

مولفات فقہ حنفی ...... (۱) مبسوط ...... از امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۷ھ۔ اس میں آپ نے امام ابو یوسف کے جمع کردہ مسائل کو بخوبی وضاحت کے ساتھ یکجا کیا ہے۔ یہ کتاب "اصل" کے نام سے بھی یاد کی جاتی ہے۔

(۲) جامع صغیر ...... اس میں آپ نے امام ابو یوسف سے امام اعظم کے تمام اقوال قلم بند کئے ہیں جن کی تعداد بقول علامہ بزودی (۱۵۳۲) ہے جن میں سے (۱۷۰) مسائل میں اختلاف رائے بھی کیا ہے اور بڑا کمال یہ ہے کہ پوری

کتاب میں بجز دو مسئلوں کے اور کہیں قیاس واستحسان کو ذکر نہیں کیا۔

(۳) جامع کبیر......اس میں امام صاحب کے اقوال کے ساتھ امام زفر کے اقوال بھی درج کئے ہیں۔ اس میں ہر مسئلے کی دلیل بھی لکھتے ہیں۔ یہ کتاب عیون روایات ومتون وروایات پر مشتمل اور جامع صغیر سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔

هر کس از جلوه گل فهم معانی نکند شرح آن دفتر نوشتهٔ زبلبل بشنو

(۴) زیادات......جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آتے رہے وہ اس کتاب میں درج کئے ہیں۔ اسی لئے اس کو زیادات[۱] کہتے ہیں وانشد وانیہ

ان الزیادات زاد الله رونقها عقم مسائلها من اصعب الکتب

اصولها کالعذاری قطماافترعت فروعهن ید فی العجم والعرب

ینال قارئها فی العلم منزلةً یغیب ادراکها عن اعین الشهب

(۵) الجامع......از اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفۃ متوفی ۲۱۴ھ اس کے مسائل بشر بن غیاث کی روایت سے ہیں۔

(۶) البیان......از ابواسحٰق اسمٰعیل بن سعید طبری حنفی معروف بالتاکجی متوفی ۲۳۰ھ

(۷) تجرید......از محمد بن شجاع ثلجی حنفی متوفی ۲۲۶ھ

(۸) کافی......از حاکم شہید محمد بن محمد متوفی ۳۳۴ھ۔ امام محمدؒ کی مبسوط، جامع صغیر اور جامع کبیر کے مسائل کو جمع کیا ہے۔ نص مذہب کے سلسلہ میں یہ کتاب نہایت معتمد ہے۔

(۹) مختصر......از ابوالحسن عبیداللہ بن حسین بن دلال بن دلہم الکرخی متوفی ۳۴۰ھ

(۱۰) جامع کبیر......از ابوالحسن کرخی مذکور

(۱۱) حصر المسائل......از ابوالیث نصر بن محمد بن محمد سمرقندی ۳۷۳ھ

(۱۲) عیون المسائل......از ابوالیث مذکور

(۱۳) مبسوط......از ابوالیث مذکور

(۱۴) الاسرار......از شیخ ابوزید عبیداللہ بن عمر الدبوسی متوفی ۴۳۲ھ۔ فی مجلد کبیر

(۱۵) الاجناس......از شیخ ابوالعباس احمد بن محمد بن عمر الناطقی متوفی ۴۴۶ھ۔ جمعہا علی الترتیب۔

(۱۶) الاحکام......از شیخ ابوالعباس مذکور اس میں مسائل کو اٹھائیس بابوں میں ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے۔

(۱۷) روضہ......از شیخ ابوالعباس مذکور، اس میں فروع غریبہ کو جمع کیا ہے۔ صغیر الحجم ہونے کے باوجود کثیر الفوائد ہے

(۱۸) خزانۃ الواقعات......از شیخ ابوالعباس مذکور

(۱۹) مبسوط......از شیخ شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی متوفی ۴۴۸ھ

(۲۰) مبسوط......از شیخ الاسلام محمد بن حسین بخاری معروف بخواہر زادہ متوفی ۴۸۳ھ۔ یہ پندرہ جلدوں میں ہے۔

(۲۱) مبسوط......از شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخی متوفی ۴۹۳ھ۔ یہ بھی پندرہ جلدوں میں ہے۔

(۲۲) الحاوی......از شیخ محمد بن ابراہیم بن انوس الحصیری تلمیذ شمس الائمہ سرخسی متوفی ۵۰۰ھ۔ یہ کتاب کتب حنفیہ میں اصل الاصول ہے۔ اس میں مشائخ کے بہت سے فتاوی مذکور ہیں۔ نہایت قابل اعتماد کتاب ہے۔

(۲۳) خزانۃ الواقعات......از شیخ طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری متوفی ۵۴۲ھ اسم بامسمی ہے۔

(۲۴) تحفۃ الفقہاء......از شیخ علاء الدین ابوبکر محمد بن احمد ابی احمد سمرقندی۔

---

[۱] قیل انہ کان یختلف الی ابی یوسف وکان یکتب من امالیہ فجری علی لسان ابی یوسف ان محمد ایشق علیہ تخریج ہذہ المسائل فبلغہ فبناہ مفرعا علی کل مسئلۃ بابا وسماہ الزیادات ای زیادۃ علی ما املاہ ابو یوسف ۱۲۔

(۲۵) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع..... از شیخ ابو بکر بن مسعود کاشانی متوفی ۵۸۷ھ۔ تلمیذ شیخ علاء الدین تحفۃ الفقہاء کی نہایت ہی عجیب و غریب شرح ہے اور ترتیب و تہذیب میں لاجواب کتاب ہے۔

(۲۶) زبدۃ الاحکام فی اختلاف مذاہب الائمۃ الاربعۃ الاعلام..... از شیخ سراج الدین ابو حفص عمر بن اسحاق ہندی غزنوی متوفی ۷۷۳ھ، اختلاف مذاہب پر بہت عمدہ کتاب ہے۔

(۲۷) درر البحار..... از شیخ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن الیاس قونوی دمشقی متوفی ۷۸۰ھ۔ مشہور متن ہے۔ سنہ تالیف (۷۴۹) ہے اور مدت تالیف صرف ڈیڑھ ماہ۔

مولفات فقہ مالکی......

(۱) الاستیعاب..... از شیخ ابو عمر احمد بن عبدالملک اشبیلی متوفی ۴۰۱ھ۔ یہ دس جلدوں میں ہے۔

(۲) کافی..... از شیخ خالد بن عبدالبر بن یوسف بن عبداللہ قطربی متوفی ۴۶۳ھ یہ پندرہ جلدوں میں ہے۔

(۳) الجواہر الثمینۃ علی مذہب عالم المدینۃ..... از شیخ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن نجم بن شاش بن نزار الجذامی متوفی ۶۱۶ھ، المالکیۃ عاکفۃ علیہ لکثرۃ فوائد

(۴) جامع الامہات..... از شیخ ابو عمرو عثمان بن حاجب متوفی ۶۴۶ھ

(۵) مبسوط..... از شیخ محمد بن محمد معروف بابن عرفہ ورغمی تونسوی متوفی ۸۰۳ھ

(۶) شامل..... از شیخ بہرام بن عبداللہ دمیری متوفی ۸۰۵

(۷) ذخیرہ..... از شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس قرافی

(۸) مدونۃ..... از شیخ ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم، وہی من اجل الکتب فی مذہب مالکؒ

مولفات فقہ شافعیؒ......

(۱) الکتاب الکبیر..... از امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ پندرہ جلدوں میں ہے۔

(۲) مبسوط..... از ابو عاصم محمد بن احمد بغدادی متوفی ۲۴۳ھ

(۳) المختصر..... از شیخ اسمٰعیل بن یحیی مزنی متوفی ۲۶۴ھ

(۴) فروع..... از شیخ ابو بکر محمد بن احمد معروف بابن الحدادی مصری متوفی ۳۴۵ھ من عجائب التالیفات تحیر العقول فی تقریرہا

(۵) محاسن الشریعۃ..... از ابو بکر محمد بن علی معروف بالقفال متوفی ۳۶۵ھ

(۶) ذخیرہ..... از قاضی ابو علی حسن بن عبداللہ البندنیجی بغدادی متوفی ۴۲۵ھ

(۷) الحاوی الکبیر..... از قاضی ابو الحسن علی بن محمد ماوردی بصری متوفی ۴۵۰ھ، عظیم ترین کتاب ہے۔ تیس جلدوں میں بتائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فقہ شافعی میں اس جیسی اور کوئی تالیف نہیں۔

(۸) التنبیہ..... از شیخ ابو اسحٰق ابراہیم بن علی شیرازی متوفی ۴۷۶ھ۔ یہ کتب خمسہ مشہورہ میں سے ایک ہے جو شوافع کے یہاں بکثرت متداول ہے (صرح بہ النووی فی تہذیبہ) سنہ تالیف اوائل رمضان ۴۵۲ھ ہے اور سنہ فراغت شعبان ۴۵۳ھ و لبعضہم فی مدحہ

یا کوکبا ملاء البصائر نورہ	من ذالذی لک فی الانام شبیہا
کانت خواطر نانیاما برھۃ	فرزقن من تلبیھہ تنبیہا

(۹) زیادات..... از شیخ ابو عاصم محمد بن احمد عبادی متوفی ۴۵۸ھ، کہا جاتا ہے کہ یہ ایک سو اجزاء میں ہے۔

(۱۰)الابانۃ......از شیخ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد فورانی مروزی متوفی ۴۶۱ھ شوافع کے یہاں مشہور و معروف کتاب ہے۔

(۱۱)شامل......از ابونصر عبدالسید بن محمد معروف بابن الصباغ متوفی ۴۷۷ھ بقول ابن خلکان کتب شوافع میں اصح اور عمدہ ترین کتاب ہے۔

(۱۲)تمۃ الابانۃ......از شیخ ابوسعید عبدالرحمٰن بن المامون معروف بالمتوفی نیشاپوری متوفی ۴۷۸ھ کتمھاالی الحدود وجمع فیہانوادر المسائل وغرائبہالایکادیوجدفی غیرہا۔

(۱۳)بحر المذاہب......از شیخ ابوالحاسن عبدالواحد بن اسمٰعیل بن احمد رویانی متوفی ۵۰۳ھ اسم بامسمی ہے۔

(۱۴)وجیز......از حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ مذہب شافعی کی جلیل الشان اور عمدہ کتاب ہے۔

(۱۵)القواعد الکبریٰ......از شیخ عزالدین بن عبدالعزیز بن عبدالسلام شامی متوفی ۶۶۰ھ قیل لیس لاحد مثلہ

(۱۶)جمع الجوامع......از سراج الدین عمر بن الملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس کی ایک سو جلدیں بتائی جاتی ہیں۔

مولفات فقہ حنبلی......

(۱)جامع صغیر

(۲)جامع کبیر......از قاضی ابویعلی محمد بن الحسین بن محمد بن خلف بغدادی متوفی ۴۵۸ھ

(۳)عمدۃ الحاضر وکفایۃ المسافر......از شیخ ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن معروف وبامدی متوفی ۴۶۷ھ چار جلدوں میں ہے۔

(۴)البلغۃ......از ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ

(۵)مذہب فی المذہب......از ابن الجوزی

(۶)خلاصۃ......از قاضی وجیہہ الدین اسعد بن المجاد دمشقی متوفی ۶۰۶ھ

(۷)کافی......از شیخ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی متوفی ۶۲۰ھ

(۸)الاحکام......از شیخ ضیاء الدین محمد بن عبدالقوی طوفی متوفی ۷۱۰ھ کتاب نافع من عجائب الدہر۔

(۱۰)فروع......از شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن مفلح متوفی ۷۶۳ھ۔ اجاد فیہاواحسن علی مذہب

(۸)علم اصول فقہ

تعریف اصول فقہ...... اصول فقہ مرکب اضافی ہے جو دو جزؤں پر مشتمل ہے۔ اصول (مضاف) اور فقہ (مضاف الیہ) پس اصول فقہ کی تعریف میں ان دونوں جزؤں کی تعریف کا پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

اصول اصل کی جمع ہے اصل کے لغوی معنی ماینبنی علیہ غیرہ ہیں۔ اصطلاحی حیثیت سے بھی اصول کے یہی معنی مراد ہیں کیونکہ اصولیین کے یہاں علم اصول فقہ وہ ہے جس پر فقہ کی بنیاد قائم ہو اسی لئے علامہ کمال الدین ابن ہمام نے "التحریر" میں اس کی تعریف یوں کی ہے "انہ ادراك القوا عدالتی بیتو صل بھا الی استنباط الفقہ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصول فقہ ان قواعد کا علم ہے جن سے تفصیل ادلہ کے ساتھ عملی احکام کے استنباط کی شاہراہ قائم ہو۔

مثلاً علم اصول یہ ثابت کرتا ہے کہ امر مقتضی وجوب ہوتا ہے اور نہی مقتضی تحریم پس جس وقت فقیہ نماز یا زکوۃ کا حکم نکالنا چاہے کہ واجب ہے یا غیر واجب تو وہ آیت "واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ کو سامنے رکھے گا اور جب حج کا حکم مستنبط کرنا چاہے تو ارشاد نبی ﷺ "ان اللہ کتب علیکم الحج فحجوا سے مستنبط کرے گا اور جب شراب کا حکم اخذ کرنا چاہے تو

آیت "انما الخمر. الی قوله فاجتنبوا ہ سے اخذ کرے گا کہ اس میں اجتناب عن الخمر مطلوب ہے کہ شراب سے بچو اور اجتناب عن الخمر نہی عن القرب ہے کہ اس کے پاس بھی نہ جاؤ اور حرمت پر دلالت کرنے میں نہی عن لقرب سے زیادہ کوئی نہی نہیں ہے۔ فقہ (مضاف الیہ) کی پوری تحقیق "علم فقہ" کے ذیل میں گذر چکی اس کی طرف رجوع کرو۔

موضوع...... ادلہ اربعہ کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع و قیاس اور احکام اصول فقہ کا موضوع ہیں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ احکام اصول فقہ کے موضوع میں داخل نہیں، اصول فقہ میں جو ان کا ذکر ہوتا ہے وہ تبعاً ہوتا ہے جیسا کہ عموماً ہر فن میں بعض امور بالتبع ذکر کئے جاتے ہیں۔

پھر علم فقہ کا موضوع احکام عملیہ مع ادلہ تفصیلیہ ہے اور علم اصول فقہ کا موضوع بیان طریق استنباط، پس ان دونوں علموں کا توارد تو ادلہ پر ہی ہوتا ہے لیکن ورود کی حیثیت مختلف ہے کہ ادلہ پر فقہ کا ورود بایں حیثیت ہوتا ہے کہ ان سے احکام جزئیہ عملیہ کا استخراج ہو اور اصول فقہ کا ورود ادلہ پر بیان طریق استنباط بیان مراتب جمعیت وغیرہ کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ علم اصول فقہ ہی قرآن کی حجیت اور سنت رسول ﷺ پر اس کی تقدیم، ظنی و قطعی وغیرہ امور کی واضح طور پر بیان کرتا ہے۔

غرض و غایت...... احکام شرعیہ کو ادل تفصیلیہ کے ساتھ جاننا اور استنباط مسائل کے قواعد کو معلوم کرنا ہے۔

تدوین...... انسان کا کوئی فعل ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ کوئی حکم شرعی متعلق نہ ہو۔ مگر انسان کے افعال بے انتہاء ہیں اور ہر ایک فعل کا جداگانہ حکم بیان کرنا اگر محال نہیں تو متعسر ضرور ہے اس لئے ایسے قواعد کی تدوین ضروری تھی جن کے ذریعہ احکام کو اصول شریعت سے استنباط اور استدلال کرنے کا طریقہ معلوم ہو سکے۔ صحابہ کرام جلاء قلبی اور فیض صحبت نبویہ کے باعث اس فن سے مستغنی تھے نیز عہد صحابہ میں علوم نے صناعت کی صورت بھی اختیار نہیں کی تھی اس لئے جہاں اور علوم کی تدوین عہد صحابہ میں نہیں ہوئی وہیں اصول فقہ کی تدوین بھی عمل میں نہیں آئی۔ عہد صحابہ گزر جانے کے بعد ہر علم نے صناعت کی صورت اختیار کی تو اس فن کی تدوین بھی صناعت ہی کے پیرایہ میں کی گئی۔

دوسری صدی...... حضرات فقہاء مجتہدین نے اپنے اپنے طرز اجتہاد کے مطابق مسائل کا استنباط کیا ہے اور ظاہر ہے کہ مجتہد کیلئے اصول و ضوابط کے بغیر اجتہادی مسائل بیان کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ علم فقہ کے مدون اول ہیں تو یقیناً آپ نے تدوین فقہ کے وقت اصول فقہ کی بھی بنیاد ڈالی ہوگی۔ لیکن اس فن میں آپ کی کوئی تحریر نہیں ہو سکی۔ علامہ خضری نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد نے بھی اصول فقہ پر کچھ کتابیں لکھی تھیں مگر اس وقت ان کا صحیح سراغ لگانا بہت مشکل ہے۔

اب اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف بقول علامہ اسنوی (فی التمہید) امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا وہ رسالہ ہے جس میں آپ نے اوامر، نواہی، بیان اور خبر و نسخ وغیرہ کے متعلق چند مباحث لکھے ہیں۔ یہ رسالہ دراصل آپ کی کتاب الام کا مقدمہ ہے جو علم فقہ کا سنگ بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس میں آپ نے حسب ذیل امور سے گفتگو کی ہے۔

(۱) قرآن اور اس کا بیان
(۲) سنت اور قرآن کے لحاظ سے اس کا مقام
(۳) ناسخ و منسوخ
(۴) علل احادیث
(۵) خبر واحد
(۶) اجماع
(۷) قیاس

(۸) اجتہاد
(۹) استحسان
(۱۰) اختلاف

آپ کے بعد علماء اسلام نے اصول فقہ میں نہایت تنقیح و تحقیق کے ساتھ مطول و مختصر کتابیں لکھیں اور اس فن کو پایہ تکمیل پہنچا کر سچی خدمات کا ثبوت پیش کیا۔

شیعہ امامیہ کا دعوی باطل...... امامیہ حضرات کا دعوی ہے کہ سب سے پہلے علم اصول کے مدون کرنے والے امام محمد باقر بن علی زین العابدین ہیں۔ پھر آپ کے صاحبزادے امام ابو عبداللہ جعفر صادق۔ چنانچہ سید حسن الصدر لکھتے ہیں۔

'اعلم ان اول من اسس اصول الفقه وفتح بابه وفتق مسائلہ الامام ابو جعفر محمد الباقر ثم من بعده ابنه الامام وقد املیا علی اصحابهما قواعده وجمعوا من ذلك مسائل بها المتاخرون علی ترتیب المصنفین فیه بروایات مسنده الیهما متصله الاسناد.

لیکن یہ دعوی مناقشہ سے خالی نہیں۔ اس واسطے کہ خود صدر موصوف نے ''املیا'' نہیں کہا، اور ظاہر ہے کہ گفتگو امامین مذکورین کی جانب ان قواعد و ضوابط کی اصل نسبت میں نہیں ہے بلکہ امام شافعی کی اسبقیت و اولیت، تدوین و تنظیم، تصنیف و تالیف، ترتیب و تبویب کی حیثیت سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اصول فقہ کے ابواب مرتب کرنے، اس کی فصول جمع کرنے، کتاب و سنت اور ان کے طرق اثبات، دلالات لفظیہ، عام، خاص، مشترک، مجمل، مفصل، اجماع اور اس کی حقیقت سے بحث کرنے اور ضبط قیاس و تکلم فی الاستحسان میں امام شافعی سے مقدم کوئی نہیں ہے۔

تیسری صدی...... دوسری صدی کے آخر میں اصول فقہ پر باقاعدہ تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو چکا تھا چنانچہ دوسری صدی کے آخر میں یا تیسری صدی کے شروع میں شیخ ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی متوفی ۳۳۲ھ نے اصول فقہ میں دو کتابیں نہایت عمدہ تصنیف کیں۔ ایک کتاب الجدل اور دوسری ماخذ الشرع یہ دونوں کتابیں غایت احکام و اتقان میں بے مثل ہیں یہ لصدور ہما من جمع الاصول والفروع

چوتھی صدی...... میں شیخ احمد بن حسین معروف بابن برہان فارسی متوفی ۳۰۵ھ نے کتاب الذخیرہ اور امام ابو بکر حصاص احمد بن علی حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے کتاب الذخیرہ اور امام ابو بکر حصاص، احمد بن علی حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے کتاب الاصول تصنیف کی۔ اصول فقہ میں یہ دونوں کتابیں اس دور کی عمدہ ترین کتابیں ہیں۔

پانچویں صدی...... پانچویں صدی میں اس فن پر علماء نے بہت زیادہ کام کیا اور دس کتابیں نہایت عمدہ وجود میں آئیں۔

(۱) الانوار...... قاضی ابوزید عبداللہ بن عمر دبوسی حنفی متوفی ۴۳۰ھ کی تصنیف ہے جو کتب متقدمین میں سب سے عمدہ کتاب ہے۔ اس میں آپ نے قیاس کے متعلق نہایت شرح و بسط کے ساتھ اس قدر مباحث لکھے ہیں کہ اس فن کو مہذب کر کے درجہ تکمیل تک پہنچانے کے ساتھ اس کی اساس و بنیاد کو نہایت مستحکم و مضبوط بنا دیا۔

(۲) تقویم الادلۃ...... یہ بھی قاضی ابوزید موصوف کی تصنیف ہے۔

(۳) کفایہ...... قاضی ابو یعلی محمد بن محمد بن حسین بن الفراء حنبلی متوفی ۴۵۸ھ کی تصنیف ہے۔

(۴) تبصرہ شیخ ابواسحاق ابراہیم بن علی شیرازی شافعی متوفی ۴۷۶ھ کی تصنیف ہے۔

(۵) تذکرۃ العالم والطریق السالم...... یہ ابونصر عبدالسید بن محمد الصباغ شافعی متوفی ۴۷۷ھ کی تصنیف ہے۔

(۶) الحقہ۔

(۷) کتاب البرہان...... یہ دونوں کتابیں امام الحرمین ابو المعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی شافعی نیشاپوری متوفی

۴۷۸ھ کی تصانیف ہیں۔ متکلمین کی روش پر جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان میں کتاب البرہان بہت عمدہ کتاب ہے۔
(۸) اصول فخر الاسلام (کشف) یہ امام فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی متوفی ۴۸۲ھ کی عظیم الشان، جلیل البرہان اور نہایت مستند کتاب ہے۔
(۹) الاصول...... یہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ کی تصنیف ہے۔ موصوف خوارزم میں محبوس تھے۔ اسی قید و بند کی حالت میں اس کا املاء کرایا۔ جب آپ باب الشروط تک پہنچے تو آپ کو رہائی حاصل ہو گئی اور فرغانہ پہنچ کر باقی کتاب کا املا مکمل کرایا۔
(۱۰) مستصفی ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ کی متکلمانہ طرز پر بہت عمدہ کتاب ہے۔
چھٹی صدی...... چھٹی صدی کی تصانیف میں سے بعض یہ ہیں۔
(۱) الاصول...... شیخ ابو بکر محمد بن حسین ارسانیدی معروف بقاضی القضاۃ حنفی متوفی ۵۱۲ھ کی تصنیف ہے۔
(۲) الاوسط...... شیخ شہاب احمد بن علی بن محمد معروف بابن البرہان شافعی متوفی ۵۱۸ھ کی تصنیف ہے۔
(۳) المغنی...... شیخ جلال الدین عمر بن محمد اخبازی الخجدی متوفی ۶۰۱ھ کی تصنیف ہے۔
(۴) محصل (محصول)...... امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی ۶۰۶ھ کی تصنیف ہے۔ یہ امام الحرمین کی کتاب "البرہان" اور امام غزالی کی متصفے اور عبد الجبار معتزلی کی کتاب العہد ابو الحسین بصری معتزلی کی شرح کتاب العہد سے ملخص ہے۔ اس میں استدلال واحتجاج کی جانب زیادہ میلان ہے۔
ساتویں صدی...... (۱) احکام الاحکام فی اصول الاحکام۔
شیخ ابو الحسن علی بن ابی علی بن محمد معروف بسیف الدین آمدی شافعی متوفی ۶۳۱ھ کی تصنیف ہے۔ یہ بھی مذکورہ بالا چار کتابوں سے ملخص ہے۔ لیکن اس میں تحقیق مذاہب و تفریع مسائل کی جانب توجہ زیادہ ہے۔ یہ چار قواعد پر مرتب ہے۔ قاعدہ اول اصول فقہ کے مفہوم میں ہے اور قاعدہ دوم ادلہ سمعیہ میں، قاعدہ سوم احکام مجتہدین میں، قاعدہ چہارم ترجیح میں یہ ۶۲۵ھ کی تصنیف ہے۔
(۲) المنتہی...... یہ جمال الدین ابو عمر عثمان بن الحاجب متوفی ۶۴۶ھ کی تصنیف ہے، بقول علامہ شیرازی، سیف الدین آمدی کی احکام کا اختصار ہے۔
(۳) الحاصل...... قاضی تاج الدین محمد بن حنین آرموی متوفی ۶۵۶ھ کی تصنیف ہے، موصوف نے شیخ ابو حفص عمر بن الصدر الشہید الوزان کے اشارہ پر امام رازی کی محصول کا اختصار کیا ہے۔ ذی الحجہ ۶۱۴ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے۔
(۴) الصفوۃ...... ابو الرجاء۔
قنار بن محمود بن محمد الزاہد حنفی متوفی ۶۵۸ھ کی تصنیف ہے۔
(۵) تحصیل...... شیخ سراج الدین ابو الثناء محمود بن ابی بکر متوفی ۶۷۲ھ کی تصنیف ہے۔ یہ بھی امام رازی کی محصول کا اختصار ہے۔
(۶) تنقیح الفصول...... شہاب الدین ابو العباس احمد بن ادریس قرافی مالکی متوفی ۶۸۴ھ کی تصنیف ہے۔ موصوف نے حاصل اور محصول دونوں کتابوں سے چند مقدمات اور قواعد اقتباس کرنے کے بعد قاضی عبد الوہاب مالکی کی کتاب الافادہ سے کچھ چیزوں کا اضافہ کر کے ایک سو فصول اور بیس ابواب میں مرتب کیا ہے۔
(۷) منہاج الوصول الی علم الاصول...... قاضی ناصر الدین عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ کی تصنیف ہے،

اس کا ماخذ تاج الدین آرموی کی کتاب "الحاصل" ہے۔ ایک مقدمہ اور سات کتب پر مشتمل ہے۔
(۸) بدیع النظام الجامع بین کتاب البزدوی والاحکام شیخ مظفر الدین احمد بن علی معروف بابن ساعاتی، بغدادی حنفی متوفی ۶۹۴ھ نے احکام آمدی اور کشف بزدوی دونوں کو جمع کیا ہے جس سے یہ عمدگی میں ان سے بھی دوبالا ہو گئی کیونکہ یہ فقیہانہ و متکلمانہ دونوں طرز کو حاوی ہے۔ اس کے بعد التحریر کمال الدین محمد بن عبد الواحد مشہور بابن الہمام متوفی ۸۶۱ھ نے اور تحریر المنقول و تہذیب الاصول شیخ علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان بن احمد بن محمد مردادی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ وغیرہ نے بھی اس فن میں کتابیں تصنیف کیں اور سلسلہ تیرہویں صدی تک جاری رہا۔ اصول فقہ کی جو کتابیں داخل درس ہیں یہ ہیں منتخب حسامی، المنار، توضیح، تنقیح، تلویح، مسلم الثبوت، نور الانوار، اصول الشاشی

(۹) علم فرائض

لغوی معنی...... فرائض فریضۃ کی جمع ہے جو فرض سے مشتق ہے۔ لفظ فرض لغت عرب میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً وجوب، حصہ، مقدار، قطع کرنا، مقرر کرنا، اندازہ کرنا وغیرہ، علم فرائض میں یہ سب معانی پائے جاتے ہیں اس لئے اس کو فرائض کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف...... یہ ہے ھی علم باصول من فقه و حساب یعرف بها حق الورثة من الترکة، فرائض علم فقہ اور حساب کے ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ سے ترکہ میت کو ورثہ میں تقسیم کرنے کی کیفیت اور ان کے حقوق و درجات کی تفصیل معلوم ہو۔

موضوع...... ترکہ میت اور اس کے وارثین ہیں۔ کیونکہ فرضی ترکہ، میت اور اس کے مستحقین ہی سے بحث کرتا ہے بایں حیثیت کہ میت کا ترکہ بقواعد معینہ شرعیہ مستحقین پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

غرض وغایت...... مستحقین کو ان کے حقوق کے مطابق ترکہ تقسیم کرنے کا علم حاصل کرنا ہے۔

تدوین...... چونکہ فرائض علم فقہ کے اس خاص شعبہ کا نام ہے جو میت کے ترکہ کی تقسیم سے متعلق ہے اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اس کی تدوین کا زمانہ بھی وہی ہو گا جو عام فقہ کی تدوین کا ہے، چنانچہ تاریخ میں سعید بن جبیر عبیدہ سلمانی، امام شعبی، فقہاء، سبعہ، ان کے بعد قبیصہ بن ذویب اور ابوالزناد وغیرہ کے فرائض کا سراغ ملتا ہے، امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں فرائض ابن ابی لیلی اور فرائض ابن شبرمہ کا ذکر ملتا ہے۔
امام مالک اور امام شافعی کے اصحاب میں کتاب ابی ثور اور کتاب الکرابیسی کا تذکرہ موجود ہے۔ ان سب میں بسیط ترین کتاب ابو العباس بن سریج کی ہے اور اس سے بھی ابسط کتاب محمد بن نصر مروزی کی ہے۔ خود صاحب کتاب کا بیان ہے "کتا بنافی الفرائض یزید علی الف ورقة علامہ ابن السبکی فرماتے ہیں۔ "هو کتاب جلیل القدر لامزید علی حسنه مگر عام طور پر عہد اول کی کتب دینیات میں اس کے احکام و مسائل کا ذکر دوسرے ابواب فقہ سے الگ نہ تھا۔ پھر رفتہ رفتہ جب اس فن کی فروعات بڑھ گئیں اور کثرت مباحث کی وجہ سے اس کی ایک امتیازی شان پیدا ہو گئی تو فقہاء نے تفصیل جزئیات کے واسطے فرائض میں علیحدہ طور پر کتابیں لکھیں۔
چنانچہ ابن اللبان محمد بن عبد اللہ مصری متوفی ۴۰۲ھ نے الفرائض ابن عبد البر یوسف بن عبد اللہ قرطبی متوفی ۴۶۳ھ نے "الفرائض" اسحاق بن یوسف رضی یمنی متوفی فی حدود ۵۰۰ھ نے "ارکانی" محمود بن عمر جار اللہ زمخشری نے فرائض فی الفرائض ابو القاسم احمد بن محمد بن خلف، شبلی متوفی ۵۸۰ھ نے الفرائض ابو الرشید مبشر بن علی بن احمد الحاسب الرازی متوفی ۵۸۹ھ نے الفرائض ابو الرجاء مختار بن محمود حنفی متوفی ۶۵۸ھ نے الفرائض ابو غانم محمد بن عمر بن احمد بن

العدیم حلبی متوفی ۶۹۹ھ نے رائض فی الفرائض تصنیف کی۔ غرض اگلے اور پچھلے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی سبھی علماء نے اس علم پر بیش قدر کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں امام مالک کے مذہب پر کتاب ابن ثابت نہایت بہتر کتاب ہے اور مختصر قاضی ابی القاسم الخوفی، علماء افریقہ میں کتاب ابن النمر الطرابلسی، کتاب الجعدی اور کتاب الصردی بھی بڑے پیمانہ کی کتابیں ہیں لیکن ان میں بھی تمغہ امتیاز حوفی ہی کو حاصل ہے، ابو عبد اللہ سلیمان الشطی نے جو فارس کے بڑے مشائخ میں ہیں حوفی کی کتاب پر شرح لکھی ہے اور مسائل کی وضاحت اس خوبی سے کی ہے کہ باید وشاید، مذہب امام شافعی پر امام الحرمین نے علم فرائض میں ایک کتاب لکھی ہے جو آپ کے اس بے پناہ مرتبہ علمی پر دلالت کرتی ہے جو آپ کو علوم دینیہ میں حاصل ہے، اب اس فن میں سب سے زیادہ مشہور و متداول کتاب شیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشید سجاوندی کی "فرائض سجاوندی" ہے جس کو "الفرائض السراجیۃ" بھی کہتے ہیں۔

عظمت علم فرائض...... علم فرائض بڑا باوقعت و عظمت اور نہایت شریف فن ہے۔ جو علم معقول و منقول ہر دو کی معرفت اپنے اندر رکھتا ہے، حافظ ابو نعیم کی تخریج کردہ حدیث ابی ہریرہ "الفرائض ثلث العلم وانہا اول ما یرفع من العلوم" فرائض ایک تہائی علم دین ہے اور سب سے پہلا وہ علم ہے جو اٹھالیا جائے گا۔ اس کی برتری پر شاہد ہے، وجہ حجت یہ ہے کہ یہاں فرائض سے مراد فرض وراثت ہیں۔[1]

نیز حضرت عمر فاروق ؓ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ مسلمانو! علم فرائض ایسی توجہ اور محنت سے سیکھو جیسے قرآن مجید سیکھتے ہو[2]۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے تعلموا الفرائض وعلموها الناس[3] علم فرائض خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ، نیز آپ کا ارشاد ہے تعلموا الفرائض فانها نصف العلم[4] علم فرائض سیکھو کیونکہ یہ نصف علم ہے، آپ نے اس کو نصف علم فرمایا ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) انسان کی دو حالتیں ہیں۔ حالت حیات، حالت ممات، علم فرائض کے علاوہ دیگر علوم میں ان امور وواقعات کے احکام بیان ہوئے ہیں جو انسان کو اس کی زندگی میں پیش آتے ہیں اور علم فرائض میں مابعد الموت کے احکام بیان ہوتے ہیں اور ایک حال دو حال کے مجموعہ کا نصف ہے۔ اس لحاظ سے فرائض نصف علم ہوا۔

(۲) جن امور سے ملک ثابت ہوتی ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں اختیاری جیسے کسی چیز کو خریدنا، ہبہ کرنا، اس کی وصیت کرنا وغیرہ غیر اختیاری جیسے وارث کو اس میں لینے اور دینے والے کا کوئی اختیار نہیں۔ چار و نا چار چیز ایک ملک سے نکل کر دوسرے کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔ فرائض میں غیر اختیاری سبب کے مالک ہونے کی بحث ہوتی ہے اور باقی علوم میں اسباب اختیاری سے ملک ثابت ہونے کی بحث ہوتی ہے۔ اس لئے فرائض نصف علم ہوا۔

(۳) احکام شرعیہ بعض تو صرف نص سے ثابت ہیں اور بعض نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہیں۔ فرائض کے جملہ مسائل نص سے ثابت ہیں اور باقی مسائل جو دیگر علوم میں مذکور ہیں وہ نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہیں۔ اس لحاظ سے فرائض نصف علم ہے، علماء نے اور بھی وجوہ ذکر کی ہیں۔ من شاء فلیراجع الی المطولات۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حدیث میں نصف بمعنی صنف ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

اذا مت کان الناس نصفان شامت — وآخر مثن بالذی کنت اصنع

---

[1] لیکن علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ یہ فرائض کے بعد ترمعنی ہیں، یہاں دراصل فرائض شرعیہ تکلیفیہ مراد ہیں۔ مثلاً عبادات، عادات یا مواریث وغیرہ اسی معنی پر نصف یا ثلث کا لفظ بھی چسپاں ہو سکتا ہے کیونکہ تکالیف شرعیہ کا دائرہ پھر بھی وسیع ہے۔ بخلاف فروض وراثت کے کہ یہ تو پورے علم شریعت سے نہ نصف کی نسبت رکھتے ہیں نہ ثلث کی، اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صدر اسلام میں لفظ فرائض اپنے عمومی معنی رکھتا ہے جو دراصل "فرض" بمعنی تقدیر و قطع سے مشتق ہے۔ خاص علم فرائض پر اس کا اطلاق متاخرین فقہاء کے زمانہ کی ایجاد ہے۔ جب کہ فنون نے اپنی علیحدہ علیحدہ حیثیت قائم کی اور نئی نئی اصطلاحات مقرر ہوئیں ۱۲

[2] لدارمی ۱۲ [3] احمد، نسائی، حاکم عن عبد اللہ بن مسعود [4] ابن ماجہ، دار قطنی، حاکم عن ابی ہریرہ ؓ۔

(۱۰) علم حکم الشرائع

لغوی تحقیق...... حکم حکمۃ کی جمع ہے۔ حکمت لغت میں عدل وانصاف، علم ودانائی، عقل وفلسفہ، تدابیر ودرستگی کار، حق اور واقع کے مطابق گفتگو وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے۔ یقال حَکُمَ (ف) حکمۃ۔ دانا ہونا شرائع شریعۃ کی جمع ہے۔ بمعنی طریقہ، اللہ کے مقرر کیے ہوئے احکام یقال شَرَعَ (ف) شرعا۔ قانون بنانا شریعت جاری کرنا، اس کا دوسرا نام علم اسرار الدین ہے۔ اسرار سر کی جمع ہے۔ بمعنی بھید، راز کہا جاتا ہے "صدور الاحرار قبور الاسرار" احرار کے سینے بھید کیلئے قبر ہیں۔

اصطلاحی معنی...... علم حکم الشرائع یا علم اسرار الدین وہ علم ہے جس میں قوانین دینیہ واحکام شرعیہ کے حقائق واسرار اور محاسن و حکمتیں مذکور ہوں۔

موضوع...... اس فن کا موضوع نظام تشریعی محمدی بن حیث المصلحۃ المفیدہ ہے۔

غرض وغایت...... اس کی یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور اس کے رسول کے احکام میں نہ کچھ تنگی ہے نہ وہ خلاف فطرت سلیمہ ہیں تاکہ ان پر انسان کو پورا وثوق حاصل ہو جائے اور ان کو فطرت پر مبنی باتیں سمجھ کر دل ان کی طرف کھینچ آئے اور کسی مشکک کے بہکانے سے دل میں شبہ واقع نہ ہو۔

عہد نبوی اور علم حکم الشرائع...... ذخیرہ احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اسرار الدین کے اصول و فروع خود نبی کریم ﷺ نے مقرر فرمادیئے تھے اور آپ بطور قواعد کلیہ ایسی مصلحتیں جو آپ کے زمانہ کے تمام مذاہب میں مسلم الثبوت اور متفق علیہ تھی صحابہ کرام کو بتادیا کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی فروعات بتاتے وقت ایسے اصول کی طرف اشارہ کردے جن سے فروعات حاصل ہوتی ہیں تاکہ بوقت ضرورت سامعین ان سے فروعات حاصل کرسکیں۔

چنانچہ بعض مواقع پر خود نبی کریم ﷺ نے تعیین اوقات کے اسرار ظاہر فرمائے۔ مثلاً ظہر کی پہلی چار رکعت کی نسبت ارشاد فرمااس وقت آسمانوں کے دروازے کھلتے ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل صالح اس وقت اوپر جائے۔

اور بعض احکام کی وجوہات بھی بیان فرمائیں۔ چنانچہ سو کر اٹھنے والے کو ہاتھ دھونے کیلئے فرمایا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ "اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں پر رہا" اور ناک میں پانی ڈالنے کی نسبت یوں فرمایا کہ "انسان کے نتھنوں پر رات بھر شیطان رہتا ہے۔" اور نیند سے وضو ٹوٹ جانے کے متعلق یہ فرمایا کہ سوتے میں انسان کے جوڑ بند ڈھیلے پڑ جاتے ہیں" اور کسی کے گھر میں نظر ڈالنے کی وجہ یوں بیان فرمائی کہ "اجازت لینے سے یہی تو مقصود ہے کہ اچانک گھر والوں پر نظر نہ پڑ جائے۔" اور بلی کے پس خوردہ کی بابت ارشاد فرمایا کہ "یہ ناپاک نہیں کیونکہ یہ گھر میں پھرنے والے جانوروں میں سے ہے" اور بعض احکام کی یہ حکمت بیان فرمائی کہ اس میں دفع مضرت ہے جیسا کہ ایام رضاعت میں جماع کرنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس سے بچہ کو ضرر پہنچتا ہے، اور بعض جگہ احکام کی مصلحت دفع حرج قرار دی۔ چنانچہ ایک شخص سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ "کیا ہر چیز کے پاس دو دو کپڑے ہوتے ہیں۔

"بعض جگہ ترغیب وترہیب کے اسرار بیان فرمائے۔ حتی کہ صحابہ نے اپنے شکوک وشبہات جو وہاں پیدا ہوتے تھے آپ سے عرض کئے اور آپ نے حل فرمادیئے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ "آدمی کی نماز جماعت اس کی اس نماز سے جو وہ تنہا گھر میں یا بازار میں پڑھتا ہے پچیس درجہ (ثواب میں) زیادہ ہے اور یہ اس لئے کہ جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں آتا ہے اور صرف نماز ہی کیلئے چلتا ہے تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور ایک نیکی ملتی ہے۔ ایک جگہ آپ نے فرمایا کہ "بیوی کے ساتھ صحبت کرنے میں بھی اجر ہے۔" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو قضائے شہوت ہے۔ اس میں کیا اجر ہوگا۔ آپ نے فرمایا، اچھا اگر وہ اس کو حرام میں صرف کرتا تو کیا اس پر گناہ نہ ہوتا۔ تو اسی طرح جب اس نے

حلال میں صرف کیا تو اس کو اجر ملا۔ اسی طرح ایک جگہ آپ نے فرمایا۔ "جب دو مسلمان تلوار لے کر باہم مقابل ہوتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جاتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا قاتل کے متعلق تو ٹھیک ہے مگر یہ مقتول کس لئے دوزخ میں گیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ بھی اپنی مقابل کے قتل کا خواہاں تھا۔" غرض اس طرح کے بہت سے مقامات اور بے شمار احادیث ہیں جن سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے ہزاروں احکام شرع کے حقائق واسرار اور حکم و نکات بیان فرمائے۔

عہد صحابہ میں علم الاسرار...... فقہاء صحابہ مثلاً امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ ہم نے آپ کا اتباع کیا اور اس علم میں بحث کی اور اس کی وجوہات بیان فرمائیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی نسبت جس نے نفل کو فرض ملا کر پڑھنا چاہا تھا فرمایا۔ پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ اس کی تائید میں حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا "ابن خطاب! خدا تم کو اصابت رائے عطا فرمائے (تم نے ٹھیک کہا)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے، اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے، سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے۔ لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا لیکن جب راستے مامون ہوگئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسپر استعجاب ہوا اور آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔ (صحیح مسلم)

حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے۔ یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوروں میں آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ پھر دوڑ کر اور شانوں کو ہلا کر چلتے ہیں۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہوگئے کہ کعبہ کا طوف بھی نہیں کرسکتے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہ فعل معمول بن گیا۔ چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ایک ضرورت سنت سمجھتے ہیں۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف کہہ دیا "مالنا وللرمل انما کنا رائنابه المشرکین وقداهلکهم الله یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض اس سے مشرکون کو رعب دلانا مقصود تھا سو ان کو خدا نے ہلاک کردیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے رمل کے ترک کا ارادہ بھی کرلیا تھا۔ لیکن پھر آنحضرت ﷺ کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز غسل کرنے کی مصلحت بیان کی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پھلوں کی فروخت ان کی پختگی سے پہلے ممنوع ہونے کا سبب بیان کیا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے طواف میں خانہ کعبہ کے صرف دو رکنوں کو بوسہ پر اکتفا کی وجہ بیان فرمائی الی غیر ذلک۔

دور تابعین و مجتہدین...... صحابہ کرام کے بعد تابعین اور ان کے بعد مجتہدین، علماء دین متین اور سالکان راہ یقین احکام و شرائع کے علل و مصالح برابر سمجھتے رہے اور ہر حکم صریح کو کوئی نہ کوئی علت خواہ وہ حصول نفع ہو یا دفع مضرت ضرور قرار دیتے رہے۔ جیسا کہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے، نیز امام غزالی، خطابی اور ابن عبد السلام وغیرہ نے عجیب عجیب لطائف و نکات اور عمدہ عمدہ تحقیقات بیان کیں خدا ان کو ان کی اس سعی کی جزائے خیر دے (آمین) الحاصل ہماری اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ علم اسرار الدین کے اصول و فروع احادیث نبوی نے بیان کئے۔ آثار صحابہ و تابعین نے اس کا اجمال و تفصیل سب واضح کیا اور مجتہدین ہر باب شرعی میں مصالح مرعیہ بیان کرتے چلے آئے اور ان کے متبع

محققین نے نکات جلیلہ اور مدققین نے رموزات جمیلہ پر ہر طرح سے روشنی ڈالی ہے۔

علم اسرار الدین اور اس کی باقاعدہ تدوین...... البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جب سے کتابت کتب کا اسلام میں رواج ہوا ہے بہت ہی کم لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس فن میں کوئی کتاب تصنیف کی ہو یا اس کی اساس و بنیاد پر غور و خوض کیا یا ایسا کام کیا ہو جو اس فن میں کماحقہ کافی ووافی ہو۔ جس سے پڑھنے والا اچھی طرح مستفیض ہوسکے اور تشنگان علم کی سیرابی ہو، لے دے کر صاحب مدینۃ العلوم نے شیخ ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بخاری کی ایک کتاب "محاسن الشرائع والاسلام" کا تذکرہ کیا ہے جو خود بھی اس سلسلہ میں تشنہ کام ہے۔ بس یہ دولت لاحقین فی السابقین، امام الشریعہ، حکیم الامۃ، قطب الملۃ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی قسمت بابرکت میں تھی۔ جنہوں نے اس فن کو تمامہ بطور ابواب فقہ ترتیب دے کر باحسن وجوہ تحریر فرمایا اور اس فن میں حجۃ اللہ البالغہ جیسی مایہ ناز وعدیم النظیر کتاب تصنیف فرمائی، چنانچہ ایک جگہ حضرت شاہ صاحب اپنی علمی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں کہ جو کام مجھ سے لئے گئے وہ یہ ہیں کہ فقہ میں جو مرضی (پسندیدہ نظریات) ہیں ان کو جمع کردوں سو اس کیلئے فقہ حدیث کی ازسرنو بنیاد رکھ کر اس فن کی پوری عمارت تیار کی گئی اور آنحضرت ﷺ کے تمام احکام و ترغیبات اور ان تعلیمات کے اسرار و مصالح کو اس طرح منضبط کیا گیا کہ اس فقیر سے پہلے اس کا کام عشر عشیر بھی نہیں کیا گیا تھا۔

علم الاسرار اور اسکی اہمیت و عظمت...... علم اسرار الشریعہ ایک مستقل علم ہے جو کسبی نہیں وہبی ہے۔ یعنی تعلیم و تعلم سے نہیں آتا بلکہ حق جل شانہ جن پر علم لدنی کے دروازے کھول دیتا ہے۔ انہیں کو معلوم ہوتا ہے دوسرے لوگ ان کے طفیلی ہوتے ہیں، اس پاکیزہ علم کے ذریعہ سے احکام و شرائع مثل طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ کے حقائق و اسرار معلوم ہوتے ہیں اور جب ان کے بھید معلوم ہوئے تو عبادت میں حلاوت و لذت حاصل ہوتی ہے اور اس کے بغیر عبادات تقلیدی اور رسمی ادا ہوتی ہیں، پس ایسے علم کو حاصل کرنا ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ان عبادت کو بجالانا۔

حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ "میرے نزدیک تمام فنون حدیث میں سب سے زیادہ دقیق اور سب کی جڑ اور اصل اور سب سے بلند و برتر اور تمام علوم شرعیہ سے بہتر اور منزلت میں اعلی و افضل اور قدر و قیمت میں سب سے بڑھ کر علم اسرار الدین ہے جس میں احکام کی حکمت اور ان کی لم اور خواص اعمال کے اسرار و نکات بیان ہوتے ہیں، بخدا یہ وہ علم ہے جس کو خدا نصیب کرے وہ فرض عبادات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے تمام عزیز اوقات اسی میں صرف کرے اور اس کو اپنا توشہ آخرت بنالے۔ کیونکہ اس علم کی بدولت آدمی شریعت کے حقائق پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس کو ان اخبار شریعت سے وہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے جو صاحب عروض کو اشعار سے، منطقی کو براہین حکماء سے، نحوی کو کلام فصحاء سے اور اصولی کو تفریعات فقہاء سے ہوتی ہے۔

علم الاسرار اور اس کے فوائد...... شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس علم کے بڑے بڑے فوائد ہیں۔ ان میں سے چند فوائد درج ذیل ہیں۔

(۱) اس سے حضور ﷺ کا ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو قرآن مجید عطا ہوا۔ جس سے اس زمانہ کے بلغاء عاجز آگئے اور اس جیسی ایک سورۃ بھی بنا کر نہ لاسکے، جب عرب العرباء کا زمانہ گذر گیا اور لوگوں پر اس کی وجوہ اعجاز مخفی ہوتی چلی گئی تو علماء امت ان کے اظہار و بیان کیلئے آمادہ ہوئے تاکہ انہیں ہر ایک سمجھ جائے۔ اسی طرح آپ کو خدائی شریعت عطا ہوئی جو پہلی تمام شریعتوں سے کامل تھی اور اس میں ایسی ایسی مصلحتیں بھری ہوئی تھیں جن کی رعایت بشر سے محال ہے۔ اس کی خوبی کو آپ کے ہم زمانہ لوگوں نے تو ایک طرح کے نور معرفت سے پہچان لیا۔ لیکن اس زمانہ کے بعد یہ امر ضروری ہوا کہ آپ کی شریعت کی خوبیاں ظاہر کی جائیں تاکہ ہر شخص یقین کرلے کہ یہ شریعت آسمانی اور کامل

ترین شریعت ہے اور یہ کہ بشر سے اس کا ظاہر ہونا اتنا بڑا معجزہ ہے کہ ذکر کا محتاج نہیں۔

(۳) اس سے پورا پورا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا "بلی ولکن لیطمئن قلبی۔"

کہ دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان تو رکھتا ہوں لیکن یہ صرف اس لئے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے کیونکہ کثرت دلائل اور یقین دلانے کے مختلف طریقوں کے استعمال کرنے سے دل مضبوط اور اضطراب قلب دور ہو جاتا ہے۔

(۳) جب طالب خیر نیکیوں میں انتہائی کوشش کرتا ہے اور وہ ان کے مشروع ہونے کی وجہ سے بھی بخوبی واقف ہوتا ہے تو اس کو تھوڑی عبادت بھی بہت فائدہ دیتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کو اندھا دھند نہیں کرتا۔ خوب دیکھ بھال کر کرتا ہے۔ اسی لئے امام غزالی نے کتب سلوک میں بڑی توجہ اور اہتمام کے ساتھ لوگوں کو اسرار عبادات سے روشناس کرایا ہے۔

(۴) فقہاء کا بعض فروعی احکام میں اختلاف اس لئے ہے کہ ان کی علل قیاسیہ میں ان کا اختلاف ہے کہ کونسی علت مناسب اور کون سی نامناسب ہے، پس تحقیق اس بات کے بغیر کہ ان کی مصلحتیں جانی جائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔

(۵) بدعتی لوگوں نے بہت سے دینی مسائل میں شکوک و شبہات کرنے شروع کئے اور کہنے لگے کہ یہ عقل کے خلاف ہیں اور جو مسائل عقل کے خلاف ہوں ان کو یا تو رد کر دینا چاہیئے یا کچھ تاویل کرنی چاہیئے۔ جیسے عذاب قبر، حساب و کتاب، پل صراط اور ترازوئے اعمال میں کلام کر کے لچر اور دور از کار تاویلیں کرنے کیلئے، اب فرمایئے کہ ان مفاسد کو بند کرنے کی سوائے اس کے کہ ہر چیز کی مصلحت اور کچھ فوائد بیان کئے جائیں اور ان کے اصول مقرر کئے جائیں اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔

(۶) فقہاء کی ایک جماعت نے یہ فیصلہ دے دیا کہ جو حدیث بھی کلی طور پر خلاف قیاس ہو اس کا رد کرنا جائز ہے۔ اس طرح بہت سی صحیح حدیثوں میں بھی خلل واقع ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ جیسے حدیث مُصرّاۃ اور حدیث قلتین پس محدثین کو سوائے اس کے کہ ان کی مصلحتیں بیان کریں اور کچھ بن نہ آیا وغیرہ ذلک من الفوائد۔

ایک ضروری تنبیہ...... جب کوئی حکم صحیح روایت سے ثابت ہو جائے تو اس کی فوراً تعمیل کرنی چاہیئے۔ اس کی مصلحت دریافت کرنے پر تعمیل کو موقوف نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کی عقلیں احکام کی مصلحتوں کے دریافت کرنے سے قاصر ہیں، نیز مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات بغیر چوں چرا کے مان لی جائے اور رائے و عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔ قال قائلہم

لم یخلق العقل دراکا لحکمۃ لکن لیقبل ماباتیہ من حکم

اسی لئے یہ علم نااہلوں کے واسطے قابل تعلیم نہیں سمجھا گیا اور اس کیلئے وہ شرائط قرار دی گئیں جو کتاب اللہ کی تفسیر کیلئے ہیں اور اس میں اس رائے محض سے جس میں سنت سے مدد نہ لی گئی ہو غور و خوض کرنا حرام قرار دیا گیا ہے، اس فن پر تو وہی مطلع ہو سکتا ہے جس کو تمام علوم شرعیہ و فنون الہیہ سے مکمل آگاہی ہو، اس کا سینہ حق تعالی نے علم لدنی کیلئے کھول دیا ہو اور اس کا دل اسرار وہبی سے معمور کر دیا ہو۔

(۱۱) علم الاشباہ والنظائر

لغوی تحقیق...... اشباہ شبہ (وشبہ) کی جمع ہے۔ بمعنی مثل و مانند، نظائر نظیرۃ کی جمع ہے جو نظیر بمعنی مثل و مانند کا مونث ہے۔ یقال فلان نظیر فلان یعنی فلاں شخص فلاں کے مثل ہے، علم الاشباہ والنظائر کو علم القواعد و ضوابط بھی کہتے ہیں۔ قواعد قاعدہ کی اور ضوابط ضابطہ کی جمع ہے۔ قاعدہ اور ضابطہ اس اصل کلی کو کہتے ہیں جس پر سارے جزئیات منطبق ہوں۔

اصطلاحی معنی ...... علم الاشباہ والنظائر ایک ایسے قانون کا نام ہے جس کے ذریعہ ان نئے نئے واقعات وجزئیات کے احکام معلوم ہوں جن کی بابت کتاب وسنت اور اجماع کی طرف سے کوئی نص وارد نہیں ہے۔

موضوع ...... القواعد والفقہ من حیث استخراجہ من القواعد

غرض وغایت ...... تھوڑے وقت میں سہل وآسان طریقہ پر ان نئے نئے واقعات کے احکام جن کی بابت کوئی نص نہیں ہے اس طرح معلوم کرلینا کہ ان کے متعلق کوئی تشویش واضطراب باقی نہ رہے۔

علم الاشباہ اور اس کی عظمت ...... علم الاشباہ والنظائر ایک عظیم ترین فقہی فن ہے۔ جو بقول بعض علم توحید کے بعد اشرف العلوم ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ من یرد اللہ بہ خیر ایفقھہ فی الدین اس میں تفقہ فی الدین سے مراد غیر مسطورہ مسائل کے احکام کی معرفت اور بذریعہ قواعد حوادث وواقعات کا احاطہ مقصود ہے۔ اذ التفقہ بالفروع کلھا عیسر جد۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے نام اپنے خط میں لکھا تھا جس کو حافظ دار قطنی نے سنن میں روایت کیا ہے۔

الفھم العھم فیما یختلج فی صدرك مما لم یبلغك فی الکتاب والسنة واعرف الامثال والاشباہ ثم قس الامور عند ذلك فاعمد الی احبھا الی اللہ واشبھا بالحق فیم تری

جو چیز تم کو قرآن وحدیث میں نہ ملے اور تم کو اس کی نسبت شبہ ہو اس میں غور کرو اور خوب غور کرو، اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر ان سے قیاس کرو اور جو اللہ کو پسندیدہ تر اور حق کے ساتھ مشابہ تر ہو اس پر عمل کرو۔

بہر کیف علم الاشباہ نہایت عظیم الشان علم ہے۔ اسی کے ذریعہ سے فقہ کے حقائق ومدارک کی معرفت، اس کے ماخذ واسرار پر آگہی اور اس کے جزئیات کا استحضار نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے بعض علماء نے کہا ہے "الفقہ معرفة النظائر

علم الاشباہ اور اس کی تدوین ...... علامہ جلال الدین سیوطی نے "الاشباہ والنظائر النحویة میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے اس علم کا دروازہ سلطان العلماء عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام نے کھولا اور اس میں دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک القواعد الصغری اور ایک القواعد الکبری، پھر شیخ صدر الدین محمد بن عمر المعروف بابن الوکیل متوفی ۷۱۶ھ، امام ابو طاہر دباس، قاضی حسین، بدرالدین محمد زرکشی، تاج الدین سبکی، سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، حافظ جلال الدین سیوطی، علامہ ابن نجیم مصری وغیرہ بہت سے علماء نے اس فن پر کام کیا۔

علامہ سیوطی نے "الاشباہ والنظائر الفقھیہ میں قاضی ابو سعید ہروی کا بیان نقل کیا ہے کہ ہرات میں ایک حنفی عالم کو معلوم ہوا کہ امام ابو طاہر دباس ضریر (نابینا) نے امام ابو حنیفہ کے پورے مذہب کو صرف سترہ قواعد پر منحصر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ حنفی عالم سفر کر کے ان کے پاس گیا، ان کا طریقہ تھا کہ جب لوگ نماز عشاء سے فارغ ہو کر مسجد سے چلے جاتے تو یہ ان قواعد کا املاء کراتے، حنفی عالم ایک چٹائی میں چھپ کر بیٹھ گیا، اور امام موصوف نے مسجد بند کرا کے قواعد کا املاء کروانا شروع کیا، ابھی سات قواعد ہی سنا پائے تھے کہ حنفی عالم کو کھانسی آگئی، امام نے اس کو مارپیٹ کر مسجد سے نکلوادیا اور آئندہ کیلئے املاء قواعد موقوف کر دیا۔ قاضی ابو سعید کہتے ہیں کہ جب یہ بات قاضی حسین کو معلوم ہوئی تو انہوں نے امام شافعی کا پورا مذہب صرف چار قواعد میں منحصر کر دیا۔

(۱۲) علم الفتاوی

لغوی تحقیق ...... فتاوی فتوی کی جمع ہے۔ بمعنی شرعی مسائل ہیں۔ ماہر شریعت کا فیصلہ یقال افتا افتاء اس کو مسئلہ کا شرعی حکم بتادیا۔

اصطلاحی تعریف...... علم فتاوی وہ علم ہے جس میں جزئی واقعات کی بابت ماہر شریعت فقہاء سے صادر شدہ احکام مروی ہوں تا کہ آنے والے پست ہمت لوگوں کیلئے عمل سہل ہو۔ قال فی مدینۃ العلوم ھو علم تروی فیہ الاحکام الصادرۃ عن الفقہاء فی الواقعات الجزئیۃ لیسھل الامر علی القاصرین من بعد ھم۔

تاریخ فتاوی...... عدالت سے متعلق افتاء ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیئے کہ وہ قانون سے واقف ہو۔ یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اس کا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے لیکن اور قوموں نے اس کیلئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی مگر اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام محکمہ افتاء تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون داں ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ان سے دریافت کر سکتا تھا۔ ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں۔ اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا۔ (الفاروق)

مفتیان شرع متین...... امت مسلمہ میں علماء کرام کے دو طبقے خاص طور پر دین کی خدمت میں نمایاں اور پیش پیش رہے۔ ایک محدثین کا جن کو احادیث نبوی کی روایات اور ان کے بیان وضبط کا اہتمام رہا اور انہوں نے اسناد والفاظ پر گہری نظر رکھی۔

دوسرا طبقہ فقہاء امت کا جنہوں نے قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ سے مسائل واحکام کا استنباط اور استخراج کیا اور الفاظ حدیث سے زیادہ معانی حدیث اور اس سلسلہ کے اصول و قواعد پر ان کی نظر مذکور رہی۔ مفتیوں کا تعلق اسی دوسرے طبقے سے ہے۔

ملت اسلامیہ کے پہلے مفتی...... خود نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکت ہے اور یہ دولت آپ تک رب العزت کی طرف سے پہنچی ہے۔ قرآن پاک میں افتاء کا لفظ خود رب العالمین کیلئے بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

یستفتونك فی النساء قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (النساء آیت ۱۲۶ و ۱۷۶)

اور وہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالی ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی جو قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالی تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتے ہیں۔

ان آیات میں افتاء کی نسبت خود رب العزت جل مجدہ کی طرف کی گئی ہے۔ جس سے اس منصب کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے۔

منصب افتاء پر صحابہ کرام...... آنحضرت ﷺ کے اس عظیم الشان منصب پر آپ کے جلیل القدر صاحب بصیرت صحابہ کرام فائز تھے۔ جن کی تعداد کی متعلق حافظ ابن القیم متوفی ۷۵۱ھ کا بیان ہے کہ وہ کچھ اوپر ایک سو تیں ہیں۔ جن میں سے سات حضرات مکثرین میں شمار ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے فتاوے کتب حدیث میں بکثرت منقول ہیں اور یہ کہا گیا ہے کہ اگر ان تمام حضرات کے فتاوے یکجا کیئے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے فتاوی کی تعداد اتنی ہو کہ اس کی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ ان سات حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ ان حضرات کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی صحابہ کرام میں جلیل القدر مفتی تھے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

صحابہ کے بعد فتاوے...... صحابہ کرام کے ذریعہ دینی علوم نے نشو ونما پائی اور اس طرح چراغ سے چراغ جلتا گیا۔ چنانچہ صحابہ کے بعد تابعین، تابعین کے بعد تبع تابعین، پھر بعد کے علماء و فقہاء نے اس سلسلہ کو قائم رکھا۔

افتاء کی اہمیت...... افتاء ایک نہایت اہم ذمہ داری ہے۔ اس واسطے کہ فتوی عام ہوتا ہے اور اس کا حکم صرف مسائل تک محدود نہیں ہوتا بلکہ آئندہ جسے بھی مسئلہ کی یہی مخصوص صورت پیش آئے اس کیلئے وہی جواب لائحہ عمل ہوگا جو مفتی لکھ چکا۔ اس لئے مفتی کا فریضہ ہے کہ اگر وہ اس منصب کے لائق نہ ہو تو ہر گز افتاء کی جرات نہ کرے ورنہ گناہ گار اور سخت مجرم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف اس ذمہ داری کے قبول کرنے سے احتراز کرتے اور جس کو وہ اپنے سے علم و عمل میں برتر سمجھتے ان کے سر یہ ذمہ داری ڈالنا چاہتے تھے۔

افتاء کیلئے کن کن امور کی ضرورت ہے...... افتاء کیلئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اس کی عام اجازت نہ ہو۔ بلکہ خلیفۃ المسلمین یا حاکم وقت کی جانب سے خاص خاص لوگ افتاء کیلئے نامزد کردیئے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس غلط مسائل کی ترویج نہ کرسکے، شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں "سابق وعظ و فتوی موقوف بود برائے خلیفہ بدون امری خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتوی نمی دادند و آخر بغیر توقف برائے خلیفہ وعظ می گفتند و فتوی می دادند"

تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتوی کی اجازت نہ تھی انہوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو منع کردیا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی واقعہ گزرا، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بارہا دریافت کیا کہ تم نے اس مسئلہ میں کیا فتوی دیا۔ اور جب انہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلہ کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔

دوسرا امر جو افتاء کیلئے ضروری ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کردیا جائے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارہا اس کا اعلان کیا۔ چنانچہ شام کے سفر میں بمقام جابیہ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا۔ اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔

من ارادالقرآن فلیات ابیا و من اراد ان یسال الفرائض فلیات زیدا و من ارادان یسال عن الفقه فلیات معاذا.

یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید بن ثابت کے پاس اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ بن جبل کے پاس جائے۔

افتاء کیلئے تیسرا امر جو ضروری ہے یہ ہے کہ مفتی تدین و تورع، عدالت و ثقاہت، اخلاق و عادات میں کامل اور قرآن و حدیث سے پورے طور پر واقف ہو، مسند دارمی میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا فتوی دینا اس شخص کا کام ہے جو یا امام ہو یا قرآن کے ناسخ و منسوخ جانتا ہو، لوگوں نے دریافت کیا ایسا شخص کون ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (ملخص از الفاروق)

تعبیرات وعلامات افتاء...... مفتی بہ اقوال کی تعبیرات مختلف الفاظ سے کی جاتی ہے جو ذیل میں درج ہیں۔

(۱) وعلیہ الفتوی
(۲) وبہ یفتی
(۳) وبہ ناخذ
(۴) وعلیہ الاعتماد
(۵) وعلیہ العمل الیوم
(۶) وعلیہ عمل الامۃ

(۷) وہوالصحیح

(۸) وہوالاصح

(۹) وہوالاظہر

(۱۰) وہوالمختار فی زماننا

(۱۱) وہوالاشبہ

(۱۲) وہوالاوجہ

ان میں سے بعض الفاظ بعض کی بہ نسبت زیادہ موکد ہیں، چنانچہ لفظ فتوی لفظ صحیح، اصح اشبہ مختار سے آکد ہے۔ اور "وبہ یفتی" "لفظ الفتوی علیہ سے آکد ہے اور لفظ "اصح" صحیح سے اور "احوط" "احتیاط سے آکد ہے۔

کتب فتاوی...... (۱) فتاوی ابوالقاسم احمد بن عبداللہ بلخی حنفی متوفی ۳۱۹ھ

(۲) فتاوی تاتار خانیہ...... از شیخ عالم بن علاء حنفی متوفی ۷۸۶ھ عظیم الشان کتاب ہے۔ جس میں محیط برہانی ذخیرہ، خانیہ اور ظہیریہ وغیرہ کے مسائل جمع کئے ہیں۔ بعض نے اسکانام "زادالمسافر" بتایا ہے۔

(۳) فتاوی ابوبکر...... محمد بن الفضل بن العباس بلخی حنفی متوفی ۳۱۹ھ

(۴) فتاوی ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۳ھ

(۵) فتاوی کبری...... از صدر شہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز حنفی متوفی ۵۳۲ھ

(۶) فتاوی نسفیہ...... از نجم الدین عمر بن محمد نسفی متوفی ۵۳۷ھ

(۷) خزانۃ الفتاوی...... از شیخ طاہر بن احمد عبدالرشید بخاری سرخسی حنفی متوفی ۵۴۲ھ، مشہور و معتبر کتاب ہے مگر قلیل الوجود ہے۔

(۸) فتاوی ابوالفضل رکن الدین کرمانی حنفی متوفی ۵۴۳ھ

(۹) جامع الفتاوی...... از ابوالقاسم ناصر الدین محمد بن یوسف سمرقندی حنفی متوفی ۵۵۶ھ نہایت مفید و معتبر کتاب ہے۔

(۱۰) فتاوی قاضی خاں فخر الدین حسن بن منصور اور جندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ

(۱۱) فتاوی ظہیریہ۔ از شیخ ابوبکر ظہیر الدین محمد بن احمد بخاری حنفی متوفی ۶۱۹ھ

(۱۲) ادب المفتی والمستفتی...... از شیخ تقی الدین ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن مشہور بابن الصلاح شہزوری شافعی متوفی ۶۴۳ھ

(۱۳) فتاوی والوالجیہ...... از شیخ ظہیر الدین ابوالمکارم اسحاق بن ابی بکر حنفی متوفی ۷۱۰ھ

(۱۴) فتاوی قاری الہدایہ...... از شیخ سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی حنفی متوی ۷۷۳ھ

(۱۵) فتاوی حنفیہ...... از شیخ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۲ھ

(۱۶) البحر الجاری۔ از شیخ تاج الدین عبداللہ بن علی بخاری متوفی ۷۹۹ھ اس میں چاروں مذاہب کے مطابق مسائل جمع کئے ہیں۔

(۱۷) آداب الفتاوی۔ از شیخ محمد بن محمد مقدسی متوفی ۸۰۸ھ

(۱۸) الجامع الوجیز فتاوی بزازیہ۔ از شیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب مشہور بابن البزاز کردری حنفی متوفی ۸۲۷ھ نہایت جامع کتاب ہے۔ ائمہ نے اس پر اعتماد کیا ہے، مفتی ابوالسعود سے لوگوں نے کہا کہ آپ مسائل مہمہ میں کوئی کتاب کیوں نہیں لکھتے۔ آپ نے فرمایا کہ فتاوی بزازیہ کے ہوتے ہوئے مجھے کتاب لکھنے میں شرم آتی ہے کیونکہ یہ

نہایت عمدہ مجموعہ ہے۔

(۱۹) فتاوی قاسمیہ۔از شیخ قاسم بن قطلوبغا متوفی ۸۷۹

(۲۰) فتاوی زینیہ......از زین الدین ابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ

(۲۱) فتاوی حامدیہ......از شیخ حامد بن محمد قونوی مفتی روم متوفی ۹۸۵ھ

(۲۲) فتاوی شیخ الاسلام......از یحیی آفندی متوفی ۱۰۵۳ھ

(۲۳) فتاوی خیریہ......از علامہ خیر الدین رملی متوفی ۱۰۸۱ھ

(۱۳) علم کلام یا عقائد

اسلامی عقائد سے متعلقہ مباحث کا نام علم کلام ہے بشرطیکہ اصول شرعیہ سے استنباط کے ساتھ ادلہ عقلیہ سے بھی کام لیا جائے ورنہ صرف "علم العقائد" کہتے ہیں۔ علم کلام کو اصول دین اور علم احکام بھی کہتے ہیں۔

لغوی معنی......لغت میں کلام کے معنی بات، قول، گفتگو اور مضمون وغیرہ کے ہیں۔ عقائد عقیدہ کی جمع ہے۔ دل میں جمائے ہوئے یقین اور اعتماد کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف......علامہ ابوالخیر نے "الموضوعات" میں اس کی تعریف یوں کی ہے "هو علم يقتدر به على اثبات العقائد الدينيه با يراد الحجج عليها و دفع الشبهة عنها" یعنی متقدمین علماء متکلمین کی اصطلاح میں علم کلام وہ ہے جس میں ادلہ تفصیلیہ کے ساتھ عقائد دینیہ اسلامیہ کے اثبات اور ان سے دفع شکوک و شبہات سے قدرت حاصل ہوتی ہے۔ متاخرین کے یہاں علم کلام وہ ہے جس میں معرفت عقائد دینیہ کے واسطے ذات و صفات باری تعالی اور فلسفیات واقسام ممکنات سے بحث ہو۔

وجہ تسمیہ......جس وقت اس علم کی تدوین عمل میں آئی اس وقت لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ اس فن میں گفتگو شروع کرتے تو اکثر الکلام فی کذا و کذا کہہ کر مسائل کے عنوانات قائم کرتے تھے۔ اس لئے اس کا نام علم کلام ہو گیا، یا اس لئے کہ اس میں اہل بدعت سے مناظرے تھے اور عقائد پر ان سے گفتگو و کلام تھا۔ جس کو عمل سے تعلق کم تھا، یا اس لئے کہ اس کا متنازع فیہ مسئلہ کلام باری کا مسئلہ تھا کہ وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ علامہ تفتازانی سے شرح عقائد میں کچھ اور بھی وجوہ ذکر کی ہیں۔

موضوع......قدماء متکلمین کے نزدیک اس علم کا موضوع صرف ذات و صفات باری تعالی ہیں اور متاخرین کے نزدیک ذات و صفات سے اعم یعنی موجود و معلوم ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کا تعلق عقائد دینیہ کے ساتھ ہے علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ علم کلام کا موضوع وہ تسلیم شدہ عقائد ایمانیہ ہیں جن کا ثبوت پختہ دلائل عقلیہ سے بہم پہنچایا جائے تاکہ بدعت کی بیخ کنی ہو۔ شکوک رفع ہوں اور عقائد میں تشبیہ کا لغو خیال سراسر باطل ثابت ہو۔

غرض وغایت......سعادت دینیہ وسیادت سرمدیہ یا اصول شرعیہ کے موافق عقائد اسلامیہ کا صحیح معرفت حاصل کرنا۔

تدوین علم کلام......صاحب مفتاح السعادۃ نے لکھا ہے کہ علم کلام کی ابتدائی اشاعت پہلی صدی ہجری میں معتزلہ اور قدریہ نے کی اور اہل سنت والجماعۃ کے علم کلام کی بنیاد تیسری صدی ہجری میں پڑی۔ کیونکہ اعتزالی کی ابتداء واصل ابن عطاء نے کی جو ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۳۱ھ میں وفات پائی، اور اہل سنت والجماعۃ کے علم کلام کی بنیاد امام ابوالحسن اشعری نے ڈالی جو تیسری صدی میں تھے اور خود ایک مدت تک معتزلی رہ چکے تھے۔ اس بناء پر علم کلام دو صدیوں تک مستقل طور پر معتزلہ کے ہاتھ میں رہا۔ علامہ شبلی نے اس کی ابتداء یوں بنائی ہے کہ مانی وغیرہ کی کتابوں کے پھیلنے سے جب الحاد کی ہوا چلی تو منصور کے فرزند خلیفہ مہدی نے اپنی حکومت میں اس آگ کو لب تیغ سے بجھانا چاہا۔ چنانچہ سینکڑوں ہزاروں آدمی قتل کر دیئے، لیکن خیالات کی آزادی جبر و تعدی سے رک نہیں سکتی تھی۔ آخر اس نے علماء اسلام کو حکم دیا کہ ملحدوں کے رد

میں کتابیں لکھیں۔اس طرح علم کلام کی بنیاد پڑی۔
علم کلام اور اس کی ضرورت...... فلسفہ کی عام وقعت اور ارسطو و افلاطون کے پر عظمت ناموں سے بہت سے لوگ مرعوب ہوگئے تھے اور ان کے دلوں سے مذہب کا اثر زائل ہو گیا تھا۔اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ فلسفہ کے مسائل اور حکماء کے خیالات پر تنقید کر کے ان کی وقعت اور ان کے اثر کو کم کیا جائے۔ متکلمین اسلام میں امام غزالی نے اسی ضرورت سے تہافتہ الفلاسفہ لکھی۔ چنانچہ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک گروہ کو جو اپنے آپ کو ذہانت و فطانت میں اپنے ہمسروں سے ممتاز سمجھتا ہے۔دیکھا کہ وہ مذہبی قیود و احکام سے بالکل آزاد ہو گیا ہے اور شعائر مذہبی اور عبادات وغیرہ کو چشم حقارت سے دیکھتا ہے اور ان کے کفر کی وجہ صرف یہ ہے کہ جب انہوں نے سقراط، بقراط، افلاطون اور ارسطو وغیرہ کے شاندار نام سنے اور ان کے متبعین نے ہندسہ، منطق، طبیعیات اور الہیات میں ان کی دقت نظری کی تعریف کی اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا کہ باوجود اس علم و فضل کے یہ لوگ مذہب کے منکر تھے اور اس کو ایک مصنوعی اور نمائشی چیز سمجھتے تھے، تو وہ بھی مذہب کے منکر ہوگئے تاکہ وہ بھی حکماء کے زمرے میں شامل ہو جائیں اور عوام و جمہور کی تائید و مساعدت کی ذلت نہ گوارا کریں، اس بناء پر میں نے قدماء فلاسفہ کی تردید میں یہ کتاب لکھی اور الہیات کے متعلق ان کے عقائد کی کمزوریاں دکھائیں۔
علم کلام علماء اعلام کی نظر میں......امام غزالی کی المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں کہ دلائل کلامیہ مفید یقین نہیں ہوتے اور التفرقتہ بین الایمان والزندقہ میں لکھتے ہیں کہ اگر ہم مداہنت نہ کریں تو صاف صاف کہہ سکتے ہیں کہ علم کلام میں غلو کرنا حرام ہے۔امام قرطبی شرح مسلم میں کہتے ہیں کہ بڑے بڑے ائمہ متکلمین نے اپنی عمریں صرف کرنے کے بعد اس علم کو چھوڑ دیا ہے، امام ابو المعالی اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے۔"دیکھو علم کلام کا بہت مشغلہ مت رکھنا اگر مجھے اس کا انجام پہلے معلوم ہوتا تو آج میرا یہ انجام نہ ہوتا۔" فاضل محمد شہرستانی علم کلام میں ساری عمر صرف کرنے کے بعد نہایتہ الاقدام میں لکھتا ہے۔

لعمری لقد طفت المعاهد کلها وسیرت طرفی بین تلک المعالم

اپنی جان کی قسم میں بڑے بڑے مقامات پر خود گھوما اور اپنی نظر کو خوب گھما کر دیکھا۔

فلم ارالا واضعا کف حائر علی ذقنه او قاد عاسن نادم

مگر جس کو دیکھا اپنی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے حیرت زدہ دیکھا اور جس کو پایا شرمندہ شخص کی طرح دانت کرید تا پایا۔اس کے بعد یہ نصیحت کرتا ہے کہ دیکھو بوڑھی عورتوں کا سادہ دین اختیار کئے رہنا۔

(علیکم بدین العجائز فانه من اسنی الجوائز)

علم کلام اور اس کی دو شاخیں......دراصل علم کلام کی دو مختلف شاخیں ہیں عقلی اور نقلی۔ان میں پہلی شاخ فلسفہ اور دوسری مذاہب کے مقابلہ میں ایجاد ہوئی تھی۔ پہلی شاخ کے بعد موجد معتزلہ یعنی ابو الہذیل علاف، نظام، جاحظ اور ابو مسلم اصفہانی وغیرہ تھے اور چونکہ یہ علم کلام خالص فلسفیانہ اصول پر مرتب کیا گیا تھا اس لئے محدثین و ائمہ نے علم کلام کی جو مخالفت کی اس کا تعلق اسی علم کلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ نقلی علم کلام خود اسلامی فرقوں یعنی معتزلہ، قدریہ، جبریہ وغیرہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوا تھا اور اس کے موجد امام ابوالحسن اشعری تھے جو ۲۰۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔
علم کلام اور طریق قدماء و متاخرین......ابتداء میں یہ طریقہ بالکل نقلی تھا۔سب سے پہلے قاضی ابوبکر باقلانی نے اس میں چند عقلی مسائل کا اضافہ کیا۔ مثلاً یہ کہ جوہر فرد ثابت ہے، خلاء کا وجود ہے، عرض، عرض کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔عرض دو زمانوں تک باقی نہیں رہ سکتا۔اسی قسم کے اور بھی متعدد مسائل تھے جن کو انہوں نے اس غرض سے لے لیا

تھا کہ اسلامی عقائد کے دلائل ان پر موقوف تھے، البتہ دلائل کی وہ صورتیں جن سے قیاس کی ترکیب ہوئی اب تک پیدا نہیں ہوئی تھیں اور اگر پیدا بھی ہوئی تھیں تو متکلمین کو ان کے اختیار کرنے سے احتراز تھا کیونکہ ان کا تعلق صرف فلسفہ سے تھا جو عقائد شرعیہ کے بالکل مخالف تھا، اس طرح علم کلام کا ایک نیا طریقہ پیدا ہوا جو نہ بالکل عقلی تھا نہ بالکل نقلی، قاضی ابو بکر باقلانی کے بعد امام الحرمین نے اسی طریقہ کے مطابق ایک کتاب شامل کے نام سے لکھی پھر اسی کو مختصر کیا اور اس کا نام ارشاد رکھا۔

امام الحرمین کے زمانہ تک فلسفہ کی تمام شاخین جن میں منطق بھی شامل تھا ایک ہی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ لیکن جب علم منطق کی تعلیم و تعلم کا رواج ہوا تو متکلمین کو معلوم ہوا کہ منطق دوسرے فلسفیانہ علوم سے بالکل مختلف اور محض دلائل کی صحت و فساد کے معلوم کرنے کا ایک معیار اور ذریعہ ہے، اس کے بعد انہوں نے قدماء کے علم کلام کے قواعد و مقدمات کو دیکھا تو اب جو دلائل قائم ہوئے ان کی بنیاد پر اکثر قدیم علم کلام کے قواعد کی مخالفت کی اور زیادہ تر یہ دلائل طبیعات اور الٰہیات میں فلاسفہ کے مباحث سے ماخوذ تھے، اس طرح علم کلام کا یہ طریقہ قدماء کے علم کلام کے طریقہ سے مختلف ہو گیا اور یہی طریقہ ہے جس کو متاخرین کا طریقہ کہتے ہیں اور اس میں ان لوگوں نے فلاسفہ کے ان مسائل اور علوم کی تردید کو بھی شامل کر لیا جو عقائد اسلام کے مخالف تھے۔ اس طرح انہوں نے فلاسفہ کو بھی ان فریقوں میں شامل کر لیا جو عقائد میں ان کے حریف تھے۔ کیونکہ فرقہ مبتدعہ کے مذاہب اور فلاسفہ کے مذاہب میں بہت زیادہ مناسبت تھی، سب سے پہلے امام غزالی نے اس طریقہ کے مطابق علم کلام میں کتابیں لکھیں۔ پھر امام ابن الخطیب آپ کے نشانات قدم پر چلے۔ اس کے بعد امام رازی نے ان کی تقلید کی۔

مخلوط علم کلام ...... تاہم امام غزالی اور امام رازی کے زمانہ تک علم کلام اور فلسفہ کے موضوع و مسائل میں باہم اس قدر اختلاط نہیں ہوا تھا کہ دونوں علموں میں کوئی فرق باقی نہ رہے لیکن متاخرین نے اس میں اس قدر غلو کیا کہ فلسفہ اور علم کلام مخلوط ہو کر گویا ایک ہی علم ہو گئے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی کی کتاب طوالع اور بعد کے آنے والے عجمی علماء کی تصانیف اس دعوی کی کھلی اور صاف مثالیں ہیں۔

علم کلام اور آج کا دور ...... آج کل چونکہ ملاحدہ و مبتدعہ ختم ہو گئے اور آئمہ اہل سنت عقائد کے بارے میں کافی لکھ لکھا گئے ہیں اس لئے اب علم کلام کا شمار علوم غیر ضروری میں ہو گیا ہے اور حقیقت میں ادلہ عقلیہ کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب کوئی دعوی کو رد اور باطل کرے اور جب میدان میں کوئی مدمقابل ہی نہیں تو ادلہ عقلیہ کی کیا ضرورت، اب تو تنزیہ باری تعالی ایک مسلمہ چیز ہو گئی۔ جس میں ردو کد اور بحث کا موقع ہی نہیں رہا، منقول ہے کہ حضرت جنید متکلمین کی ایک جماعت پر گذرے جو تنزیہ باری کے متعلق آپس میں مصروف بحث تھے، آپ نے دریافت فرمایا یہ کون ہیں۔ عرض کیا گیا کہ یہ لوگ ذات باری تعالی کو ادلہ کے زور سے ہر عیب و نقص سے پاک اور بری ثابت کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ جہاں عیب محال ہو وہاں عیب کی نفی خود اپنی جگہ عیب ہے، لیکن اس نقطہ نظر سے کہ حامل سنت کا عقائد ایمانیہ کے حجج و ادلہ سے ناواقف رہنا بھی کچھ زیب نہیں دیتا۔ اس لئے علم کلام اب بھی اپنے اندر فائدہ رکھتا ہے اور طالب اس کے مطالعہ سے بے فیض نہیں رہ سکتا۔

کتب کلام و عقائد ...... فن مذکور میں ذیل کی کتابیں اچھی خاصی سمجھی جاتی ہیں۔

(۱) **الملل والنحل** ...... ابو محمد علی بن احمد معروف بابن حزم اموی قرطبی ظاہری متوفی ۴۵۶ھ کی تصنیف ہے جو بقول علامہ تاج الدین سبکی اشہر الکتب ہے۔ اگر اس میں اہل سنت والجماعت کی شان میں گستاخی اور ابو الحسن اشعری کے ساتھ تعصب کی روش نہ اختیار کی جاتی تو اس فن کی بہترین کتاب تھی۔

(۲) الرسالۃ القدسیۃ بادلتہا البرہانیۃ...... حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ کی تصنیف ہے۔
(۳) بحر الکلام
(۴) تبصرۃ الادلۃ...... یہ دونوں شیخ ابو المعین میمون بن محمد نسفی حنفی متوفی ۵۰۸ھ کی تصنیف ہیں۔
(۵) ہدایۃ...... شیخ نور الدین ابو بکر احمد بن محمد صابونی حنفی متوفی ۵۰۸ھ کی تصنیف ہے۔
(۶) نہایۃ الاقدام
(۷) الملل والنحل...... دونوں شیخ ابو الفتح محمد بن عبد الکریم شہرستانی متوفی ۵۴۷ھ کی تصانیف ہیں۔
(۸) الداعی الی الاسلام فی اصول علم الکلام...... شیخ ابو البرکات عبد الرحمٰن بن محمد انباری متوفی ۵۷۵ھ کی ہے۔
(۹) کفایۃ...... شیخ نور الدین ابو بکر احمد صابونی کی تصنیف ہے، علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں اس سے مضمون لیا ہے۔
(۱۰) تحصیل الحق
(۱۱) دلائل فی عیون المسائل
(۱۲) محصل افکار المتقدمین والمتاخرین بین الحکماء والمتکلمین۔
امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ کی تصانیف ہیں۔
(۱۳) ابکار الافکار...... شیخ ابو الحسن علی بن علی بن محمد ثعلبی الحنبلی ثم الشافعی معروف بسیف الدین آمدی متوفی ۶۳۱ھ کی تصنیف ہے۔ جمیع مسائل اصول پر حاوی ہے۔ یہ آٹھ قواعد پر مرتب ہے۔ قاعدہ اول علم کے بیان میں ہے اور دوم بیان نظر میں سوم موصل الی المطلوب میں چہارم انقسام علوم میں پنجم بنوات میں ششم معاد میں ہفتم اسماء میں ہشتم امامت میں
(۱۴) رموز الکنوز...... یہ بھی موصوف کی تصنیف ہے۔ ابکار الافکار کا اختصار ہے۔
(۱۵) تجرید...... محقق وقت نصیر الدین ابو جعفر محمد بن محمد طوسی متوفی ۶۷۲ھ کی تصنیف ہے اور بہت عمدہ اور مشہور کتاب ہے۔ چھ مقاصد پر مرتب ہے۔ مقصد اول امور عامہ کے بیان میں ہے اور دوم جواہر واعراض میں سوم اثبات صانع اور اس کی صفات میں، چہارم نبوۃ میں، پنجم امامت میں، ششم معاد میں
(۱۶) طوالع الانوار...... قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ کی بہت خوب کتاب ہے۔
(۱۷) اعتماد الاعتقاد...... حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی حنفی متوفی ۷۰۱ھ کی تصنیف ہے۔

(۱۴) علم ادب

لغوی تحقیق...... لسان العرب میں ادب کے لغوی معنی دعوت (بلانا) ہے، وہ کھانا جس کی طرف لوگوں کو بلایا جاتا ہے اس کو "مدعاۃ" اور "مادبہ" کہتے ہیں۔ المحیط میں ادب (متحرک الاوسط) کے معنی لطافت طبع اور خوش اطواری کے ہیں۔ ادبہ، علمہ۔ سکھایا، تادب بہ، تعلم بہ سیکھا، الادب بسکون العین کے معنی تعجب کے ہیں۔ جیساکہ الادبہ (بالضم) کے معنی تعجب اور پسندیدگی کے ہیں، اور "آدب البحر" کے معنی پانی کی زیادتی ہے۔ ادب کا اطلاق ایسے ملکہ پر جس کے ذریعہ سے آدمی ہر عیب سے بچا ہے اور "وضع کل شی فی موضعہ" یعنی ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ رکھنے پر بھی ہوتا ہے۔
اصطلاحی تعریف...... ادب اصطلاحی وہ علم ہے جس کی نگہداشت حدود اور رعایت کرنے سے آدمی اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں لفظی معنوی اور تحریری غلطیوں سے بچ سکے، علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں علم ادب پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ادب سے مراد ہے زبان کا خلاصہ اور اس کا نچوڑ، نیز اسالیب عرب کے مطابق نظم ونثر میں عمدگی پیدا کرنا، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب عرب اس فن کی معین تعریف کرنا چاہتے ہیں کہتے ہیں ادب عربوں کی شاعری اور ان کی تاریخ واخبار کو

حفظ کرنے نیز ہر علم میں سے کچھ حصہ اخذ کرنے کا نام ہے۔ کشف الظنون میں ادب کی تعریف کے تحت لکھا ہے کہ ادب وہ علم ہے جس کے ذریعہ عربی زبان بولنے اور لکھنے میں غلطیوں سے محفوظ رہا جائے۔ جرجانی نے اپنی تعریفات میں لکھا ہے کہ یہ لفظ ان تمام معلومات پر بولا جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ ہر قسم کی خطاء سے محفوظ رہا جاسکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ادب علوم وفنون کی روح ہماری زندگیوں کا ماحصل، ہمارے افکار وجذبات واحساسات کا خلاصہ اور انسانی عقول ونفوس اور قلوب واجسام پر حکمرانی کرنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ ادب موسیقی ہے جو اپنے ساز کی تاثیر سے قوموں کو مست خرام اور مائل بہ عمل رکھتی ہے۔ ادب حسین الفاظ اور شگفتہ اسلوب میں مافی الضمیر کے اظہار کا نام ہے تاکہ ان ذرائع سے کام لے کر معانی براہ راست سامع یا قاری کے دل میں ڈال دیئے جائیں۔ ادب اپنے زمانہ کی پوری تصویر اور صحیح تاریخ ہوتا ہے۔ آپ کسی زبان کے ایک دور کا ادب پڑھ کر اس عہد کے لوگوں کے اعتقادات، علمی سطح اور ان کی عملی قوتوں کا پورا پورا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

وجہ تسمیہ ...... وہ لٹریچر جس سے ادیب متادب ہوتا ہے وہ لوگوں کو مہذب اور شائستہ بناتا ہے اور ناشائستہ باتوں سے روکتا ہے، نیز لفظا یا کتابت کے اغلاط سے جو خرابی زبان میں محاورے کی حیثیت سے واقع ہوتی ہے۔ اس سے حفظ ونگہداشت اس علم کے ذریعہ سے کی جاتی ہے یا اس علم کا ماہر تقریر وتحریر میں صحیح الفاظ وعبارت سے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کا ایک خاص ملکہ حاصل کرلیتا ہے یا ادیب اپنے ذہن یا زبان وقلم وغیرہ ہر چیز کو برمحل استعمال کرتا ہے۔ اسلئے اس علم کا نام علم ادب رکھا گیا۔

علم ادب کا موضوع ...... ظاہر ہے کہ موضوع اسی علم کا متعین ہوسکتا ہے جس کی تمام قسموں کے موضوعات باوجود تباین صنفی یا تباین نوعی کے کسی ایک جنس قریب اعم مطلق کے تحت میں داخل ہوں ورنہ کوئی موضوع متعین نہیں کیا جاسکتا۔ علم ادب بھی ایسا ہی ہے کہ اس کے اقسام کے موضوعات کسی ایک جنس کے تحت میں داخل نہیں کیونکہ یہ بارہ علوم سے مرکب ہے (جیسا کہ عنقریب آئے گا) اس لئے محققین نے کہا ہے کہ اس علم کا کوئی موضوع نہیں ہے، ابن خلدون نے ادب کے موضوع کا انکار کرتے ہوئے لکھا ہے "ہذا العلم لاموضوع لہ ینظر فی اثبات عوارضہ اونفیہا" علم ادب کا کوئی موضوع نہیں ہے جس کے احوال سے اثبات ونفی میں بحث کی جائے، اسی کو ادیب کامل حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ نے حق قرار دیا ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کا موضوع الفاظ وعبارات اور اشعار واخبارات یا مطالب وتقاریر ہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کا موضوع طبیعت یا فطرت ہے جس سے مراد واردات، داخلیت اور تاثرات (خارجیت) ہیں جن سے انسان اس مادی دنیا میں متصادم ہوتا ہے۔ انسان خارجی حقائق کا مظہر ہے اور طبیعت داخلی کیفیات کی، ان پر تنقید وتبصرہ فطرت انسانی کا تقاضا ہے، داخلی یا خارجی عوامل کی ترجمانی کا نام طبیعت یا فطرت انسانی کا تقاضا ہے، داخلی یا خارجی عوامل کی ترجمانی کا نام طبیعت یا فطرت ہے۔ یہی ادب کا موضوع ہے۔

غرض وغایت ...... اپنے مافی الضمیر کو پورے طور سے نہایت دلچسپ اور موثر پیرایہ میں دوسرے کے ذہن نشین کردینا، ذہن وزبان کو لفظی ومعنوی اور تحریری غلطیوں سے بچانا علم ادب کی غایت ہے اور خصوصیت کے ساتھ عربی ادب کا یہ بھی فائدہ ہے کہ قرآن وحدیث کو اس کے اعجاز لفظی ومعنوی سے کامل طور پر متاثر ہوکر اس کے مضامین کو سمجھنا اور سمجھانا، علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس علم سے غرض یہ ہے کہ عربی عبارت اور اس کے اسالیب سمجھنے کا ملکہ پیدا ہوجائے تاکہ جب کلام عرب سامنے آئے تو اس کا کوئی پہلو نگاہوں سے اوجھل نہ رہ سکے۔

ادب عربی کی اہمیت وشرف عربیت ...... عربی ادب کا سرمایہ متعدد (وجوہ کی بناء پر بڑی عظمت واہمیت رکھتا ہے)۔

(۱) حق تعالی نے عربی زبان کو اپنے آخری پیغام ہدایت کیلئے منتخب فرما کر ایک خاص انداز سے اپنی حفاظت میں پروان چڑھایا اور جب اس زبان کا ادب استعداد وصلاحیت کے اس بلند مقام پر پہنچا جہاں وہ روح خداوندی کا متحمل ہوسکے تو

اس میں قرآن مجید کو نازل فرمایا جو ادب عربی کا اعلیٰ واکمل نمونہ ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انا انزلناہ قرآنا عربیا۔ (ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا) یعنی عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پر شوکت زبان ہے۔ نزول قرآن کیلئے منتخب فرمائی، ابن اثیر لکھتے ہیں۔

"انزل اشرف الکتاب باشرف اللغات علی اشرف الرسل بسفارۃ اشرف الملائکۃ وکان ذلک فی اشرف بقاع الارض وابتداء انزالہ فی اشرف شہور السنۃ وھو رمضان فکمل من کل الوجوہ۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ احبو العرب لثلاث لانی عربی والقرآن عربی وکلام اھل الجنۃ عربی۔ (ذکرہ ابن عساکر فی ترجمۃ زھیر بن محمد بن یعقوب۔) حضرت ابن عمر سے حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے۔ "من یحسن ان یتکلم بالعربیۃ فلایتکلم بالعجمیۃ فانہ یورث النفاق (رواہ السلفی) ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "تعلموا العربیۃ فانھا من دینکم

(۳) عربی ادب نے قدیم زمانہ میں دنیا کی تمام ترقی پسند اقوام کے علوم وفنون اور آداب کو نہایت کشادہ ظرفی سے اپنے اندر محفوظ کیا اور آج بھی وہ دنیا کی جدید علمی تحقیقات اور ادبی تصانیف کو اپنے اندر جذب کر لینے میں کسی حیثیت سے پیچھے نہیں ہے۔ اس طرح دنیا کی تمام زبانوں میں صرف عربی زبان ہی کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ بیک وقت علوم قدیمہ و جدیدہ کا تمام ضروری وکار آمد سرمایہ اپنے اندر رکھتی ہے۔

(۴) عربی زبان کو ایک اور امتیازی خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ دین اسلام کا تمام بنیادی سرمایہ صرف اسی ایک زبان میں ہے اور دنیا کی کوئی دوسری زبان اس فضیلت میں اس کی شریک و سہیم نہیں بن سکتی، وللہ در الشاعر حیث قال

اذا الفتی فاتہ مال یجملہ ۔۔۔ نفی التادب مہاناتہ خلف

ھو اللباس الذی لاشئی یعدلہ ۔۔۔ والمفخر الدین فیہ الفضل والشفع

وقال آخر

کم من حیس وضع القدر لیس لہ ۔۔۔ فی العربیت ولایمنی الی نسب

قد صار بالادب المحمود ذااشرف ۔۔۔ غال رذا حسب محض وذانشب

یعلی التادب اقواما ویرفعھم ۔۔۔ حتی یساووا ذوی العلیا فی الرتب

والاخر

کن ابن من شئت واکتسب ادبا ۔۔۔ یغنیک محمود لاعن نسب

ان الفتی من یقول باانااذا ۔۔۔ لیس الفتی من یقول کان ابی

علم ادب کے متعلق ایک وہم کا ازالہ...... علم ادب کے متعلق عموماً یہ وہم ہوتا ہے کہ ادب کا بیشتر حصہ شعر و شاعری سے وابستہ ہے اور شعر کی مذمت قرآن پاک وحدیث صاحب لولاک ہر دو میں موجود ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "والشعراء یتبعھم الغاوون الم ترا انھم فی کل وادیھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون (ترجمہ) اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے، امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ عرج جارہے تھے کہ ایک شاعر نے شعر پڑھنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا "خذوا الشیطان اوامسکوا الشیطان لان یمتلی جوف رجل قیحا خیرلہ من ان یمتلی شعرا کہ شیطان کو پکڑلو یا اس کو روکو، اگر کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعروں سے بھر جائے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے امام بخاری کے الفاظ ہیں "لان یمتلی جوف احدکم قیحا خیرلہ من ان یمتلی شعرا جواب یہ

ہے کہ آیت وحدیث مذکور شعر مذموم پر محمول ہے جو تلاوت قرآن وذکر رحمٰن سے غافل بنادے، رہے ممدوح اشعار جیسے نعت مصطفیٰ ﷺ، ثنائے رب العلاء، مدح اولیاء، اور بیان زہد وورع اور مواعظ وحکم پر مشتمل ہونے والے اشعار سووہ آیت و حدیث کا مصداق نہیں ہیں، شرح السنہ میں حضرت کعب بن مالک ؓ سے مروی ہے "قال یارسول الله ان الله قد انزل فی الشعر ماانزل، فقال ان المومن یجاهد بسیفه ولسانه والذی نفسی بیده لکانما ترمو ونهم به نضح النبل انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! حق تعالیٰ نے شعر کی بابت بڑی سخت وعید نازل فرمائی ہے، آپ نے فرمایا! مومن اپنی تلوار اور زبان ہر دو سے جہاد کرتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک تم شعر کے ذریعہ مشرکین کو تیر سے زیادہ گھائل کرتے ہو، استیعاب میں حافظ ابن عبدالبر کے الفاظ ہیں۔ قال یارسول الله ماذا تری فی الشعر فقال ان المومن یجاهد بسیفه ولسانه حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس شعر کا تذکرہ ہوا، آپ نے فرمایا "هو کلام فحسنه حسن وقبیحه قبیح" (رواه الدار قطنی وروی الشافعی عن عروه مرسلا) معلوم ہوا کہ آیت وحدیث میں مطلق شعر کی مذمت نہیں بلکہ قبیح اشعار کی مذمت ہے، چنانچہ دیگر احادیث میں اچھے اشعار کی تعریف موجود ہے، حدیث میں ہے، 'ان من الشعر حکمة حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت ہے، ان من الشعر حکما امام ترمذی نے اسکو حسن صحیح کہا ہے، لمعات میں ہے کہ حکم اور حکمت دونوں ایک ہی معنی میں ہیں، امام طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے مرادوہ مواعظ وامثال ہیں جن کو شعراء کریں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں، امام ابوداؤد نے حضرت بریدہ سے مرفوعا روایت کیا ہے۔ ان من البیان سحرا وان من العلم جهلا وان من الشعر حکما وان من القول عیالا کہ بعض بیان جادو (بھرا) ہوتا ہے اور بعض علم، میں جہل وکا آمیزہ، ہوتا ہے اور بعض شعر حکمت (سے پر) ہوتے ہیں اور بعض بات بوجھ ہوتی ہے بخاری میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کیلئے مسجد میں منبر کھواتے اور حضرت حسان اس پر فخریہ اشعار پڑھتے تھے، حضرت کعب بن زہیر نے اپنا قصیدہ، بانت سعاد، آپکے سامنے پڑھا اور مشرف باسلام ہوئے، امام مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے عمرو بن الشرید کو امیہ بن ابی الصلت کے اشعار سنانے کا حکم فرمایا، انھوں نے اشعار سنادیئے، آپ ہر شعر کے بعد فرماتے "بیہ" اور سنا، یہاں تک کہ انھوں نے ایکسو اشعار سنائے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

احمد الله لاشریك له من لم یقلهافنفه ظلما

ایک مرتبہ آپ نے حضرت حسان سے فرمایا، تو نے ابو بکر کے حق میں کوئی شعر کہا ہے۔ انھوں نے کہا، ہاں، آپ نے فرمایا سنا حسان نے یہ اشعار پڑھے۔

وثانی اثنین فی الغار المخیف وقد طاف العدوبه اذصاعد الجبلا

و کان حب رسول الله قد علموا من الخلائق لم یعدل به بدلا

آپ نے یہ اشعار سنکر تبسم فرمایا، حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک حدی خواں تھا جس کو انجشہ کہتے تھے، یہ بہت ہی خوش الحان تھا۔ ایک موقع پر اس نے کچھ اشعار پڑھے تو، آپ نے فرمایا، رُویدک یاانجشۃ لا تکسر القواریر "اے انجشہ! ٹھہر صنف نازک کے دلوں کو گھائل نہ کر قال آزاد البلجرامی۔

کم من قلوب رقاق اثر علیهم یاحادی العیس رفقا بالقواریه

حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ کا یہ شعر پڑھتے تھے "ویاتیک بالاخبار من لم تزود" اور ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے، حضرت ابوہریرہ کی مرفوع حدیث میں ہے، اشعر کلمة تکلمت بهاالعرب قول لبید ع الا کل شئی ماخلا الله باطل، یہ حدیث بھی حسن صحیح ہے۔

پہلی صدی ہجری...... لفظ ادب کی اصل تاریخ نبی امیہ کے عہد سے شروع ہوتی ہے انھیں کے زمانہ میں یہ لفظ رائج اور

شائع ہوا اسی زمانہ سے اس لفظ کا استعمال سب سے پہلے تعلیم وتربیت کے معنی میں ہوا، عہد بنی امیہ میں اساتذہ کی ایک ایسی جماعت تھی جو امراء کے لڑکوں کو تعلیم وتربیت دینے پر مامور تھی۔ اس جماعت اور اشعار کے راویوں اور تاریخی واقعات بیان کرنے والوں کو "مؤدب" کہا جاتا تھا۔ اس جماعتِ مؤدبین میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔

(۱) ابو معبد الجہنی

(۲) عامر الشعبی...... یہ دونوں خلیفہ عبد الملک بن مروان کے لڑکوں کو تعلیم دیتے تھے۔

(۳) صالح بن کیسان...... خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے لڑکوں کا مودب تھا۔

(۴) جعد بن درہم خلیفہ مروان بن محمد کا مودب تھا۔

اس دور کی تحریروں میں جا بجا لفظ ادب کا تذکرہ ملتا ہے، زیاد بن ابیہ اپنے خطبہ البیتراء میں کہتا ہے کہ

فادعوالله بالصلاح لائمتكم فانهم ساستكم المودبون لكم اماوالله لاودبنكم غير هذا الادب اولتسقمن

تم خدا سے اپنے ائمہ کیلئے راستی اور خیر کی دعا کرو کیونکہ وہ تمہارا انتظام کرنے والے اور ادب سکھانے والے ہیں۔ بخدا تم کو اس طرز ادب کے سوا ادب سکھاؤں گا ورنہ تم اپنی روش درست کرلو۔

کسی فزاری شاعر نے لفظ ادب کو اپنے شعر میں اس طرح استعمال کیا ہے۔

انی وجدت ملاك الشيمة الادبا   كذالك ادبت حتى صارمن خلقي

میری تربیت اس طور پر کی گئی ہے کہ ادب میری سرشت بن گئی ہے اور میں نے اپنی خصلت کا مدار ادب کو بنالیا ہے۔

بنی امیہ کے زمانہ میں اس لفظ کا اطلاق اس قسم کے علوم پر ہوتا تھا جن کا مذہب اور دینیات سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے شاعری، کہانی، انساب، ایام عرب، اخبار واحوال، شرافت اور حسن اخلاق بھی اس سے مراد لئے جاتے تھے اور جب لغت مدون ہوا تو وہ بھی ادب میں شامل ہو گیا۔

صاحب لسان العرب نے مادہ ادب سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ادب دو ہی چیزوں کا نام ہے۔ ایک تہذیب نفسی، دوسرے تعلیم شعر ونثر" پہلی صدی ہجری سے اب تک مادہ ادب انہی دو معنوں پر دلالت کرتا رہا، بنی امیہ ہی کے عہد سے ادیب یا مودب، شاعر اور نثر نگار کے درمیان فرق قائم ہوا۔ جس شخص پر ادب اور اس کی تعلیم کا غلبہ ہوتا تھا اس کو ادیب کہتے تھے اور جس کا رجحان شاعری کی طرف ہوتا تھا وہ شاعر کہلاتا تھا۔

دوسری صدی ہجری...... دوسری صدی کے نصف اول میں جب عربی علوم لغت، نحو یا صرف کا نشو ونما ہوا تو ان ناموں نے اصطلاحی شکل اختیار کرلی اور یہ علوم "ادب تعلیمی" میں داخل ہو گئے، ادب تعلیمی کا مفہوم وسیع ہو گیا۔ لفظ ادب کا اطلاق نثر و نظم، انساب، اخبار، لغت، نحو، صرف اور نقد پر ہونے لگا۔ فن ادب میں سبعہ معلقہ بروایت حماد الرادویہ متوفی ۱۵۸ھ اسی دور کا مجموعہ ہے۔

تیسری صدی ہجری...... تیسری صدی ہجری میں ادب پھر اپنے اس مفہوم کی طرف واپس لوٹا جو پہلی صدی میں تھا۔ یعنی ادب فنی اور تہذیب نفسی کے معنی دینے لگا۔ اس تعریف میں شعر ونثر اور ان سے متعلقہ علوم اخبار، انساب، ایام عرب اور احکام نقد داخل ہیں۔ البتہ اس میں فنی نثر اور ادبی تنقید کا اضافہ ہو گیا۔

اس صدی میں اعلیٰ ادب تصنیف ہوا، امام جاحظ متوفی ۲۵۵ھ کی "البیان والتبیین" ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ کی "الشعر والشعراء" اور مبرد متوفی ۲۸۵ھ کی "کامل جو عربی ادبیات میں امہات الکتب تسلیم کی جاتی ہیں اسی صدی میں لکھی گئیں۔

اس صدی میں لفظ ادب کے تہذیب نفس والے معنی میں وسعت پیدا ہو گئی اور اس موضوع پر کچھ کتابیں بھی تصنیف کی گئیں۔ ابو العباس سرخسی متوفی ۲۸۶ھ کی "ادب النفس" کشاجم شاعر متوفی ۲۵۰ھ کی "آداب الندیم" امام بخاری ۲۵۶ھ کی

صحیح بخاری کا "باب الادب" حماسہ ابی تمام طائی متوفی ۲۳۱ھ کا "باب الادب" اس سلسلہ کی اہم کتابیں اور اجزاء ہیں۔
چوتھی صدی ہجری...... چوتھی صدی ہجری میں لغت، نحو اور صرف ادب سے الگ ہوئے، نقد، بلاغت اور بدیع ادب میں شامل رہے، ٹھوس ادب میں تنقیدی اور فنی زاویہ نگاہ سے بحثیں ہوئیں۔ بحتری اور ابو تمام کے ادبی معرکوں اور بعد میں متنبی کے مخالفین اور "موافقین کے مباحث نے فن نقد کو فائدہ پہنچایا۔ آمدی متوفی ۳۷۱ھ نے اپنی کتاب "الموازنۃ بین الطائیین" اور ابوالحسن جرجانی متوفی ۳۹۲ھ نے "الوساطۃ بین المتنبی وخصوم" انہی واقعات سے متاثر ہو کر تصنیف کیں۔ اس طرح تنقید نے مستقل فن کی حیثیت اختیار کرنا شروع کی اور اس کا شمار علیحدہ ایک علم اور ادبی فن میں ہونے لگا۔ اس صدی میں جن کتابوں نے فن نقد کو فروغ دیا اور اس کو مستقل ایک فن کا درجہ دیا ان میں قدامہ بن جعفر متوفی ۳۱۰ھ کی نقد الشعراء اور نقد النثر کے نام سرفہرست ہیں۔ قدامہ نے سب سے پہلے عربی نقد کے اصول استخراج کئے۔ ان کے بعد ابو ہلال عسکری متوفی ۳۹۵ھ نے الصناعتین میں انہی کے نقش قدم کی پیروی کی۔ ابوالفرج اصبہانی متوفی ۳۵۶ھ کی "الاغانی" اور ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ کی "العقد الفرید" کے نام بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔ متنبی شاعر کا دیوان بھی اسی صدی کی یادگار ہے۔
پانچویں صدی ہجری...... پانچویں صدی ہجری کے اختتام تک اہم ادبی علوم نے مستقل علوم کی حیثیت اختیار کرلی۔ شاید اسی وجہ سے زیات نے لکھا ہے کہ عہد اخوان الصفاء کے بعد لفظ ادب کا اطلاق فنون، صنعت و حرفت اور تمام غیر شرعی علوم پر نہیں رہا، لیکن عربی زبان کے علوم جیسی معانی، بیان، صرف، نحو اس کے دائرے میں داخل رہے۔
امام ابو منصور عبدالملک بن محمد ثعالبی متوفی ۴۳۰ھ کی یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر اسی صدی کی یادگار ہے جو کتب ادبیہ میں احسن واکمل کتاب مانی گئی ہے۔ ولذلك قال ابو المفتوح نصر الله الشاعر

ابيات اشعار اليتيمه ابكار افكار قديمه

ماتوا وعاشت بعدهم فلذاك سميت اليتيمه

یہ چار قسموں پر منقسم ہے۔ قسم اول آل حمدان کے اشعار اور ان کے شعراء وغیرہ کے محاسن میں ہے، قسم دوم اہل عراق کے اشعار اور انشاء دولت دیلیمہ کے محاسن میں، قسم سوم اہل جبال، فارس، جرجان اور طبرستان کے اشعار کے محاسن میں، قسم چہارم اہل خراسان اور ماوراء النہر کے اشعار کے محاسن میں ہے۔
انواع علوم ادبیہ...... علم ادب کے متعلق بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ایک آمیزہ کا نام ہے۔ جس میں زبان سے متعلق جملہ علوم ہوں۔ مثلاً صرف ونحو، معانی وبیان اور بدیع، لغت واشتقاق، خط وتحریر، عروض قافیہ، شعر ونثر وغیرہ، علماء عرب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ علم ادب ان تمام علوم ومعارف اور جملہ معلومات پر حاوی ہے جو انسان تعلیم وتدریس کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور اس میں صرف ونحو، علوم بلاغت، شعر ونثر، امثال وحکم، تاریخ وفلسفہ، سیاسیات واجتماعیات سبھی شامل ہیں، بلکہ ابن قتیبہ نے ادب الکاتب میں ادیب کیلئے ریاضیات اور دیگر صنعتیں جاننے کی بھی شرط لگائی ہے۔ صاحب تاج العروس ادب کی بحث میں لکھتے ہیں کہ عجمیوں سے اختلاط کے باعث اس لفظ کو مسلمانوں نے وسیع مفہوم میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ حتی کہ لفظ ادب علوم واخلاق، فنون وصنعت سبھی کو اپنے اندر لے لیتا ہے بلکہ اس کا اطلاق موسیقی، شطرنج، طب، انجینئری، فوجی علوم نیز دیگر علوم عرب کے سوائے گفتگو کے اقتباسات، کہانیوں اور مجلسی باتوں پر بھی ہو جاتا ہے۔
ادبی علوم سے کیا مراد ہے...... وہ کون سے علوم ہیں جو ادب کی تعریف میں شامل ہیں۔ اس کی بابت علماء کا شدید اختلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہے، علامہ ابن الانباری نے علم ادب کی آٹھ قسمیں ذکر کی ہیں۔ علامہ زمخشری وجرجانی کے نزدیک بارہ علوم ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ علم ادب کیلئے کچھ اصول ہیں۔ کچھ فروع ہیں، اصول تو آٹھ علوم ہیں۔ یعنی لغت، صرف، اشتقاق، نحو، معانی، بیان، عروض اور قافیہ۔ وجہ حصر یہ ہے کہ بحث یا تو مفردات سے ہوگی یا مرکبات

سے، اگر مفردات سے بحث ہے تو یہ اگر جواہر و مواد اور ہیات کی حیثیت سے ہو تو علم لغت ہے اور صرف صور و ہیات کے لحاظ سے ہو تو علم صرف ہے اور اصالت و فرعیت میں بعض مفردات کے بعض اخذ کی طرف انتساب کے اعتبار سے ہو تو علم اشتقاق ہے اور اگر مرکبات سے بحث ہو تو مرکبات مطلقہ سے بحث ہو گی یا مرکبات موزونہ سے، اگر مرکبات مطلقہ سے بحث ہو تو اگر یہ ہیات ترکیبیہ اور معانی اصلیہ کی ادائیگی کے اعتبار سے ہو تو علم نحو ہے اور اگر اصل معنی کے مغایر معانی کے افادہ کے لحاظ سے ہو تو علم معانی ہے اور اگر مراتب وضوح و خفا کے لحاظ سے اس افادہ کی کیفیت کے اعتبار سے بحث ہو تو علم بیان ہے اور مرکبات موزونہ سے بحث ہو تو اگر بحیثیت وزن بحث ہو تو علم عروض ہے اور اواخر کے لحاظ سے ہو تو علم قوافی ہے اور فروع چار علوم ہیں۔ یعنی رسم الخط، قرض الشعر ہو تو قرض الشعر ہے اور نثر کے ساتھ مخصوص ہو تو علم الانشاء ہے اور اگر کسی کے ساتھ مخصوص نہ ہو تو علم المحاضرات ہے۔ علامہ سکاکی نے مفتاح العلوم میں یاقوت حموی نے معجم الادباء میں اور سید شریف جرجانی نے مقدمہ شرح مفتاح میں ادبی علوم سے مفصل بحث کی ہے۔

فن ادب کے ارکان اربعہ...... علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ہم نے اثناء درس میں اپنے اساتذہ کی زبانی سنا ہے کہ اس فن (ادب) کے اصول و ارکان چار کتابوں میں جمع ہیں۔ یعنی ابن قتیبہ کی "ادب الکاتب" مبرد کی "الکامل" جاحظ کی "البیان والتبیین" اور ابو علی قالی کی "کتاب النوادر"۔[1]

(۱۵) علم صرف

لغوی معنی...... صرف لغت میں پھیرنے، ہٹانے، دفع کرنے اور واپس کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ "صرف اللہ قلوبہم" اللہ نے ان کے قلوب کو حق سے پھرا دیا، یعنی وہ گمراہ ہو گئے۔

اصطلاحی معنی...... صرف وہ علم ہے جس میں کلمات مفردہ موضوعہ عربیہ کی مختلف صور و ہیات نوعیہ اور بناوٹ سے بحث ہے۔ بالفاظ دیگر صرف وہ علم ہے جس سے کلموں کی ساخت اور ادل بدل کے قواعد معلوم ہوں۔

موضوع...... علم صرف کا موضوع کلمات ثلثہ ہیں۔ یعنی اسم فعل اور حرف

غرض وغایت...... الفاظ و کلمات کے صحیح تلفظ کو معلوم کرنا اور کلموں کی ساخت اور تغیر و تبدیل کے قواعد کو پہچاننا۔

تدوین...... ابوالاسود دئلی کے شاگرد معاذ بن مسلم الفراء متوفی ۱۸۷ھ نے اس علم کو وضع کیا۔ پھر ان کے شاگرد امام ابوالحسن علی کسائی متوفی ۱۸۹ھ نے اس کو ترقی دی۔ اس کے بعد کسائی کے شاگرد ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء دیلمی متوفی ۲۰۷ھ نے علم صرف کو باضابطہ مدون کیا ورنہ اس سے پہلے یہ علم نحو کی ایک شاخ سمجھی جاتی تھی۔ ابو عثمان بکر بن محمد بن بقیہ (ابن عدی) ابن حبیب متوفی ۲۴۸ھ کی تصریف مازی۔ ابوالفتح عثمان بن جنی نحوی متوفی ۳۹۲ھ کی۔ "تصریف ملوکی۔" ابوالفضل احمد بن محمد میدانی ۵۱۸ھ کی۔ "نزہۃ الطرف فی علم الصرف۔" علامہ ابن حاجب متوفی ۶۴۶ھ کی۔ "شافیہ" ابن مالک محمد بن عبداللہ نحوی متوفی ۶۷۳ھ کی۔ "لامیۃ الافعال" شیخ ابوالذبیح اسماعیل بن محمد حضرمی یمنی متوفی ۶۷۶ھ کی۔ "اساس التصریف" شمس الدین محمد بن حمزہ فناری متوفی ۸۳۴ھ کی۔ "اساس التصریف" شیخ علاء الدین علی بن محمد معروف بقوشجی متوفی ۸۷۹ھ کی۔ "عقود الزواہر فی نظم الجواہر۔" اس فن کی عمدہ اور مشہور کتابیں ہیں۔ درس نظامی میں اس فن کی حسب ذیل کتابیں داخل ہیں۔

میزان الصرف۔ منشعب
صرف میر۔ پنج گنج

---

[1] از مقالہ وقار احمد رضوی، کشف الظنون، مقدمہ دیوان متنبی، ترجمان العلوم، تاریخ ادب عربی وغیرہ ۱۲۔

مراح الارواح
فصول اکبری۔ علم الصیغہ

(۱۶) علم النحو

لغوی معنی......لفظ نحو لغت میں مختلف معانی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اول قصد و ارادہ یقال نحوت ہذا نحوا ای قصدت قصدا دوم جہت مثل "ہن نحو البیت عامدات" سوم مثل یقال ہذا نحوہ ای مثلہ، چہارم نوع یقال "ہذا علی اربعۃ انحاء" ای انواع، پنجم راستہ مثل "ہذا النحو السوی ای الطریق المستوی،" ششم فصاحت یقال "ما احسن نحوک فی الکلام" ہفتم "پھرانا یقال" نحوت بصری الیہ ای صرفت وقال الامام الداودی۔

للنحو سبع معان قدانت لغة جمعها ضمن بيت مفرد كملا

قصد و مثل و مقدار و ناحية نوع و بعض و صرف فاحفظ المثلا

اصطلاحی تعریف...... علم نحو وہ علم ہے جس میں اواخر کلمات موضوعہ کے احوال اعراب وبنا، ترکیب وافراد سے بحث کی جائے۔ کشاف اصطلاحات الفنون میں ہے کہ علم نحو جس کو علم الاعراب بھی کہتے ہیں وہ علم ہے جس کے ذریعہ ترکیب عربی کی کیفیت از روئے صحت و سقم اور اس چیز کی کیفیت معلوم ہو جو ترکیب عربی میں الفاظ کے وقوع یا لا وقوع سے متعلق ہے۔

موضوع...... علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ کیونکہ اس میں انہیں کے احوال سے بحث ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ علم نحو کا موضوع لفظ موضوع ہے مفرد ہو یا مرکب، یعنی لفظ موضوع باعتبار ہیئت ترکیبیہ اور باعتبار ادائیگی معانی اصلیہ، وقال فی مدینۃ العلوم وموضوعہ المرکبات والمفردات من حیث وقوعہا فی التراکیب والادوات لکونہا روابط التراکیب۔

غرض وغایت...... گفتگو کے وقت معانی وضعیہ پر تراکیب کلام کو تطبیق دینے اور کلمات کو باہم ملا کر تلفظ کرنے میں غلطی واقع ہونے سے بچنا ہے۔

شرف علم نحو...... صاحب مدینۃ العلوم وصاحب مفتاح السعادۃ نے لکھا ہے کہ علم نحو کا حاصل کرنا فرض کفایہ میں سے ہے کیونکہ کتاب اللہ و سنت رسول سے استدلال کرنے میں اس کی احتیاج واقع ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے "تعلموا النحو كما تعلمون السنن والفرائض کہ علم نحو کو اسی طرح حاصل کرو جیسے تم فرائض و سنن کو سیکھتے ہو۔ ایوب سختیانی فرماتے تھے "تعلموا النحو فانه جمال للوضيع وتركه عيبه للشريف کہ علوم نحو سیکھو کیونکہ یہ فرومایہ کیلئے بھی باعث جمال ہے اور شریف آدمی کا اس سے کورا رہنا باعث عیب ہے۔ واللہ در کسائی فی النحو۔

انما النحو قياس يتبع وبه في كل علم ينتفع

واذا ماالتقن الخو الفتى مرنى المنطق مرافا تسع،واتقاه كل من يعرفه

من جليس ناطق اومستمع،وذالم يعرف الخو الفتى باب ان ينهق جبنا فانقمع،فراه ينصب الرفع دما

كان من نصب ومن خفض رفع، اهما فيه سواء عندكم

ليست السنة عينا كالبدع

تدوین......ابوبکر محمد بن الحسن زیدی کہتے ہیں کہ دور جاہلیت اور آغاز اسلام تک اہل عرب اپنی جبلی وفطری عادت کے مطابق بلا تکلف فصیح وبلیغ زبان میں گفتگو کرتے تھے کما قال الشعر

ولست بنحوى يلوك لسانه ولكن سيلقى اقوال فاعرب

لیکن جب دین اسلام کو تمام ادیان و مذاہب پر غلبہ حاصل ہوا اور مختلف اللغات و متفرق زبانیں بولنے والے لوگ

جوق در جوق داخل اسلام ہوئے تو عرب وعجم کے اختلاط کی وجہ سے عربی زبان میں فساد نے راہ پائی اور لوگ غلط سلط بولنے لگے۔ اس کو دیکھ کر سلیم الفطرۃ و صحیح الذوق لوگوں کو اس کے انسداد کی فکر ہوئی۔

نزہتہ الاولیاء وغیرہ میں حضرت ابوالاسود ظالم بن عمرو بن جندل بن سفیان الدؤلی سے مروی ہے کہ میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپ کے دست مبارک میں ایک رقعہ ہے۔ میں نے عرض کیا۔ امیر المومنین! یہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، میں نے کلام عرب میں غور کیا اور دیکھا کہ وہ عجمیوں کے اختلاط کی وجہ سے بگڑ چلا ہے، اس لئے میں نے کچھ اصول منضبط کئے ہیں تا کہ ان کی طرف رجوع کرنے سے اس خرابی کا ازالہ ہو سکے۔ یہ فرما کر آپ نے وہ رقعہ مجھے عنایت فرمایا اور حکم کیا کہ تم اس کی طرف توجہ کرو اور اس کے مطابق قواعد جمع کرو اور اگر کوئی مزید بات تمہارے ذہن میں آئے تو اس کو بھی شامل کرو۔ میں نے اس رقعہ کو دیکھا تو اس میں یہ مضمون تھا "الکلام کله اسم وفعل و حرف . فالا لسم ماانباء عن المسی والفعل ماانبئی به والحرف ماافاد معنی . چنانچہ میں نے آپ کے ان اصول کی روشنی میں کچھ قواعد نحویہ جمع کئے عطف ولغت، تعجب واستفہام وغیرہ کے چند ابواب مرتب کئے اور جب باب ان اور اس کے اخوات تک پہنچا تو میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ باب لکن کو بھی اس کے ساتھ منضم کرلو۔ میں آپ کی ہدایات کے مطابق ابواب نحو مرتب کرتا رہا یہاں تک کہ جب وہ اچھا خاصا مجموعہ ہو گیا تو آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ مااحسن هذا النحو الذی قد نحوت، فلذلك سمي النحو.

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ عہد فاروقی میں ایک اعرابی نے لوگوں سے کہا، کوئی ہے جو مجھے محمد ﷺ پر نازل شدہ کلام الہی کا کچھ حصہ پڑھائے۔ اس پر ایک شخص نے اس کو سورۂ براۃ کی چند آیتیں پڑھائیں اور آیت ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ میں لفظ "رسولہ" کو جر کے ساتھ تلقین کی۔

اعرابی نے کہا، کیا اللہ اپنے رسول سے بری ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو میں بھی اس سے بری ہوں۔ یہ قصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا۔ آپ نے اس اعرابی کو بلا کر فرمایا کہ یہ اس طرح نہیں ہے بلکہ یوں ہے "ان الله بری من المشرکین ورسولهُ" اس کے بعد آپ نے حضرت ابوالاسود دؤلی کو وضع نحو کی طرف توجہ دلائی اور ابوالاسود دؤلی نے قواعد نحو جمع کئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم نحو کا واضع اول عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج ہے اور بعض نے نصر بن عاصم کو واضع اول مانا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اول حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہی ہیں۔ آپ ہی کے بتائے ہوئے چند اصول کو سامنے رکھ کر ابوالاسود دؤلی نے قواعد نحویہ جمع کئے ہیں۔ چانچہ روایات میں ہے کہ ابوالاسود دؤلی سے سوال ہوا امن این لك هذا النحو . قال لفقت حدوده من علی بن ابی طالب

نحاۃ قرن اول ...... حضرت ابوالاسود دؤلی کے بعد آپ کے تلامذہ نے بتدریج اس علم کو ترقی دی اور کچھ زمانہ کے بعد ابوعمر بصری اور ان کے شاگرد خلیل ابن احمد نے اس کو باضابطہ مرتب ومہذب کیا۔ خلیل کے مشہور شاگرد سیبویہ نے اس علم میں ایک جامع کتاب "الکتاب" لکھی جو تمام بعد والوں کا ماخذ ہے۔ ہم یہاں قرن وار کچھ نحاۃ کا مختصر تعارف اور ان کے مولفات کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

(۱) عنبسہ بن معدان معروف بعینستہ الفیل متوفی ۹۳ھ

(۲) میمون الاقرن متوفی ۱۰۲ھ، یہ دونوں ابوالاسود دؤلی کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔

(۳) ابو بحر عبداللہ بن ابی اسحٰق حضرمی متوفی ۱۱۷ھ، عربیت اور قرأت کے امام تھے۔ امام یونس سے ان کے علم کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ عبداللہ اور دریا دونوں برابر ہیں۔ یہ فرزدق کے اشعار پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرزدق نے ان کی ہجو میں یہ شعر کہا۔

فلو کان عبدالله مولی هجوته ولکن عبدالله مولی موالیا

آپ نے فرمایا تو نے اس میں بھی غلطی کی ہے کیونکہ مولی موالیات کے بجائے مولی موال ہونا چاہیئے۔

(۴) ابو سلیمان یحییٰ بن یعمر عدودانی متوفی ۱۲۹ھ تابعی ہیں اور ابوالاسود دوئلی کے شاگرد ہیں۔ تفضیل اہل بیت کے قائل تھے۔

(۵) عطاء بن ابی الاسود متوفی ۱۳۰ھ علم نحو کے بہت بڑے عالم اور ماہر تھے۔ یہ سب حضرات ایک ہی طبقہ سے متعلق ہیں۔

نحاۃ قرن ثانی......(۶) ابو عمر عیسی بن عمر ثقفی متوفی ۱۴۹ھ، عربیت و نحو اور قرأت تینوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ علم نحو میں آپ نے دو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک الاکمال دوسری الجامع دونوں نہایت عمدہ کتابیں ہیں، جن کے متعلق خلیل بن احمد نحوی نے کہا ہے۔

ذهب النحو جمیعا کله غیر مااحدث عیسی بن عمر ذاك اكمال وهذا جامع للناس شمس وقمر

(۷) ابو عمرو بن العلاء بن عمار بن عبداللہ بن الحصین التمیمی المازنی متوفی ۱۵۴ھ ان کے نام کی بابت اکیس اقوال ہیں۔ اصح یہ ہے کہ ان کا نام زبان ہے۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے۔

مشہور ماہر عربیت اور عالم نحو ہیں۔ علم نحو میں نصر بن عاصم لیثی کے شاگرد ہیں اور ان سے یونس بن حبیب، خلیل بن احمد اور ابو محمد علی بن مبارک وغیرہ نے نحو حاصل کیا ہے۔ فی حقہ یقول الفرزوق

مازلت اغلق ابوابا وافتحها حتی اتیت ابا عمرو بن عمار

کہتے ہیں کہ ان کے علمی دفاتر ان کے گھر کی چھت تک آئے ہوئے تھے آخر عمر میں جب زہد و ورع اختیار کیا تو پورے ذخیرہ میں آگ لگا دی۔

(۸) ابو عبدالرحمن خلیل بن احمد بصری فراہیدی متوفی ۱۶۰ھ سید اہل ادب اور فن عروض کے سب سے پہلے واضع ہیں۔ ابو عمرو بن العلا کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور سیبویہ اور نضر بن شمیل وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عروض کی تقطیع کر رہے تھے۔ اسی حالت میں ان کا صاحبزادہ ان کے پاس آیا اور حالت دیکھ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ میرے والد تو پاگل ہوگئے۔ لوگوں نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے یہ شعر کہا۔

لو کنت تعلم مااقول عذرتنی او کنت اعلم ماتقول عذلتکا

لکن جهلت مقالتی فعذلتنی وعلمت انك جاهل فعذرتكا

(۹) ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبر معروف بسیبویہ متوفی ۱۶۱ھ متقدمین و متاخرین میں سب سے زیادہ عالم نحو ہیں۔ خلیل بن احمد، یونس بن حبیب اور عیسی بن عمر وغیرہ سے علم حاصل کیا اور آپ سے ابوالحسن، اخفش اور قطرب وغیرہ نے تعلیم پائی۔ آپ کی تصنیف "کتاب سیبویہ" علم نحو کی بے نظیر کتاب ہے، جو تمام کتب نحویہ کیلئے امہات الکتب کا درجہ رکھتی ہے۔ وللہ در القائل

الاصلی الملیك صلاة صدق علی عمرو بن عثمان بن قنبر

فان کتابه لم یغن عنه ذوو قلم والانباء منبر

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فیض الباری میں املا کراتے ہیں کہ "فن نحو میں معتبر کتاب رضی ہے اور مسائل کو جمع کرنے کے لحاظ سے الاشمونی ہے اور صحیح معنی میں کتاب تو سیبویہ کی الکتاب ہے۔" مگر وہ بہت دشوار ہے۔ امام جاحظ کہتے ہیں کہ میں نے معتصم باللہ کے وزیر محمد بن عبدالمالک کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو میں نے سوچا کہ ان کیلئے کون سی مفید اور بیش قیمت چیز ہدیہ کے طور پر لے جاؤں بہت فکر و جستجو کے بعد میری نظر انتخاب سیبویہ کی کتاب پر پڑی جو میں نے فراء نحوی کی

میراث سے خریدی تھی۔
(۱۰) ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی متوفی ۱۸۹ھ نحو ولغت اور قرأت کے امام ہیں۔ انہوں نے ابو جعفر رواسی اور معاذ ہراء سے تعلیم پائی۔ ابوزکریا یحیٰی بن زیاد الفراء اور ابو عبیدہ القاسم وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔
(۱۱) ابوزکریا یحیٰی بن زیاد الفراء الکوفی متوفی ۲۰۷ھ کوفیین میں سب سے زیادہ لغت اور فنون ادب سے واقف تھے۔
نحاۃ قرن ثالث...... (۱۲) ابوالحسن سعید بن مسعدہ مجاشعی معروف باخفش متوفی ۲۱۵ھ (وقلیل ۲۲۱ھ) بصرہ کے ممتاز نحاۃ میں سے ہیں اور سیبویہ کے شاگرد ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے علم نحو میں ان کی ایک کتاب "الاوسط" ذکر کی ہے۔
(۱۳) ابوعمر صالح بن اسحاق جرمی متوفی ۲۲۵ھ یہ عالم نحو ولغت ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔ علم نحو اخفش وغیر سے اور علم لغت ابو عبیدہ، ابوزید انصاری اور اصمعی وغیرہ سے حاصل کیا اور علم نحو میں المختصر ایک عمدہ کتاب لکھی جو الفرح کے نام سے مشہور ہے۔
(۱۴) ابوعثمان بکر بن محمد بن عثمان المازنی البصری متوفی ۲۴۹ھ نحو وادب میں اپنے زمانہ کے امام تھے۔ علم نحو میں آپ کی کتاب "علل النحو" عمدہ کتاب ہے۔
(۱۵) ابوالعباس محمد بن یزید معروف بالمبرد بصری متوفی ۲۸۵ھ شیخ عربیت وامام نحو، ابوعمر جرمی، ابوعثمان مازنی اور ابوحاتم سجستانی وغیرہ کے شاگرد ہیں۔ علم نحو میں ان کی کتاب "المقدمہ" کے نام سے مشہور ہے۔
(۱۶) ابوالعباس احمد بن یحیٰی معروف بثعلب متوفی ۲۹۱ھ علم نحو میں ان کی کتاب "الاوسط" جید کتاب ہے۔
(۱۷) ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن السری بن سہل معروف بزجاج نحوی متوفی ۳۱۶ھ اکابر اہل عربیت سے ہیں۔ مبرد اور ثعلب وغیرہ کے شاگرد ہیں۔
(۱۸) ابوبکر محمد بن السری بن سہل معروف بابن السراج متوفی ۳۱۶ھ نحو وادب کے مشہور ائمہ میں سے ہیں۔
(۱۹) ابوالحسن محمد بن احمد معروف بابن کیسان بغدادی متوفی ۳۲۰ھ علم نحو میں ان کی دو کتابیں ہیں۔ ایک "مہذب" دوسری "علل النحو" دونوں عمدہ ہیں۔
نحاۃ قرن رابع......(۲۰) ابوجعفر احمد بن محمد معروف بنحاس نحوی متوفی ۳۳۸ھ ان کی بھی دو کتابیں ہیں۔ ایک "تفاحہ" دوسری "الکافی"
(۲۱) ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن اسحاق زجاجی متوفی ۳۳۹ھ ان کی کتاب "الجمل الکبیرہ" بڑی مبارک اور بہت نافع کتاب ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے یہ کتاب مکہ مکرمہ میں اس طرح تالیف فرمائی کہ ہر باب لکھنے کے بعد بیت اللہ کا طواف کرتے اور اپنے لئے مغفرت کی اور خلق خدا کیلئے اس کتاب سے انتفاع کی دعا کرتے۔
(۲۲) محمد بن مرزبان متوفی ۳۴۵ھ مشہور نحوی ہیں مبرد اور زجاج کے شاگرد ہیں۔ طبیعت میں کچھ بخل تھا۔ اس لئے کتاب سیبویہ پڑھانے پر ایک سو اشرفیاں لیتے تھے اس کے بغیر پڑھاتے نہ تھے۔ انہوں نے کتاب سیبویہ کی ایک شرح لکھی ہے جو ناتمام ہے۔
(۲۳) ابومحمد عبداللہ بن جعفر معروف بابن درستویہ الفارسی متوفی ۳۴۷ھ مشہور ادباء ونحاۃ میں سے ہیں۔ ابوالعباس مبرد اور عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کے شاگرد ہیں۔ نحو میں ان کی کتاب "الارشاد" بہت عمدہ ہے۔
(۲۴) ابوسعید حسین بن عبداللہ بن المرزبان معروف بسیرافی متوفی ۳۶۸ھ اکابر فضلاء وافاضل ادباء میں سے ہیں اور فن عربیت میں تو آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ عظیم الشان تصنیف شرح سیبویہ جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر اس کے علاوہ آپ کی کوئی اور تصنیف نہ ہوتی تب بھی یہ کافی تھی۔

(۲۵) حسین بن احمد معروف باابن خالویہ ہمدانی متوفی ۳۷۰ھ مشہور نحوی ہیں۔ علم نحو میں جمل نامی کتاب انہیں کی ہے۔

(۲۶) ابو علی حسن بن احمد بن عبد الغفار الفارسی متوفی ۳۷۵ھ اکابر ائمہ نحو میں سے ہیں بلکہ بعض حضرات نے آپ کو ابو العباس مبرد پر فضیلت دی ہے۔ ابو طالب عبدی کہتے ہیں کی سیبویہ اور ابو علی کے درمیان آپ سے افضل کوئی ہوا ہی نہیں۔ آپ ابو بکر بن السراج اور ابو اسحاق کے تلامذہ میں ہیں۔ ابو الفتح عثمان بن جنی، علی بن عیسی ربعی، ابو طالب عبدی اور ابو الحسن زعفرانی وغیرہ نے آپ سے علم نحو حاصل کیا ہے۔ نحو میں آپ کی کتاب "الایضاح" ۱۹۶ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں سے ایک سو ابواب علم نحو میں ہیں اور باقی تعریف میں۔ دوسری کتاب "التکملۃ" ہے۔

(۲۷) ابو الحسن علی بن عیسی الرمانی متوفی ۳۸۲ھ۔ ابو بکر بن السراج اور ابو بکر بن درید وغیرہ کے شاگرد ہیں۔ علم نحو، علم لغت، علم فقہ اور علم کلام وغیرہ میں ماہر و متجر تھے۔

(۲۸) ابو الفتح عثمان بن جنی الموصلی ۳۹۲ھ بڑے اونچے درجے کے ادیب اور عالم نحو و تصریف تھے۔ علم تصریف میں آپ سے بڑھ کر کسی کی تصنیف نہیں۔ آپ نے ابو علی فارسی سے علم حاصل کیا اور چالیس سال ان کی خدمت میں رہے۔ ابو القاسم ثمانینی، ابو احمد عبد السلام بصری اور ابو الحسن علی بن عبد اللہ سمسمی وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ کی کتاب "الخصائص" اور "اللمع" نحوی شاہکار ہیں۔

اہل کوفہ واہل بصرہ کے نحوی جھگڑے ...... یہ بات تو مسلم ہے کہ علماء کوفہ اور علماء بصرہ دونوں نے علم نحو پر خوب شرح وبسط کے ساتھ کام کیا ہے لیکن علم نحو کی ایجاد و تدوین میں فضیلت کا سہرا علماء بصرہ کے سر ہے۔ انہیں میں ابو الاسود دؤلی موجود علم نحو اور ابن اسحاق حضرمی مبین قوانین نحو اور ہارون بن موسی ضابط نحو ہیں، جب علم نحو بصرہ اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ میں پھیل چکا تو اہل کوفہ نے اس میں حصہ لینا شروع کیا اور انہوں نے پہلے یہ علم بصریوں ہی سے سیکھا، پھر اس کے پڑھنے پڑھانے، مدون کرنے اور شرح وتفصیل میں انہوں نے بصریوں سے برابری اور مقابلہ شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ فریقین میں چپقلش اور کشمکش رہنے لگی اور فریقین میں سے ہر ایک کا جداگانہ مذہب ہو گیا جس کی ہر ایک فریق تائید و مدد کرتا تھا۔ مخالفت کی بنیاد یہ تھی کہ اہل بصرہ سماع کو ترجیح دیتے اور صرف بصورت مجبوری قیاس کی اجازت دیتے تھے، روایت کے سختی سے پابند اور صرف خالص فصیح عربوں کو قابل سند سمجھتے تھے اور اس قسم کے عربوں کی بصرہ اور اس کے مضافاتی علاقوں میں کثرت تھی، اہل کوفہ نبطیوں اور اہل سواد کے اختلاط کی وجہ سے بیشتر مسائل میں قیاس پر اعتماد کرتے اور ان عرب دیہاتیوں کو بھی قابل سند سمجھتے تھے۔ جن کی فصاحت بصری تسلیم نہیں کرتے تھے، لیکن اہل کوفہ چونکہ عباسیوں کے زیر سایہ اور بنو ہاشم کے حمایتی تھے اور اس لئے بھی کہ کوفہ بغداد سے زیادہ قریب تھے۔ عباسیوں نے کوفیوں کو ترجیح دی اور اس کی وجہ سے کوفیوں کا مذہب دار الخلافہ میں پھیل گیا اور جب فریقین کے جھگڑے بڑھتے ہی چلے گئے اور انتہائی شباب پر پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں شہر ویران ہو گئے کہ یہاں کے علماء بغداد منتقل ہو گئے۔ جہاں بغدادیوں کا مذہب پیدا ہوا جو ان دونوں مذہبوں کا آمیزہ تھا۔ جس طرح علم نحو کے اندلس میں پہنچنے سے اندلسیوں کا ایک مذہب پیدا ہو گیا تھا، لیکن ابھی چوتھی صدی کا آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ ہر دو مذہب کے شہسوار دنیا سے رخصت ہو گئے اور فریقین کے حمایتیوں کی طاقت کمزور ہو گئی اور اس طرح یہ جھگڑا ختم ہو گیا۔ بعد میں آنے والے مولفوں نے بصری مذہب کو اساسی حیثیت دی اور مذہب کوفی میں سے انہوں نے صرف اس کے اختلافات بتانے پر اکتفاء کیا، بعد ازاں اس علم نے وسعت اختیار کر لی۔ متاخرین نے اس کے طول کو مختصر کیا اور صرف اصول ومبادی پر اکتفاء کیا۔ جیسے "التسہیل" میں ابن مالک نے اور "مفصل" میں زمخشری نے کیا ہے۔ درس نظامی میں علم نحو کی حسب ذیل کتابیں داخل نصاب ہیں۔ ماتہ عامل،

کافیہ، ہدایت النحو، نحو میر، شرح مائۃ عامل، شرح جامی، الفیہ، شرح ابن عقیل

(۱۷) علم معانی

لغوی تحقیق...... معانی معنی کی جمع ہے جو عنایت بمعنی توجہ سے ماخوذ ہے، معنی (بکسر نون ویائے معروف) بمعنی مطلب و مقصد اسم ظرف ہے اور معنیٰ (بفتح نون والف مقصورہ) بمعنی مراد و مطلوب، مدعا و منشاء وغیرہ اسم مفعول ہے جو دراصل معنوی تھا تعلیل و تخفیف کے بعد معنی ہو گیا۔

اصطلاحی تعریف...... معانی وہ علم ہے جس سے عربی لفظ کے وہ حالات معلوم ہوتے ہیں جن کے ذریعہ لفظ مقتضی الحال کے مطابق ہوتا ہے۔ بالالفاظ دیگر معانی وہ علم ہے جس کے قواعد مستحضر رکھنے سے کلمہ اور کلام کو باموقع استعمال کرنا آجاتا ہے، علامہ سکاکی نے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ علم معانی خواص تراکیب کلام بلغاء کے تتبع کو کہتے ہیں تاکہ ان خواص پر آگہی ہو جانے سے کلام کو مقتضی الحال کے مطابق کرنے میں غلطی واقع ہونے سے احتراز ہو سکے۔ (والتفصیل فی شرحنا نیل الامانی)

موضوع...... تراکیب بلغا بایں حیثیت کہ وہ مقتضائے حال کے مطابق ہوں۔

غرض وغایت...... کلام کو مقتضاء حال کے مطابق ترکیب دینے میں خطاء واقع ہونے سے بچنا۔

تدوین...... تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے پہلے اس علم میں جعفر بن یحییٰ برمکی متوفی ۱۸۷ھ نے اس علم کے متعلق چند ابتدائی اصول لکھے، مگر وہ اصول اور ان کا محل اقتباس ہمارے سامنے نہیں ہے اور نہ کسی مصنف نے ان کی طرف رہنمائی کی ہے۔

ان کے بعد ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب معروف بجاحظ اصفہانی متوفی ۲۵۵ھ میں جن کو بعض حضرات نے علم معانی کا مدون اول کہا ہے ان کی کتاب "البیان والتبیین" بیان فصاحت وبلاغت اور فضل بیان وغیرہ کے سلسلہ میں مباحث کثیرہ نفیسہ پر مشتمل ہے اور اس میں اخبار مختلہ و خطیب منتخبہ کو رنگین پیرایہ میں ذکر کیا ہے۔ کتاب قابل دید ہے۔ مصر میں کئی مرتبہ طبع ہوئی مگر پھر بھی آج کل نایاب ہے۔

ان کے بعد شیخ ابو بکر عبد القاہر بن عبد الرحمٰن جرجانی متوفی ۴۷۴ھ ہیں جن کے حالات مائۃ عامل کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ علم معانی میں ان کی کتاب "دلائل الاعجاز" اس فن کی مایہ ناز کتاب ہے۔ جس میں موصوف نے تمام مباحث کو یکجا کر دیا ہے۔ ان کے بعد ابو یعقوب سراج الدین یوسف بن ابی بکر محمد بن علی خوارزمی سکاکی متوفی ۶۲۶ھ ہیں۔ جن کی عرق ریزی سے اس علم کی تشنہ لبی دور ہوئی اور تہذیب و ترتیب سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا، آپ کی کتاب "مفتاح العلوم کو جو شہرۂ عامہ حاصل ہے" اس سے دنیائے علم معانی کا بچہ بچہ واقف ہے۔ حتی قیل فیہ از لم یدر مثلہ فی الاوائل والاواخر موصوف کی یہ کتاب تین قسموں پر منقسم ہونے کے بعد بارہ علوم صرف و نحو منطق و عروض وغیرہ پر مشتمل ہے اور قسم ثالث علم بلاغت کیلئے مخصوص ہے۔

(۱۸) علم بیان

لغوی معنی...... بیان کے لغوی معنی ظاہر و واضح ہونے کے ہیں۔ باب ضرب سے آتا ہے، اس فصیح گفتگو کو بھی کہتے ہیں جو مافی الضمیر کو ادا کرے۔

اصطلاحی تعریف...... علم بیان وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے ایک مفہوم کو متعدد طرق سے ادا کرنے کا ڈھنگ معلوم ہو بایں طور کہ ان طرق میں بعض معنی مرادی پر دلالت کرنے میں دوسرے بعض طرق کی بہ نسبت اجلی و واضح ہوں، خواہ یہ متعدد طرق بطریق کنایہ ہوں یا بطریق مجاز یا بطرق تشبیہ یا بطریق کنایہ جیسے یوں کہا جائے۔

زید مہزول الفصیل، زید جبان الکلب، زید کثیر الرماد، ان ترکیبوں میں زید کی سخاوت کو بطریق کنایہ ثابت کیا گیا ہے کیونکہ بچھڑے کا دربل ہونا یہ بتا رہا ہے کہ اس کو ماں کا دودھ نہیں ملتا بلکہ سب مہمانوں کی ضیافت میں کام آجاتا ہے۔ اسی طرح کتے کے بزدل ہونے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مہمانوں کی کثرت آمدورفت سے ایسا مانوس ہو گیا کہ کسی کو بھونکتا ہی نہیں، نیز راکھ کا بکثرت ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے یہاں لکڑیاں بکثرت جلتی ہیں جو مہمانوں کیلئے بکثرت کھانا پینے کی طرف اشارہ ہے۔ ان تینوں طریقوں میں گو ایک ہی معنی کی تعبیر ہے لیکن وضوح وخفا میں تینوں مختلف ہیں۔ جن میں کثرت رماد واضح تر ہے، مذکورہ ذیل اشعار میں معنی واحد یعنی جود و کرم کو اسالیب متعددہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

هو البحر من اى النواجى تيته — فلجته المعروف والحود ساحله

كالبحر يقذف للقريب جواهرا — جوادويبعث للبعيد سجائبا

علا فما يستقر المال فى يده — وكيف تمسك ماء قنة الجبل

كائنه حين يعطى المال متبسما — صوب الغمامة تهمى دهى تاتلق

تحقیق بیان بلسان جاحظ...... امام جاحظ اپنی کتاب "البیان والتبیین" میں لکھتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ معانی جو صدور عباد کے ساتھ قائم، اذہان بنی آدم میں متصور، بشری نفوس کے ساتھ پیوست، انسانی قلوب سے متصل اور ان کے افکار وانظار کی تگ ودو سے پیدا ہوئے ہیں وہ بذات خود مستور و خفی، بعید ووحشی، محجوب ومکنون اور ایک اعتبار سے موجود تو دوسرے اعتبار سے معدوم ہوتے ہیں جن میں حیات وزندگی اسی وقت آتی ہے جب ان کو تذکر واستعمال میں لایا جائے اور اعلام واخبار سے روشناس کیا جائے، یہی ایک طریق ہے جو معانی کو قریب از فہم کر کے خفی کو ظاہر، غائب کو شاہد، بعید کو قریب، مہمل کو مقید، مقید کو مطلق، مجہول کو معروف، وحشی کو مالوف، غیر ممیز کو موسوم اور موسوم کو معلوم بنا دیتا ہے اور اسی طریق کے ظہور وخفاء کے بقدر معانی میں ظہور وخفاء آتا ہے کہ جس قدر دلالت افصح ہو گی اسی قدر انفع وانجع ہو گی پس اسی معنی خفی پر دلالت ظاہرہ کا نام "بیان" ہے جس کی بابت حق تعالی کا ارشاد ہے۔

الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البيان اور ماہرین فن نے کہا ہے کہ البيان بصر والمعى عمى كما ان العلم بصر والجهل عمى کہ بیان بینائی ہے اور نطق وگویائی سے عاجز ہونا اندھاپن ہے۔ جیسے علم بصیرت ہے اور جہالت اندھاپن ہے۔

سہل بن ہارون کا قول ہے "العقل رائد الروح والعلم رائد العقل والبيان ترجمان العلم کہ عقل رائد روح ہے اور علم رائد عقل اور بیان ترجمان علم، ابن التوام کا قول ہے "الروح عماد البدن والعلم عماد الروح والبيان عماد العلم کہ روح بدن کیلئے، علم روح کیلئے اور بیان علم کیلئے ستون ہے۔ نیز کسی کا قول الحياة المرؤة الصدق وحياة الروح العفاف وحياة الحلم السلم وحياة العلم البيان کہ مروت کی بقاء وزندگی صداقت سے ہے اور روح کی زندگی پاکدامنی سے اور حلم وبردباری کی زندگی علم سے اور علم کی زندگی بیان سے۔

موضوع...... وضوح وخفاء دلالت کے اعتبار سے الفاظ وعبارات اس علم کا موضوع ہیں۔

غرض وغایت...... معنی واحد کو تراکیب مختلفہ کے ساتھ بیان کرنے کا طریقہ معلوم کرنا۔

تدوین...... اس فن میں سب سے پہلے شیخ سیبویہ اور موجد عروض خلیل بن احمد بصری ویونس بن حبیب کے شاگرد رشید ابو عبیدہ معمر بن مثنی تیمی متوفی ۲۰۹ھ نے ایک کتاب "مجاز القرآن" کے نام سے لکھی ہے جس میں انواع اسالیب قرآن کو حتی الامکان جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف نے کتاب مذکور میں آیت کریمہ طلعها كانه رؤس الشياطين (اس میں سے پھوٹنے والے شگوفہ کا خول ایسا ہے جیسے شیطان کے سر کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تشبیہ اسی قسم کی ہے جیسے امری القیس کے اس شعر میں ہے۔

ؔ ایقلنی والمشرفی مضاجعی ومسنونة رزق کانیاب اغوال

کہ اس میں مرئی و محسوس شئی کو غیر مرئی و غیر محسوس شئی سے تشبیہ دی گئی۔
اس کے بعد ابو علی محمد بن حسن حاتمی متوفی ۳۸۸ھ کی سر الصناعۃ واسرار البلاغۃ اور شمس المعالی قابوس بن دشمگیر مقتول ۴۰۳ھ کی "کمال البلاغۃ" بھی اس فن کی عمدہ کتابیں ہیں۔
ان کے بعد ابوالحسن محمد بن الطاہر شریف رضی موسوی متوفی ۴۰۶ھ نے زیر بحث علم سے متعلق دو کتابیں لکھیں۔ ایک تلخیص البیان عن مجازات القرآن دوسری مجازات النبویہ جن میں قرآن و حدیث کے استعمارات بدیعہ واسرار لطیفہ اور حضور اکرم ﷺ کے اقوال موجزہ سے گفتگو کی ہے۔
اس کے بعد ابو منصور عبد الملک بن محمد ثعالبی متوفی ۴۲۹ھ کی سحر البلاغہ وسر البراعۃ بھی بہت خوب ہے۔
ان کے بعد شیخ ابو بکر عبد القاہر بن عبد الرحمٰن جرجانی متوفی ۴۷۴ھ کی "اسرار البلاغۃ" اس فن کی مایہ ناز کتاب ہے جس میں اس فن کی تمام مباحث کو یکجا کر دیا گیا ہے۔
ان کے بعد فاضل بے مثل محمود بن عمر علامہ جار اللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ کی خدمات بھی لائق تحسین و قابل شکر ہیں۔ ان کی کتاب "اساس البلاغۃ" اس فن کی شہرہ آفاق کتاب ہے جو حقائق و دقائق فن سے پر ہے۔

(۱۹) علم بدیع

لغوی تحقیق...... بدیع بروزن فعیل بمعنی انوکھا، نو ایجاد شئی، بدع الشئی سے مشتق ہے۔ بمعنی کسی چیز کو بلا نمونہ ایجاد کرنا، اسی لئے لفظ بدیع اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ قال تعالیٰ "بدیع السموت والارض" نیز یہ لفظ بٹی ہوئی رسی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ گویا وہ کلام جس کا تزین وجوہ محسنہ بدیعیہ کے ذریعہ تام ہو جائے وہ ایسا ہے جیسے تلہڑ بٹی ہوئی رسی کہ مضبوط بھی ہوتی ہے اور خوبصورت بھی۔
اصطلاحی تعریف...... بدیع وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے تحسین کلام کے ایسے طرق و ضوابط معلوم ہوں جن کا اعتبار کلام کے فصیح و بلیغ ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ جیسے جناس اور مراعاۃ النظیر وغیرہ، یا الفاظ دیگر بدیع وہ علم ہے جن کے جاننے سے ان تمام لفظی و معنوی خوبیوں سے واقفیت ہو جائے جو کلام میں بطور آرائش آتی ہیں۔
موضوع...... بحیثیت مذکورہ تراکیب بلغاء اس علم کا موضوع ہیں۔
غرض و غایت...... فصیح اور مقتضائے حال کے مطابق کلام میں زیادہ حسن و خوبی پیدا کرنے کے طریقے معلوم کرنا۔
تدوین...... فن بدیع میں جو کتاب سب سے پہلے تالیف ہوئی وہ امیر المومنین ابو العباس المرتضیٰ باللہ، عبد اللہ بن المعتز المتوکل علی اللہ متوفی ۲۹۶ھ کی "کتاب البدیع" ہے جس کو کسی جرمن سوسائٹی نے شائع بھی کر دیا ہے۔ امیر موصوف ہی نے اس فن کو ایجاد کیا اور اسی نے اس کا یہ نام تجویز کیا تھا۔ علامہ الصبان نے نقل کیا ہے "ان اول من اخترع البلیع وسماہ بھذاالا سم عبداللہ بن المعتز" خود امیر موصوف نے کتاب کے آغاز میں کہا ہے "وماجمع قبلی فنون البدیع احد" مجھ سے پہلے کسی نے فن بدیع کو جمع نہیں کیا۔ موصوف کی یہ کتاب جو علم بدیع کی سترہ انواع پر مشتمل ہے صرف اسی وجہ سے قابل قدر نہیں ہے کہ وہ ایک عالی دماغ بادشاہ کی لکھی ہوئی ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ آپ نے اس میں انواع بدیع کو جمع کرنے میں کافی عرق ریزی کی ہے۔
امیر موصوف کے بعد ابو الفرج قدامہ بن جعفر بن قدامہ متوفی ۳۳۷ھ نے تیرہ کا اضافہ کر کے انواع بدیع کو تیس تک پہنچایا۔ آپ کی کتاب "نقد النثر" بڑی لاجواب وعدیم المثال کتاب ہے۔ جس میں قیاس، حسد، وصف، رسم، انواع بحث،

ؔ کیا وہ مجھے قتل کر دے گا۔ حالانکہ تیز تلوار میرے پہلو میں لٹکی ہے اور نوکیلی تیز دھار والی جو بھوتوں اور چڑیلوں کے نکیلے دانتوں کی طرح ہے۔ ۱۲

انواع سوال وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز اشتقاق، تشبیہ اور اس کے اقسام لحن، رمز، وحی، استعارہ، امثال، نفر، حذف ودواعی حذف، مبالغہ اور اس کے اقسام، قطع وعطف، تقدیم وتاخیر، محاسن شعر وغیرہ میں سے ہر ایک کو مستقل باب میں ذکر کیا ہے۔

موصوف کی دوسری کتاب "نقد الشعر" ہے جس میں حد شعر، اسباب جودۃ شعر، وزن قافیہ، ترصیع، تمثیل، مبالغہ اور اقسام تشبیہ، مقابلہ، تفسیر، تیمیم، تکافو، التفات، مساوات، اشارہ اور ارداف وغیرہ کی بحث ہے۔ تیسری کتاب "جواہر الالفاظ" ہے جس میں الفاظ وعبارات مترادفہ سے گفتگو کی ہے اور اس کا آغاز ایک مقدمہ سے کیا ہے جس میں ترصیع، سجع، التاق بنا، اعتدال وزن، اشتقاق لفظ من اللفظ، عکس وغیر کا تذکرہ ہے۔ قدامہ کے بعد ابوہلال حسن بن عبداللہ بن سہل عسکری متوفی ۲۹۵ھ نے تیس پر سات کا اضافہ کر کے انواع بدیع کو ۳۷ تک پہنچایا، موصوف کی کتاب "الصناعتیں" اپنے موضوع کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ آپ نے ابتداء کتاب میں بلاغت کے معنی اور اس کی تفسیر میں جو اختلاف ہے اس کو ذکر کرتے ہوئے ہر قول کو امثلہ کثیرہ کے ساتھ موید کرنے کے بعد مضمون کتاب کو چند ابواب پر مشتمل کیا ہے۔ جس میں معرفۃ صناعۃ کلام، حسن السبک، جودۃ الرصف، ایجاز واطناب، سرقات شعریہ، تشبیہ سجع اور ازدواج وغیرہ پر محققانہ گفتگو کی ہے۔ نیز ایک باب میں بدیع کی ۳۷ انواع ذکر کی ہیں۔ جس میں استعارہ، کنایہ، تعریض، تذییل اور اعتراض کو بدیع سے شمار کیا ہے۔ متاخرین نے ان امور کو بدیع سے شمار نہیں کیا۔

ان کے بعد شیخ اہل السنۃ قاضی ابوبکر محمد بن الطیب بن محمد جعفر بن القاسم باقلانی متوفی ۴۰۳ھ میں، جن کی کتاب اعجاز القرآن ہے، وجوہ اعجاز میں علماء سابقین کے جو اقوال ہیں ان کو ذکر کرنے کے بعد آپ کے نزدیک جو قول ناہض الدلیل اور مستقیم الحجۃ تھا اس کو اختیار کیا ہے۔ اس کے بعد اشعار عربیہ کثیرہ پر منصفانہ تنقید وتبصرہ، ملک الشعراء، امرء القیس کے قصیدہ لامیہ کی تشریح، علم بدیع سے متعلقہ امور کی وضاحت، بحری کے قصیدہ لامیہ پر تنقید اور اس کے اشعار کے عیوب کا اظہار کرتے ہوئے تعریف بلاغۃ، ذکر استعارہ، حسن، تشبیہ، غلو، مماثلہ، تجنیس، مقابلہ، موازنہ، مساواۃ، اشارہ، ایغال، توشیح، تکافو، کنایہ، تعریض، عکس، تبدیل، اعتراض، رجوع، تذییل، استطراد اور تکرار وغیرہ میں سے ہر ایک کو حسب مایقتضیہ المقام ذکر فرمایا ہے۔ نیز امور مذکورہ میں سے ہر ایک کو ذکر کرتے وقت امثلہ دو شواہد سے موشح کرنے کے بعد صنعت، محوث عنہا سے متعلق آیات قرآنیہ ذکر کرنے سے کتاب کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔

ان کے بعد ابو علی حسن بن رشیق قیروانی ازدی متوفی ۴۵۶ھ اور شرف الدین تیفاشی نے مزید انواع کے استخرج سے انواع بدیع کو ستر تک پہنچادیا۔

ابن رشیق کی ایک کتاب "العمدہ فی محاسن الشعر وآدابہ" ہے جس میں موصوف نے فن شعر سے متعلق جملہ امور کا ذکر کرنے کے بعد بلاغۃ، ایجاز، بیان، نظم، بدیع، مجاز، تمثیل، تشبیہ، اشارہ اور اس کی انواع، تعریض، کنایہ، رمز، محاجاۃ وغیرہ اور تتبیع، تجنیس، تصدیر، مطابقۃ، مقابلہ، موازنہ اور تقسیم وغیرہ میں سے ہر ایک کو مستقل باب میں بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد ابن الاصبع نے اس موضوع پر مستقل چالیس کتابوں کا مطالعہ کر کے بیس انواع مزید پیدا کیں اور ابن ابی الاصبع کے بعد ابن منقذ نے کتاب "التفریع فی البدیع" میں پچانوے انواع کو جمع کیا اور جب صفی الدین الحلی کا زمانہ آیا تو انہوں نے اپنے قصیدہ بنویہ میں ایک سو چالیس انواع کو جمع کیا، اور شیخ ابن حجہ حموی متوفی ۸۳۷ھ کی تالیف "خزانۃ الادب" میں پہنچتے پہنچتے یہ انواع ایک سو بیالیس ہو گئیں۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ میں نے ایک رسالہ بدیعیہ دیکھا ہے۔ جس میں دو سو سے بھی زائد انواع کا تذکرہ تھا، علامہ سکاکی نے اصولی طور پر صرف انتیس انواع کا ذکر کیا ہے اور یہ کہہ دیا ہے۔

لك ان تستخرج من هذا، القبيل ماشئت وتلقب كلامن ذلك ماأحببت

علم منطق

لغوی معنی...... منطق نطق سے ہے۔ نطق (ض) نطقا، منطقا، بولنا، نطق کا استعمال، نطق فارجی (ظاہری) یعنی گفتگو پر بھی ہوتا ہے۔ مفرد ہو یا مرکب، مفید ہو یا غیر مفید، اور نطق داخلی (باطنی) یعنی فہم وادراک کلیات پر بھی، منطق بروزن مضرب اسم ظرف سے بمعنی جائے نطق یا مصدر میمی ہے بمعنی گویائی، لہجہ، خوش کلامی، گفتگو، کبھی انسان کے علاوہ کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ قال تعالیٰ "وعلمنا منطق الطير" قال الراغب ولايقال لغير الانسان الاعلى التبع نحو الناطق والصامت ميزاد بالناطق ماله صورت يالصامت مالا صوت له

اصطلاحی تعریف...... علم منطق جس کو علم میزان بھی کہتے ہیں، ایک ایسا علم عملی اور قانونی آلہ ہے جس کی رعایت ذہن کو خطاء فی الفکر سے بچاتی ہے۔ قال السيد الجرجاني في التصريفات، المنطق آلة قانونية تعصم مراعتها الذهن عن الخطاء في الفكر فهو علم عملي الي كما ان الحكمة علم فطري غير الي

وجہ تسمیہ...... علم منطق کو منطق اس لئے کہتے ہیں کہ نطق کا اطلاق ظاہری یعنی تکلم پر اور نطق باطنی یعنی ادراک معقولات پر بھی ہوتا ہے اور اس فعل کے مصدر و مظہر انفعال یعنی نفس ناطقہ پر بھی ہوتا ہے اور اس علم کے ذریعہ تکلم میں تقویت وادراک میں تسدید آتی ہے۔ جس کی وجہ سے نفس ناطقہ کو ہر دو کمال یعنی تکلم فصیح اور ادراک صحیح حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ذریعہ سے نفس ناطقہ تکلم فصیح اور علی وجہ الصواب ادراک معقولات پر قادر ہو جاتا ہے (کذافی شرح المطالع) پس لفظ منطق مصدر میمی ہے جو اس فن کیلئے بطور مبالغہ بولا جاتا ہے۔ گویا منطق ہی بعینہ نطق ہے، یا اسم ظرف ہے بایں معنی کہ وہ محل نطق ہے، یا اسم آلہ ہے۔ جیسا کہ اس کی تعریف مشہور "آلة قانونية" سے مفہوم ہوتا ہے۔ اس صورت میں لفظ منطق کی میم کا فتحہ غلط ہوگا۔ کیونکہ اسم آلہ کا میم مکسور ہوتا ہے، نیز جو لوگ منطق کی طاء کو مفتوح بولتے ہیں یہ بھی غلط ہیں اس واسطے کو لفظ نطق باب ضرب سے ہے جس کے ظرف میں ماقبل آخر مکسور ہوتا ہے۔

موضوع...... معرف اور حجت یعنی وہ معلومات تصوریہ وتصدیقیہ جن سے مجہولات تصوریہ وتصدیقیہ کو معلوم کیا جائے۔

غرض وغایت...... ذہن کو خطاء فی الفکر سے بچانا بالفاظ دیگر نظر وفکر میں غلطی واقع ہونے سے بچنا۔

تدوین...... منطق ایک فطری علم ہے کسی مقصد پر دلیل وبرہان پیش کرنا، قیاس کر کے نتیجہ نکالنا، افکار ذہنیہ کو خطاء سے بچانا، اسی کا نام منطق ہے اور معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس کی کوشش کرتا ہے لیکن اس علم کا باضابطہ اظہار سب سے پہلے حضرت ادریسؑ سے ہوا، مخالفین کو عاجز وساکت کرنے کیلئے بطور معجزہ اس کا استعمال کیا گیا۔ پھر اس کو یونانیوں نے اپنایا، یونان کے رئیس حکیم ارسطو نے جو ۳۸۴ھ قبل از مسیح تھا، سب سے پہلے حکمت اور منطق دونوں کو مدون کیا۔ اسی لئے اس کو معلم اول کہتے ہیں، پھر ہارون اور مامون کے عہد میں فلسفہ یونانی عربی میں منتقل ہوا تو منصور سامانی نے ابونصر محمد بن محمد بن طرقان فارابی متوفی ۳۳۹ھ کو دوبارہ تدوین کا حکم دیا۔ اس وجہ سے وہ معلم ثانی کہلاتا ہے۔ مگر چونکہ اس کی تحریر کچھ منتشر تھی اس وجہ سے سلطان مسعود نے شیخ ابو علی حسین بن عبداللہ معروف بابن سینا متوفی ۴۲۸ھ کو تیسری بار منطق و فلسفہ کی تدوین کا حکم دیا۔ اس لئے بو علی سینا کو معلم ثالث کہتے ہیں اور اسی کی مدون شدہ حکمت ومنطق اس وقت رائج ہے۔

تدوین منطق کی یہ اجمالی تاریخ ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ حکمت وفلسفہ کے ذیل میں پیش کی جائے گی۔

علم منطق اور اس کی مستقل فنی حیثیت...... حکمائے قدیم کے یہاں علم منطق علوم الٰہیہ کی حیثیت رکھتا تھا، یعنی وہ خود مقصود بالذات علم نہ تھا بلکہ علوم حکمیہ کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا، لیکن متاخرین حکماء اسلام نے اس میں جو تغیرات کئے ان کی وجہ سے وہ ایک مستقل علم بن گیا اور سب سے پہلے امام رازی نے اس کو ایک مستقل علم بنایا۔ چنانچہ علامہ

ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

ثم تکلموا فیما وضعوہ من ذلک کلا مامستجرا ونظر وافیہ من حیث انہ فن براسہ لامن حیث انہ آلۃ للمعلوم فطال الکلام فیہ واتسع واول من فعل ذلک الامام فخر الدین الخطیب ومن بعدہ افضل الدین الخونجی

پھر متاخرین نے منطق کی جو شکل قائم کی اس میں بڑے وسیع پیمانے پر کلام کیا اور اس کو اس حیثیت سے دیکھا کہ وہ ایک مستقل فن ہے۔ اس میں بڑی لمبی چوڑی بحث پیدا ہو گئی اور سب سے پہلے ایسا امام رازی نے کیا اور ان کے بعد افضل الدین الخونجی نے۔

پس منطق کی جو موجودہ شکل ہے اس کے بانی اول امام فخر الدین رازی ہیں۔

منطق کے متعلق عام نظریہ...... عام طور پر لوگ منطق کا نام سن کر اسی طرح بھاگتے ہیں جیسے لاحول سے شیطان اور بلا سوچے سمجھے کہہ دیتے ہیں کہ علم منطق مفسد اذہان اور مخرب عقائد واصول ہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

دع منطلقا فیہ الفلاسفۃ الاولی ضلت عقولھم بجر مغرق
واجنح الی نحو البلاغۃ واعتبر ان البلاء موکل بالمنطق

حافظ ابن القیم منطق کی بابت اپنا نظریہ ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

واعجب المنطق الیونان کم فیہ من انک ومن بھتان
مخبط لجید الاذھان ومفسد لفطرۃ الانسان
مضطرب الاصول والمبانی علی شفامعبر بناہ البانی
کانہ السراب بالقیعان بدالعین الظمئی الحیران
فامہ بالظن والحسبان یرجوشفاء ضلۃ الظلمان
فلم یجدثم سوی الحرمان مغاد بالخیبۃ والخسران
یقرع سن نادم حیران قد ضاع منہ العم فی الامانی

دعا بن الخفۃ فی المیزان

اور یہ نظریہ کوئی آج کا نیا نظریہ نہیں ہے بلکہ شاہ توان عبد اللہ ازبک کے عہد میں جب ملا عصام الدین اسفرائنی کے ذریعہ سے اس علاقہ میں منطق کا کچھ زور بندھا تو ملا عبد القادر بدایونی لکھتے ہیں کہ قاضی ابو المعانی نے ملا عصام کو ان کے طباء کے ساتھ ماوراء النہر سے نکلوا دیا اور نامشروعیت تعلیم و تعلم منطق و فلسفہ کو ثابت کر دیا۔

اوراق منطق سے استنجاء...... صرف یہی نہیں بلکہ ایک روایت بھی دکھائی کہ "بکاغذے کہ منطق دراں نوشتہ باشند استنجاء نمایند باکے نیست" یہ روایت فقہ کی کتاب "جامع الرموز" کی ہے کہ "یجوز الاستنجاء باوراق المنطق" منطق کے اوراق سے استنجاء جائز ہے، کسی نے یہ مقولہ گھڑ لیا۔ من تمنطق فقد تزندق جس نے علم منطق سیکھا وہ زندیق ہو گیا۔

مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اسی واسطے کو علم منطق کی ایجاد نظری و فکری غلطی کے انسداد کیلئے ہے کہ اگر اس کے قواعد و ضوابط کی رعایت و پابندی ہو تو رائے انسانی غلطی سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ پس علم کا مقصد اصلی اصلاح عقل و تصحیح فکر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بہترین مقصود ہے، مخلوقات عالم پر انسان کی اشرفیت و بزرگی کی وجہ عقل ہے اور عقل انسانی نہایت عظیم الشان اور بڑا شریف جوہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بناتا ہے۔

بنطق است و عقل آدمی زادہ فاش چو طوطی سخن گوئے و ناداں مباش

بھلا جو فن اس لطیف ترین جوہر کی اصلاح کرے اس کو مفسد عقول کہنا دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے اگر کوئی اس کو اس

کے صحیح مقصد کے خلاف استعمال کرے تو یہ خود اس کا قصور ہوگا نہ کہ فن کا

عاب المنطق قوم لاعقول لهم　　　　ولیس له اذا عابوه من ضرر

ماضر شمس الضحی والشمس طالعة　　　　ان لایری ضوٴهامن لیس فابصر

چنانچہ مذکورہ بالا واقعہ کی اصلیت بھی یہی تھی۔ جیسا کہ ملا بدایونی نے لکھا ہے کہ

"جب بخارا و سمرقند میں علم منطق و فلسفہ شائع ہوا تو خبیث الطبع شریر طلبہ جہاں کہیں سیدھے سادے سلیم الطبع آدمی کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ گدھا ہے کیونکہ مسلوب ہے اور چونکہ انتقا، عام متلوم انتقاء خاص ہوتا ہے اس لئے سلب انسانیت بھی لازم ہے۔ گویا اس طریقہ سے ہر اچھے بھلے مانس آدمی کو ثابت کر دیا جاتا تھا کہ وہ گدھا ہے، عبداللہ ازبک شاہ توران نے اسی جرم میں طلبہ کو شہر بدر کیا تھا نہ اس لئے کہ منطق و فلسفہ فی نغمہ معیوب شئی ہے کیونکہ منطق و فلسفہ کی اہمیت تو سب کے نزدیک مسلم ہے اسی لئے بعض حضرات نے ان کی تحصیل کو فرض کفایہ بلکہ بعض نے فرض عین تک کہا ہے۔

علم منطق رئیس العلوم ہے...... ہم اس سلسلہ میں چند موثوق و معتبر آراء پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں منطق کی بابت جو غلط فہمی اور بدگمانی ہے وہ دور ہوسکتی ہے۔

ملا کاتب چلپی نے کشف الظنون میں نقل کیا ہے کہ شیخ ابونصر فارانی نے علم منطق کو رئیس العلوم کہا ہے کیونکہ صحت و سقم اور قوت وضعف میں علم منطق جملہ علوم پر حاکم ہے اور چونکہ یہ غیر مقصود بالذات اور علوم کسبیہ نظریہ و عملیہ کی تحصیل کا آلہ و ذریعہ ہے اس لئے شیخ رئیس ابوعلی ابن سینا نے اس کو خادم العلوم ٹھہرلیا ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں کہ من لم یعرف المنطق فلاثقة له فی العلوم اصلا جو شخص علم منطق سے اچھی طرح واقف نہ ہو وہ علوم میں قابل وثوق نہیں ہے۔

شیخ بوعلی ابن سینا نے تو یہاں تک تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ 'المنطق نعم العون علی ادراك العلوم كلها وقدرفض هذا العلم وجحد منفعة من لم يفهم علم منطق جملہ علوم کے ادراک و تحصیل میں معین و مددگار ہے جو شخص اس کو نہیں سمجھ پاتا وہی اس کو چھوڑتا اور اس کی منفعت کا انکار کرتا ہے۔ حضرت محی الدین مخدومی شیخ جلال الدین عارف رومی فرماتے ہیں۔

منطق و حکمت زبهر اصطلاح　　　　گر بخوانی اندر کے باشد مباح

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنے وصیت نامہ کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔ وخواندان حکمت فلاسفہ لاشئی محض است، کمال دراں مثل کمال مطربان است ودر علم موسیقی کہ موسیقی ہم فنے است از فنون حکمت ریاضی، مگر منطق کہ خادم ہمہ علوم است خواندن آں البتہ مفید است ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے ایک رسالہ میں جس میں آپ نے شاہ بخارا کے سوالوں کے جوابات دیئے ہیں منطق کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی حیثیت آلہ کی ہے اور آلہ کا حکم ہمیشہ اس چیز کا تابع ہوتا ہے۔ جس کا اسے آلہ بنایا جائے، پھر آپ نے توپ و بندوق کی مثال دے کر فرمایا ۔ "اگر حرب عبادت است مثل جہاد او نیز از قبیل عبادت خواہد شد

"ولبعضهم فی مدح الخود المنطق"

ان رمت ادراك العلوم بسرعة　　　　فعليك بالنحو القويم ومنطق

هذالميزان العقول مرجح　　　　والنحواصلاح اللسان بمنطق

رسالہ "النور" ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ کی اشاعت میں حضرت تھانوی قدس سرہ کی رائے گرامی بایں الفاظ درج ہے۔

ہم تو جیسا بخاری کے مطالعہ میں اجر سمجھتے ہیں۔ میر زاہد امور عامہ کے مطالعہ میں بھی ویسا ہی اجر سمجھتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ نیت صحیح ہو جیسا کہ خود حضرت نے اپنے اس خیال کی توجیہ فرماتے ہوئے تصریح کی ہے کہ کیونکہ اس کا شغل بھی اللہ

کے واسطے ہے اور اس کا بھی۔
کتب منطق...... (۱) محک النظر (۲) معیار العلم۔ یہ دونوں امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ کی ہیں۔
(۳) جامع الدقائق فی کشف الحقائق۔ شیخ نجم الدین ابو الحسن علی بن عمر کاتبی متوفی ۶۵۰ھ کی عظیم الشان جامع اصول و حاوی فروع تصنیف ہے۔ (۴) عین القواعد۔ ابو المعالی نجم الدین علی بن عمر بن علی قزوینی متوفی ۶۷۵ھ کی ہے۔ (۵) بیان الحق (۶) مطالع الانوار۔ یہ دونوں سراج الدین محمود بن ابی بکر آرموی متوفی ۶۸۲ھ کی ہیں۔
(۷) نخبۃ الفکر۔ ابن واصل محمد بن سلام حموی شافعی متوفی ۶۹۷ھ کی ہے۔
(۸) ناظرۃ العین۔ شمس الدین ابو الثناء محمود بن عبد الرحمٰن اصفہانی متوفی ۷۴۹ھ کی ہے۔
(۹) البرہان فی اسرار علم المیزان (۱۰) لوامع الافکار۔
یہ دونوں کتابیں شیخ ایدمر بن علی الجلد کی (من رجال القرن الثامن) کی ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں۔ ان سب میں شیخ ابو علی حسین بن عبد اللہ معروف با بن سینا متوفی ۴۲۸ھ کی کتاب ہے۔
(۱۱) الشفاء اور (۱۲) الموجز الکبیر اس فن کی مایہ ناز اساسی اور بنیادی کتابیں ہیں۔ موصوف کی شفاء اٹھارہ جلدوں میں بتائی جاتی ہے۔

(۲۱) علم المناظرہ

لغوی معنی...... مناظرہ باب مفاعلۃ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں باہم نظر کرنا، مشابہ ہونا، بحث و مباحثہ کرنا، کسی بات پر باہم تکرار کرنا، قاضی آفندی "علم آداب البحث والمناظرہ" میں لکھتے ہیں "المناظرة هي لنظر من الجانبين في النسبة بين الشئيين اظهارا للصواب یعنی مناظرہ کے معنی جانبین سے دو چیزوں کے درمیان نسبت میں بغرض اظہار صواب نظر کرنا ہے (خواہ اظہار صواب فی الواقع ہو یا فی الاعتقاد اس کی تشریح یہ ہے کہ جب دو شخص کسی مدعی مثلاً اثبات وجود صانع کی بابت مخاصمہ کریں پس ان میں سے ایک کہے العالم حادث و کل حادث یحتاج فی وجوده الی محدث فالعالم یحتاج فی وجوده الی محدث اور دوسرا کہے العالم قدیم و کل قدیم غنی عن المحدث فالعالم غنی عن المحدث تو ان دونوں مخاصموں کی نظر برائے اظہار صواب دو چیزوں کے درمیان ایک نسبت میں ہے اور وہ نسبت صانع کا وجود یا عدم وجود ہے۔
اصطلاحی تعریف...... علم مناظرہ وہ علم ہے جس میں اظہار حق کیلئے مطلوب ثابت کرنے اور مد مقابل کی دلیل اور اس کے مدعی کو باطل ٹھہرانے کے قواعد بیان ہوں وقال الصبری هو علم باصول وقواعد كلية يتوصل بها الى معرفة ماقبل توجيه من الدفع والاستدلال ومالايقبل.
مناظرہ، مجادلہ، مظاہرہ...... یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر باہمی تکرار سے متخاصمین کی غرض اظہار حق و صواب ہو تو اصطلاح میں اس کا نام مناظرہ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور اگر صرف الزام خصم کی نیت ہو تو اس کو مجادلہ کہتے ہیں اور اگر محض شیخی کا اظہار اور اپنی بات پر اڑے رہنا مقصود ہو تو اس کو مظاہرہ کہتے ہیں۔
موضوع...... علم مناظرہ کا موضوع اثبات مدعی اور نفی مطالب کے آداب ہیں وقال الصبری موضوعه الابحاث من حيث كونها مرجهة اوغير مرجهة
غرض و غایت...... مباحث جزئیہ میں خطاء واقع ہونے سے ذہن کو بچانا ہے۔ جیسے علم منطق کا موضوع ذہن کو خطائی الفکر سے بچانا ہے، مناظرہ و مباحثہ کا طریقہ تشحیذ ذہن، تحقیق مسائل، علم و فن کی وسعت اور ترقی کیلئے نہایت مفید طریقہ ہے۔ لیکن مسلمانوں میں آج مذہبی مناظرہ کا جو عام طریقہ رائج ہے وہ قطعاً نامناسب ہے، فریق مقابل کی نسبت عموماً لعن و

طعن اور سب و شتم کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں اور سیدھی سی بات بھی کہی جاتی ہے تو نہایت سخت کلامی اور درشتی کے لہجے میں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخالف کو بجائے اس کے کہ ہدایت ہو الٹی اور عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔

تدوین ...... علم مناظرہ اور فن بحث وجدل بھی علوم عقلیہ میں سے ایک قدیم علم ہے جس کا وجود اول یونان ہی میں ہوا۔ حکمائے یونان کی جن تصنیفات کا بعد الاسلام عربی میں ترجمہ ہوا ان میں اس فن کی بھی بعض کتابیں موجود تھیں۔ حکمائے متاخرین کا رئیس امام فلسفہ حکیم ارسطاطالیس متوفی ۳۸۴ھ قبل مسیح جو سکندر بادشاہ کا استاد تھا۔ اس نے فن مذکور میں "طوبیقا" نامی کتاب تصنیف کی تھی۔ عہد اسلام میں اس کا ترجمہ اسحاق نے سریانی زبان میں اور یحییٰ بن عدی نے سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ پھر ہزاروں اوراق میں اس کی شرح بھی لکھی گئی، اس کے علاوہ مسلمانوں کی بھی بہت سی مستقل اور جدید تصنیفات اس فن میں موجود ہیں۔

امام غزالی طریق مناظرہ قائم ہونے کی تاریخ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد جب خلفاء راشدین نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو چونکہ ان کو خود اجتہاد کا درجہ حاصل تھا اس لئے وہ مسائل فقہیہ خود اپنی رائے و اجتہاد سے فیصلہ کرتے تھے۔ خلفاء راشدین کے بعد جو لوگ مسند خلافت پر بیٹھے وہ علوم دینیہ سے کم واقفیت رکھتے تھے۔ اس لئے ان کو فقہاء سے استعانت کی ضرورت پیش آئی، اس زمانہ تک ایسے فقہاء موجود نہ تھے جن میں صحابہ کرام کا انداز پایا جاتا تھا اور اسی لئے وہ سلطنت اور حکومت کے تعلقات سے گریز کرتے تھے، لیکن چونکہ ان کے بغیر افتا، اور عدالت کا کام نہیں چل سکتا تھا خلفاء بنوامیہ کو ان کی خدمت میں منت ولجاجت کرنی پڑتی تھی، یہ حالت دیکھ کر تمام لوگ فقہ پر ٹوٹ پڑے اور فن میں مہارت حاصل کر کے معزز عہدوں پر ممتاز ہوئے، اسی زمانہ میں سلاطین کو مناظرے و مباحثے کے تماشے دیکھنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ سلاطین اور امراء اپنے درباروں میں مجالس مناظرہ منعقدہ کرتے اور علماء ان میں شریک ہو کر آپس میں علمی مباحثے کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس کا عام رواج ہو گیا یہاں تک کہ اگر کسی کے ہاں ماتم پرسی میں بھی علماء جمع ہوتے تو مناظرہ شروع ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ابن السبکی نے طبقات الشافعیہ میں بتصریح اس رواج کا ذکر کیا ہے۔ غرض علماء نے سلاطین کی رغبت دیکھ کر اس کی طرف خاص توجہ کی اور رفتہ رفتہ یہ ایک مستقل فن بن گیا جو آج تک برابر ترقی کرتا جارہا ہے۔

آداب بحث و مناظرہ ...... مباحثہ اور مناظرہ کیلئے چند آداب ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ جو شخص رتبہ میں اپنے سے بلند و بالا ہو اس کے ساتھ کبھی مناظرہ نہ کرے کیونکہ اپنے سے اعلیٰ کے ساتھ مناظرہ کی صورت میں یقیناً اس کو چشم پوشی سے کام لینا ہو گا اور وہ اس کے رعب کی وجہ سے ہر بات تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا جو مناظرہ کیلئے سخت مضر ہے۔ دوم یہ کہ درشت کلامی اور خشمگیں لہجہ سے احتراز کرے۔ کیونکہ یہ مقابل بلکہ تمام اہل مجلس کے تنفر کا باعث ہے۔ سوم یہ کہ ضحک و قہقہہ اور ہنسی مذاق سے اجتناب اور گفتگو نہایت متانت و سنجیدگی سے کرے۔ ورنہ مقابل کے دل سے اس کا وقار اور دبدبہ جاتا رہے گا۔ چہارم یہ کہ دوران گفتگو میں آواز ضرورت سے زائد بلند نہ کرے۔ پنجم یہ کہ کلام میں ایجاز مخل اور اطناب ممل سے گریز کرے۔ ششم یہ کہ کلام میں نادر و غریب الفاظ استعمال نہ کرے۔ ہفتم یہ کہ مقابل کی بات پورے طور پر سمجھنے سے پہلے جواب ہی شروع نہ کرے۔ وغیر ذلک من الآداب۔

بعض الفاظ مصطلحہ کی ضروری تشریح ...... مقدمہ، مباحث قیاس میں اس کا اطلاق اور قضیہ پر ہوتا ہے جو قیاس اور حجت کا جز بنادیا جائے، اور کبھی اس کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جن کے جاننے پر شروع فی العلم موقوف ہو، آغاز کتب میں جو مقدمہ لایا جاتا ہے اس سے عموماً یہی معنی مراد ہوتے ہیں، فن مناظرہ میں مقدمہ کا اطلاق ان چیزوں پر ہوتا ہے جن پر دلیل کی صحت موقوف ہو۔ عام ازیں کہ وہ جز، دلیل ہو یا نہ ہو اس معنی کے اعتبار سے مقدمہ اعم ہوتا ہے اور مقدمات ادلہ و شروط ادلہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔ جیسے شکل اول میں ایجاب صغری اور اس کی فعلیت اور کلیت کبری دلیل، اس قول کو کہتے

ہیں جو ایسے قضایا سے مرکب ہو جن کے لذاتہ تسلیم کر لینے سے قول آخر لازم آجائے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان قضایا کا فی ذاتہ مسلم ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ اس حیثیت میں ہوتے ہیں کہ اگر ان کو سائل تسلیم کرلے تو قول آخر لازم آجائے، اسی قول آخر کو نتیجہ، دعوی اور مدعی کہتے ہیں۔ پس مدعی وہ قول مرکب ہے جس کو معلل سیاق نفی یا سیاق اثبات میں ذکر کرے اور اس کی صحت پر دلیل قائم کرے، مدعی وہ ہے جو کسی حکم نظری کو بذریعہ دلیل یا حکم بدیہی کو بذریعہ تنبیہ ثابت کرنے کیلئے آمادہ ہو۔

منع۔ مقابل کا معلل کی دلیل کے مقدمات میں سے کسی مقدمہ معینہ پر یا علی التعین ہر ہر مقدمہ پر دلیل طلب کرنا "منع" کہلاتا ہے۔ جس کا دوسرا نام مناقضہ ہے۔ اسی کو نقض تفصیلی کہتے ہیں۔ خواہ وہ مقدمہ صغری ہو یا کبری ہو۔ مثلا یوں کہیئے۔ صغری دلیلک او کبراہ غیر مسلمۃ، اوہی ممنوعہ، اوہی غیر واضحۃ، اس میں مقابل مانع اپنے منع پر دلیل قائم کرنے کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میرے نزدیک تمہارا یہ مقدمہ ثابت نہیں۔ پس وہ ایسی دلیل کا طالب ہے جو مقدمہ کو ثابت کردے، البتہ منع کیلئے یہ شرط ضرور ہے کہ جس مقدمہ کو اس نے منع کیا ہے وہ مقدمات اولیہ بدیہیہ مسلمہ میں سے نہ ہو کہ اس کو منع کرنا جائز نہیں۔ بخلاف تجربیات اور متواترات کے کہ ان کو منع کرنا جائز ہے کیونکہ یہ غیر پر حجت نہیں ہوتے الا عند الاشتراک، پھر منع کی دو قسمیں ہیں۔ مصحوب بالسند، غیر مصحوب بالسند، اور سند وہ ہے جس کو مانع یہ سمجھ کر ذکر کرے کہ وہ اس کے منع کیلئے تقویت کا باعث ہے۔ (اس کا واقعۃ مقوی منع ہونا ضروری نہیں) غیر مصحوب بالسند کی مثال معلل کے قول "ہذا نام لانہ حیوان وکل حیوان نام" کے جواب میں مسائل کا یہ قول ہے۔ لا نسلم ان ہذا حیوان، مصحوب بالسند جیسے مانع یوں کہیے "لا اسلم لنہ حیوان لم یجوز ان یکون حجر امثلا

پھر سند کی تین قسمیں ہیں۔ تجویزی، قطعی، جبلی، اول وہ ہے جو بطریق قطع مذکور ہو۔ مثلا مثال سابق میں یوں کہے کیف وہو حجر ثالث وہ ہے جس میں معلل کی غلطی کا منشاء بیان کیا جائے۔ مثلا یوں کہے "انما یصح ما ذکرت لو کان متحر کا" سند کی ایک اور بھی تقسیم ہے۔ جس میں وہ مساوی، اعم اخص مطلق، اعم اخص من وجہ اور مباین کی طرف منقسم ہوتی ہے۔ اول کی مثال جیسے "هذاالشئی غير متنفس لانه حيوان وكل لاحيوان غير متنفس کے جواب میں مانع کہے "لاسلم ان هذا الشئی لاحيوان لم لايجوز ان يكون متحر كابالارادة" ثانی کی مثال جیسے مانع کا قول "لم لايجوز ان يكون ابيض "خامس کی مثال جیسے مانع کا قول "لم لايجوزان يكون حجرا

تقریب...... اصطلاح میں اس کی دو تعریفیں ہیں۔ اول دلیل کو اس طرح بیان کرنا کہ مستلزم مطلوب ہو اور مدعا ثابت ہو جائے۔ اس معنی کے لحاظ سے تقریب قیاس کے ساتھ خاص ہے پس استقراء و تمثیل کی تقریب و عدم تقریب، کو متصف نہیں کر سکتے۔ دوم دلیل کا مدعا کے مطابق ہونا، اس معنی کے لحاظ سے تقریب اعم ہے اور دلیل کے تمام اقسام میں جاری ہو سکتی ہے۔

تمامیت تقریب...... تمامیت تقریب کی صورت یہ ہے کہ دلیل سے غیر مدعی یا عین مدعی کا عکس یا ان میں سے کسی ایک سے اخص مطلق لازم آئے، اگر دلیل سے مباین مدعی یا اعم مطلق یا اعم من وجہ لازم آئے تو تقریب ناتمام ہوگی، نیز شروط امتاج کا معدوم ہونا جیسے شکل اول میں صغری کا غیر موجبہ ہونا اور کبری کا غیر کلیہ ہونا، اسی طرح شکل ثانی میں جزئیت کبری کے ساتھ کیف میں مقدمتین کا متحد ہونا، یا حد اوسط کا مکرر نہ ہونا وغیرہ سب عدم تقریب کی صورتیں ہیں۔

نقض اجمالی...... اگر مقابل متدل کی دلیل کو اس کے مقدمات میں سے کسی مقدمہ کو معین کئے بغیر شاہد تخلف یا شاہد فساد آخر کے ذریعہ باطل قرار دے مثلا یوں کہے کہ تمام دلیل جمیع مقدمات کے ساتھ صحیح نہیں گویا اس کے نزدیک کسی مقدمہ میں خلل ہے تو اس کو نقض اجمالی کہتے ہیں جیسے معلل نے کہا "العدوم متميز وكل متميز ثابت فالمعدوم ثابت اس

کے نقض میں، مقابل کہے "دلیلك هذا جاء فی بحوم الزئبق تسبح فیه سنن من الزبر جدمع تخلف الحکم عنه فیها وهو الثبوت اس میں مانع کیلئے مقدمات دلیل کا۔ اختلال بذریعہ دلیل ثابت کرنا ضروری ہے۔ اگر صرف عدم صحت دلیل کا دعوی ہی معتبر مان لیا جائے تو مناظرہ کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ نقض مکسور۔ اس کو کہتے ہیں جس میں دلیل کی بعض قیود کو ترک کر دیا جائے۔ اس صورت میں معلل اس کے جریان کو بایں سند منع کر سکتا ہے کہ علیت میں وصف متروک کو بھی دخل ہے۔ اس کی مثال معلل کے قول "قال الامام الشافعی لایصح بیع الغائب لانه مجهول الصفة وکل مبیع شانه هذا لایصح بیعه کے نقض میں ناقض کا یہ قول ہے "دلیلك جاء فی تزوج امراۃ غائبة مع تخلف المدعی وهو عدم الصحة لان المراء الغائبة مجهولة الصفة عند العاقدین او عندا حدهما مع ان هذا التزوج صحیح" فقد حذف من الدلیل قید البیعة۔

شاہد...... اس کو کہتے ہیں جو دلیل معلل کے فساد پر دال ہو بایں معنی کہ اس کی دلیل سے حکم کا تخلف ہو یا وہ کسی فساد آخر کو مستلزم ہو۔

غصب...... اس کو کہتے ہیں کہ سائل کسی مقدمہ یا مدعی کو معلل کے دلیل قائم کرنے سے پہلے ہی باطل کرنے لگے ابطال مقدمہ بھی ایک مستقل دعوی ہے۔ جس کیلئے دلیل کا ہونا ضروری ہے اور دلیل قائم کرنا معلل وظیفہ ہے۔ پس جب معلل کے استدلال سے قبل ہی سائل اس کے بطلان پر دلیل قائم کرنے لگا تو گویا اس نے معلل کا منصب غصب کر لیا اس لئے اس کے فعل کو غصب کہتے ہیں جو قابل سماعت نہیں ہوتا۔

دور...... دور کے معنی توقف الشئ علی مایتوقف علی بمرتبة او بمراتب کے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں دور مصرح اور اور دور مضمر، اگر توقف شی بدرجہ واحدہ ہو تو اس کو دور مصرح کہتے ہیں اور اگر بدرجتین یا بدرجات کثیرہ ہو تو دور مضمر کہلاتا ہے، پھر دور مصرح میں تقدم شی علی نفسہ بمرتبتین لازم آیا کرتا ہے اور دور مضمر میں بثلاث مراتب، اس کی تشریح یہ ہے کہ جو شئی موقوف علیہ سے مقدم ہوتی ہے وہ موقوف علیہ سے بمرتبہ واحدہ مقدم ہوا کرتی ہے اور موقوف سے بمرتبتین مثلاً موقوف ہر ب پر تو ب موقوف علیہ ہوا اور موقوف علیہ مقدم و سابق ہوتا ہے۔ موقوف سے لہذا مقدم ہوا سے اس کے بعد ہم نے کہا کہ ب موقوف ہے ا پر تو ا موقوف علیہ ہوا۔ پس یہ مقدم ہو گا اور یہ تقدم ب سے بمرتبہ واحدہ ہو گا اور ا سے بمرتبتین اور اصل میں دونوں ایک ہی ہیں تو ا موقوف ہوا ا پر جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ا کا اپنے وجود سے پہلے ہی موجود ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ باطل ہے، دور مصرح کی اس تقریر پر ترقی کرتے چلے جائیے تو دور مضمر ہو جائے گا۔ پھر دور یا تو دور معی ہوتا ہے جس کا تحقق عموماً متضائفین میں ہوتا ہے جسے ابوۃ و نبوۃ وغیرہ اور یا دور تقدمی ہوتا ہے جیسے الماء ہو بخار قد تکاثف لبرودۃ والبخار ہو ماء استحال بتاثیر الحرارۃ الشدیدۃ من حالة السائلة الی الحالة الصوائیہ، معلل کا قول جس دور سے منقوض ہو سکتا ہے وہ دور تقدمی ہوتا ہے نہ کہ دور معی۔

علم حکمت یا فلسفہ

لغوی تحقیق...... لفظ حکمت لغت میں عدل و انصاف، علم و دانائی، حلم و بردباری عقل و فلسفہ، تدبیر و درستگی کا، حق اور واقع کے مطابق گفتگو وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے یقال حکم (ف) حکمة۔ دانا ہونا قصیدۃ حکیمة دانائی آمیز قصیدہ کو کہتے ہیں اور لفظ حکیم حق تعالی کے اسمائے حسنی میں سے ہے۔ فلسفہ کے معنی بھی حکمت و دانائی کے ہیں یقال تفلسف الرجل، فلسفی ہونا، مسائل علمیہ میں بحث کرنا، حذاقت کا دعوی کرنا فیلسوف بمعنی فلسفی فلاسفہ، غیاث اللغات میں ہے کہ فلسفہ مصدر جعلی ہے بمعنی دانشمند ہونا یہ یونانی لفظ فیلاسوف سے ماخوذ ہے جو اصل میں فیلا بمعنی دوست اور سوف بمعنی علم سے مرکب ہے۔

اصطلاحی تعریف...... حکمت وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے موجودات کے نفس الامری احوال حسب طاقت بشرہ

معلوم ہوں۔ بالفاظ دیگر موجودات واقیعہ کے احوال واقیعہ کو بقدر طاقت انسانی جاننے کا نام حکمت یا فلسفہ ہے۔
موضوع فلسفہ ...... حکمت وفلسفہ کا موضوع موجودات وا قعیہ ہیں۔
غرض وغایت ...... معرفت صلاح مبداء ومعاد، بالفاظ دیگر قوت علمیہ کی تکمیل کیلئے احوال موجودات کو پہچاننا۔
تاریخ فلسفہ ...... علوم عقلیہ جن کو علوم فلسفہ وحکمت کہتے ہیں یعنی منطق ارثماطیقی، ہندسہ، ہیئت، موسیقی، طبیعیات، الٰہیات، ان علوم میں کسی ملت کی تخصیص نہیں بلکہ تمام اہل ملل واصحاب فکر انسان اس کے مدارک ومباحث میں برابر ہیں اور ابتدا تخلیق سے آج تک نوع انسانی میں یہ علوم مسلسل چلے آرہے ہیں البتہ امم ماضیہ میں سے اہل فارس اہل روم کے یہاں ان کی گرم بازاری زیادہ تھی ان علوم کے ساتھ فارس وروم کا جو اعتنار ہا ہے سابق کی تاریخ اس سے بالکل خالی ہے ان سے پہلے کلدانیین سریانیین اور قبط وغیرہ جو قومیں تھیں ان کو سحر ونجامتہ اور ان کے متبعات تاثیرات وطلسمات وغیرہ سے دلچسپی تھی اور انہی سے یہ علوم فارسیوں نے حاصل کئے تھے۔

جب سکندر بادشاہ قتل دارا کے بعد ان کی مملکت پر غالب اور ان کی کتب علمیہ پر قابض ہوا تو یہ علوم اہل یونان کی طرف منتقل ہوئے۔ اس کے بعد جب مسلمانوں نے بلاد فارس کو فتح کیا اور ان کا علمی ذخیرہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص نے اسکی بابت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ذخیرہ غرقاب کردیا جائے کیونکہ اگر اس میں ہدایت ہے تو ہمارے پاس اس سے کہیں زیادہ ہدایت والی کتاب قرآن عزیز موجود ہے اور اگر اس میں ضلالت وگمراہی ہے تو اس سے ہمیں نجات ہوگی، چنانچہ وہ کل کامل ذخیرہ پانی کی نذر کردیا گیا اور علوم فارس تقریباً ناپید ہوگئے صرف اہل روم کا ذخیرہ باقی رہا جو مشاہیر اہل یونان کے پاس تھا۔
یونان ...... ارض روم کے چند اماکن کا مجموعہ ہے جس میں بہت سی بستیاں اور شہر شامل ہیں، حکما، یونانیین کا منشاء وماوی یہی سرزمین ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہاں جو چیز یاد کرلی جاتی وہ کبھی فراموش نہ ہوتی تھی، سقراط حکیم استاد افلاطون، ارسطاطالیس، بطلیموس، بلیناس صاحب طلسمات اور حکیم جالینوس وغیرہ اس کی طرف منسوب ہیں۔
یونانی فلسفہ کی ابتداء ...... تھیلیز سے ہوئی جس کو اہل عرب طالیس کہتے ہیں۔ یہ حکیم حضرت عیسیٰ سے ۲۶۰ برس قبل پیدا ہوا۔ اس نے مصر میں تعلیم پائی اور وہیں یہ اصول سیکھا تھا کہ تمام اشیاء پانی سے پیدا ہوئیں، اس فلسفہ کو آیولک فلاسفی کہتے ہیں، اس کے بعد فلسفہ کی بہت سی شاخیں نکلیں اور بڑے بڑے حکماء پیدا ہوئے، فلسفہ یونانی کا یہ سلسلہ ۵۲۲ھ تک جاری رہا، اس ممتد دور کو دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ قدیم، جدید، قدیم کی انتہاء افلاطون پر ہوتی ہے اور ارسطو سے دور جدید شروع ہوتا ہے، قدماء میں سات بڑے حکیم، حکمت اور فلسفہ کے ستون کہلاتے ہیں۔ طالیس، انکساغورس، انکسانس، اینبد قلیس، فیساغورث، سقراط، افلاطون، علامہ شہرستانی نے طالیس، انکساغورس، انکسانس اور اینبد قلس کے اصول پر مفصل گفتگو کی ہے اور غالباً یورپین تصنیفات میں اصول مسائل کے متعلق اس سے زیادہ تفصیل نہیں مل سکتی۔

اینبد قلس کا فلسفہ مسلمانوں میں زیادہ مقبول ہوا اس کی تصنیفات عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ محمد بن عبداللہ جو قرطبہ کا رہنے والا تھا اس کی تصنیفات کا اس قدر شوق تھا کہ ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھتا تھا، ابوالہذیل علاف جو مسلمانوں میں علم قدیم کا بہت بڑا فاضل اور خلیفہ مامون الرشید کا استاد تھا صفات باری تعالیٰ کے متعلق اسی حکیم کے خیالات کا پیرو تھا، اینبد قلس ہی پہلا شخص ہے جو اربعہ عناصر کا قائل ہوا۔
یونان میں فلسفہ کا مروج اول ...... تاریخ فلاسفہ یونان میں لکھا ہے کہ یونان میں سب سے پہلے جس نے فلسفہ کو ظاہر کیا وہ "انکسفوراس" فیلسوف تھا جو اپنی تمام خواہشیں اور مال وزر، زمین وجائیداد وغیرہ چھوڑ کر تحصیل فلسفہ میں ہمہ تن مشغول ہوا اور مدتوں سیاحت کرکے مختلف مقامات سے علم حاصل کیا، کسی نے اس سے پوچھا کہ تمہیں وطن سے محبت نہیں

ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس وطن کو دوست رکھتا ہوں اور اشارہ آسمان کی طرف کیا۔ ایک بار برقلیس کے مکتب میں ایک بکری لائی گئی جس کے وسط پیشانی میں ایک ہی سینگ تھا، ایک منجم نے جس کا نام ملیون تھا کہا، اثینا (نام شہر) میں جو دو فرقے ہو گئے ہیں قریب ہے کہ وہ مل کر ایک جماعت ہو جائے، انکسفور اس نے کہا کہ یہ امر خلقی ہے کسی بات پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا دماغ کھوپڑی میں بھرا ہوا نہیں ہے اور اس کے سر کی پوری تشریح بیان کی۔ لوگوں نے اس کو ذبح کر کے دیکھا تو اس کے قول کے مطابق پایا، مگر منجم کی بات بھی صحیح نکلی کہ تھوڑی مدت میں دونوں فرقے ایک ہو گئے۔

چونکہ یہ حکیم جاہلیت کے بتوں پر طعن و تشنیع کیا کرتا تھا اس لئے آخر میں لوگ اس سے ناراض ہو گئے۔ اس کا قول تھا کہ آفتاب ایک لوہے کا ٹکڑا ہے قابل پرستش نہیں۔

طبقات فلاسفہ...... حجتہ الاسلام امام غزالی نے "مشکوۃ الانوار فی لطائف الاخبار" میں ذکر کیا ہے کہ حکماء کی تین قسمیں ہیں۔ دہریین، طبیعین، الہیین، حکماء، دہریین، کفار، مجوس کا ایک گروہ ہے جو صانع عالم کا منکر ہے اور آگ کی پرستش کرتا ہے، اکثر ملوک عجم اور فراعنہ مصر اسی گروہ سے تھے اور رجعت بسوئے عالم کے معتقد، اسی لئے انہوں نے سیم وزر کی ذخیرہ اندوزی کی اور منابر و اہرامات تعمیر کئے۔

حکماء، طبیعین کفار زنادقہ کا ایک طبقہ ہے جو صانع عالم کا تو معترف ہے مگر حشر و نشر کو نہیں مانتا بلکہ قدامت عالم کا قائل ہے۔

حکماء الہیین کے دو گروہ ہیں ایک گروہ متقدمین جو قرن اولیٰ میں تھا۔ دوسرا گروہ متاخرین اس کے پھر دو گروہ ہیں۔ ایک اشراقین دوم مشائین۔

فلسفہ اور اتصال سند...... صاحب کشف الظنون نے ابن خلدون سے نقل کیا ہے کہ حکماء مشائین کے زعم کے مطابق اس کی سند تعلیم حضرت لقمان تک پہنچتی ہے جو مشہور حکیم گزرے ہیں، مشہور فلسفی فیثاغورث جو حضرت مسیح سے ۵۳۶ سال قبل ہوا ہے، بقراط کا شاگرد سقراط ہے جو ۳۹۹ سال قبل گزرا ہے، سقراط کا شاگرد افلاطون ہے جو ۳۴۸ سال قبل گزرا ہے اور افلاطون کا شاگرد ارسطاطالیس ہے جو ۳۲۲ سال قبل مسیح گزرا ہے اور ارسطاطالیس کا شاگرد اسکندریہ جو ۳۲۳ سال قبل گزرا ہے۔ "دفینۃ الاسلاف و تحیۃ الاخلاف" میں ہے کہ فیثاغورث اور سقراط حضرت داؤدؑ و حضرت لقمان کے شاگرد تھے اور سقراط کا شاگرد افلاطون ہے اور افلاطون کا شاگرد ارسطو دہرقلس اور ارسطو کا شاگرد اسکندر افریدوسی اور سامطیون، ثامسطیوس اور فرفوریوس وغیرہ۔

فیثاغورث...... تاریخ گریک میں لکھا ہے کہ فیثاغورث نہایت ذکی اور طباع تھا اس کا والد اس کو اندروماوس حکیم کی خدمت میں لے گیا۔ حکیم نے اس کی کمال ذکاوت دیکھ کر اپنی فرزندی میں لے لیا اور علوم ادبیہ اور موسیقی سکھا کر اکسیماندروس کے پاس بھیجا وہاں ہندسہ اور نجوم سیکھ کر زیلطائی بابلی کے پاس گیا وہاں علوم حکمیہ کی تحصیل کر کے اور افار اخودلیس حکیم سریانی وغیرہ کے پاس حقائق و نکات حکمت کی تکمیل کر کے مصر کے کاہنوں کا علم سیکھنے کی فکر میں ہوا۔ چونکہ وہ لوگ اپنے علوم بیگانوں کو نہیں سکھاتے تھے اس لئے فولوافراطیس بادشاہ ساموس کا سفارش نامہ امس فرعون مصر کے پاس لے گیا۔ اس نے کاہنان مدینتہ الشمس پر حکم لکھا انہوں نے بمجبوری اس کو اپنے پاس رکھا اور زمانہ دراز تک طرح طرح کی محنتوں کا امتحان لیا۔ جب سب میں کامیاب ہو گیا تو انہوں نے منبق کے کاہنوں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے بھی امتحانا یہی برتاؤ کیا اور فیثاغورث کو یہاں بھی کامیابی ہوئی۔ انہوں نے شہر دیوسیوس کے کاہنوں کے پاس بھیج دیا۔ یہاں بھی سخت مصائب و شدائد میں مبتلا کیا گیا۔ جب کوئی دقیقہ امتحان باقی نہ رہا تو اس سے کہا کہ تمہارے اور ہمارے دین میں مباینت تامہ ہے اگر ہم سے کچھ لینا چاہتے ہو تو یونانیوں کا اعتقاد چھوڑ دو، فیثاغورث نے فوراً قبول کر لیا۔ آخر مجبوری تمام انہوں نے اس کی تعلیم شروع کی۔ فیثاغورث

تھوڑی مدت میں سب سے بڑھ گیااور سب اس کی فضیلت کے قائل ہوئے۔جب فرعون کو اس کی خبر ملی تو اس نے تمام معابد و کنائس کی خدمت اس کو تفویض کی وہ مدتوں وہاں رہا۔جب ملک مصر پر لہر اسپت قابض ہوا تو فیثا غورث وہاں سے شہر ساموس کو چلا گیا۔وہاں کے لوگوں نے اس کی نہایت توقیر کی اور بہت بڑا مدرسہ اس کیلئے تعمیر کرلیا اور فیثا غورث تدریس میں مشغول ہو گیا۔ہر طرف سے لوگ بکثرت آئے اور مستفید ہوئے،اس کی قدر یہاں تک بڑھی کہ وہاں کا بادشاہ ہر کام اسی کی رائے سے کرتا تھا۔ساٹھ سال وہاں رہا پھر اطالیہ گیا۔وہاں بھی ایسی ہی قدر ہوئی۔آٹھ سال یہاں رہا۔پھر ماطر نوطیون گیا۔تمام ملک یونان میں شہرت ہوئی،اعلی درجہ کے لوگ اس سے مستفید ہوئے۔یہاں تک کہ سیماخوش اطر دفن جو فانطوریتا کا والی تھا۔حکومت ترک کر کے اس کے شاگردوں میں داخل ہوا۔تاریخ فلسفہ یونان میں لکھا ہے کہ فیثا غورث نہایت متواضع تھا ۔اپنے لئے حکیم کا لقب بھی گوارانہ کرتا تھا،اس میں قوت کہانت ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ جو خبر دیتا ویسا ہی واقع ہوتا،اس کی تصنیفات بہت ہی منجمد ان کے ایک رسالہ ذہبیہ ہے جس کو جالینوس نے آب زر سے لکھوا لیا تھا اور ہر روز اس کا مطالعہ کرتا تھا۔

بقراط......ملقب بابو الطب،حضرت مسیح سے ۴۶۰ھ سال قبل جزیرہ کوس میں پیدا ہوا اور اپنے والد ہیر اکلیدس سے علم طب کی تعلیم حاصل کی۔پھر شہر اثینا پہنچا اور وہاں ہیر وذیکوس سے علم حاصل کیا۔ان کے علاوہ حکیم جورجیاس اور ذیمو فرامس وغیرہ سے بھی تعلیم پائی۔غریغوریوس نے بیان کیا ہے کہ بقراط شہر حمص میں رہتا تھا۔لیکن دمشق میں بھی آتا جاتا رہتا تھا۔وہاں اس کا باغ تھا جو وادی نیرب میں آج تک معروف و مشہور ہے۔بقراط اپنے زمانہ میں اہل یونان کا بڑا حاذق طبیب تھا اور بلا قیمت علاج کرتا تھا،شہر غالیا کی بستی لاہیسا میں جو آج کل مکیشی کے نام سے مشہور ہے وفات پائی۔وقیل قتل مسموما قتلہ القضاۃ بمدینۃ اثینا،فصول بقراط تقدمۃ المعرفۃ،کتاب الاہوتیۃ،کتاب الامراض الحادۃ،کتاب اوجاع النساء وغیرہ اس کی مشہور کتابیں ہیں۔اس کے علاوہ قاطیطریون (یعنی حانوت الطب) کتاب الاحداث،کتاب الالوان،کتاب الجراح،کتاب الخلع،کتاب العہد،کتاب الغذاء،کتاب الفصد والحجامتہ،کتاب انقلب،کتاب الکسر والجبر،کتاب اللحوم،کتاب الفح وغیرہ ہیں۔

سقراط......سقراط بن سقر سیقوس،اکابر حکماء یونان میں سے تھا۔اس کا مولد و مسکن شہر اثن ہے۔حضرت مسیح سے ۴۷۱ سال قبل پیدا ہوا اور ۳۹۹ سال قبل وفات پائی۔اس نے فنون حکمت فیثا غورث کی کتابوں سے حاصل کئے۔اکثر تشریح حکمت الٰہی میں مصروف رہتا۔شاگردوں کو مضامین حکمیہ کے لکھنے اور تصنیف کرنے سے منع کرتا اور کہتا کہ جب حکمت مقدس اور پاکیزہ چیز ہے تو چاہیئے کہ اسے نفوس قدسیہ میں ودیعت رکھیں۔نہ کہ مردار چمڑوں اور نفوس متمردہ میں۔اس کے یہاں طلبہ کی اتنی کثرت تھی کہ بارہ ہزار شاگرد گنے گئے جن میں افلاطون اور افرنطون اور اقلیدس المیغاری بھی ہیں۔

یہ حکیم کھانا بہت کم کھاتا،لباس موٹا اور کم قیمت پہنتا،ذکر موت اور عبادت الٰہی زیادہ کرتا اور ہر کسی سے خوش خلقی کے ساتھ پیش آتا تھا۔جب اس کی خوب شہرت ہوئی اور لوگوں کو بت پرستی سے منع کرنے لگا تو شہر آثن کے حکام نے اس کو واجب القتل قرار دیا اور چند فتوے جن پر قاضیوں کی مہریں ثبت تھیں بادشاہ کے پاس بھیجے۔بادشاہ نے سقراط سے کہا کہ تم نے خلاف جمہور یہ کیا طریقہ اختیار کیا۔اس کو چھوڑ دو ورنہ میں تمہارے قتل پر مجبور ہوں گا۔سقراط نے کہا کہ قتل کی تہدید سے مجھے کوئی خوف نہیں۔کیونکہ مرنا قید سے چھوٹنا،عالم تجرد سے ملنا اور تاریک لباس اتار کر نورانی خلعت پہننا ہے۔حکماء تبدل لباس سے ڈر کر حق بات کو ہرگز نہیں چھپا سکتے۔آخر بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔اس کو زہر دے کر ختم کر دیا گیا۔انتقال کے وقت اس کی عمر ایک سو سات سال کی تھی۔قتل کے بعد یہ بات مسلم ہو گئی کہ اس معاملہ میں سراسر خطا ہوئی۔اس وجہ سے جو لوگ اس فتنہ میں شریک تھے وہ سب کے سب قتل کئے گئے۔

افلاطون......افلاطون بن ارستون،سلیم الذوق،واسع العقل،ثاقب الفکر،نہایت ذکی و ذہین اور حمیدہ اخلاق وستودہ صفات کے ساتھ متصف تھا۔حضرت مسیح سے ۴۳۰ سال قبل پیدا ہوا اور ۸۱ سال کی عمر پاکر ۳۴۸ سال قبل از مسیح وفات

پائی۔ اس کا اصل نام ارسٹیکلس ہے جو اس کے داد کے نام سے ماخوذ ہے۔ بعد میں افلاطون کے نام سے پکارا جانے لگا۔ جس کے معنی یونانی زبان میں بلاتیس بمعنی عریض کے ہیں۔ لقب بذلک لعرض جبہتہ اور منکبیہ او کلامہ۔

بچپن میں فلسفہ، ہر قلیتس کے چند اسباق کراتیلس سے پڑھے اور جب بیس سال کی عمر ہوئی تو سقراط کی شاگردی اختیار کی اور آٹھ سال تک برابر پوری مستعدی کے ساتھ اس کی خدمت میں رہے۔ کتاب المنی اسی کی ہے اور غوغیاس (المثل الافلاطونیہ) تو بہت ہی مشہور ہے۔

ارسطو...... مشہور طبیب نیقوماخس کا بیٹا ہے۔ اور حکماء متقدمین کا رئیس اعظم، اس کو ارسطاطالیس اور ارسطوطالیس بھی کہتے ہیں۔ (والثانی ہوالاقرب اصل الیونانی) خاتم حکماء یونان ہے بعد کے سارے فلاسفہ اسی کے رہین منت اور خوشہ چیں ہیں۔ یہ حضرت مسیحؑ سے ۳۸۴ سال قبل مکدونیہ کی ایک بستی ستاجیر میں پیدا ہوا جو دریائے ستریمون کے قریب واقع ہے اور ۳۲۲ سال قبل مسیح قلکیس مقام میں وفات پائی۔ اس کے بچپن ہی میں والدین کا انتقال ہو گیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد تھوڑی مدت اتربنوس میں تعلیم پائی۔ جب سترہ سال کی عمر ہوئی تو اثینا پہنچا اور افلاطون سے حکمت حاصل کی۔ افلاطون اس کو بہت چاہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ذوفمالیس بادشاہ نے اپنے بیٹے بیثاغورس کی خاطر ایک حکمت خانہ تیار کیا اور افلاطون کو اس کی تعلیم کیلئے مقرر کیا مگر یہ لڑکا بہت کند ذہن تھا اور تعلیم سے بھاگتا تھا اور ارسطو نہایت تیز فہم اور ذکی تھا۔ افلاطون بیثاغورس کو ادب وحکمت پڑھاتا اور ارسطو اس کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیتا۔ تقریباً بیس سال تک افلاطون کے پاس رہا اور اس کے جملہ علوم میں مہارت تامہ پیدا کی۔ افلاطون کے انتقال کے بعد اثینا چھوڑ کر میسیا پہنچا اور وہاں ہرمیاس بادشاہ کے پاس قیام کیا۔ اس نے اپنی بیٹی بیثیاس کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ شادی کے بعد یہ متیلینہ جا کر جزیرہ سبوس میں اقامت گزیں ہوا۔ یہاں اس کے نام اسکندر کے پاس فیلبس کی طرف سے ایک خط آیا۔ جس میں اس کو اپنے بیٹے اسکندر کی تعلیم کیلئے مدعو کیا تھا۔ چنانچہ ارسطو حسب حکم فیلبس کے یہاں آیا اور اسکندر کی تعلیم وتربیت شروع کی۔ اس وقت اسکندر کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ تعلیم وتربیت سے فراغت کے بعد ۳۳۵ یا ۳۳۱ میں اثینا واپس آیا اور یہاں لیسیوم میں فلسفہ کا ایک مدرسہ جاری کیا۔ جس کو مدرستہ المشائین [1] کہا جاتا ہے۔ علم المنطق، علم الفصاحتہ، علم الشعر، علم الادب، علم السیاستہ، تاریخ الحیوانات، علم الطبیعتہ، الفلسفتہ العقلیہ، علم النفس، علم الفلک، کتاب الزمان، کتاب الروح، کتاب اسرار والنجوم، کتاب الاعداد، کتاب الباہ، کتاب البرہان، کتاب الحدود، کتاب الحس والمحسوس، کتاب الجنس، کتاب الحض علی الفلسفتہ، کتاب الحیوۃ والموت، کتاب الخطوط، کتاب الخیر، کتاب الدور، کتاب الذکر والنوم وغیرہ آپ کی اہم تصنیفات ہیں۔ ان کی کتابوں کے شارح ہونے کی حیثیت سے نو فلسفی مشہور ہیں جو سب مقلد تھے۔ مجتہد نہ تھے۔

(۱) ثاؤفرسطس

(۲) اصطفن

(۳) لیسی یحی بطریق اسکندریہ

(۴) امونیوس

(۵) سلیقیوس

(۶) ثباؤس

(۷) فرفوریوس

(۸) ثامسطیوس

[1] انما سمیت بذلک لانہ کان یعلم ویمشی اولانہ کان یعلم الحکمۃ فی المماشی المظلمۃ التی کانت حول اللیسیوم وقدبقیت تلک المماش الی عہد بنو ترخوس وراٰھا السباح ۱۲.

(۹) اسکندر افرودیسی

ان میں آخر الذکر تینوں شراح اونچے درجے کے مالک ہیں۔

اسکندر……اسکندر بن فیلبس مکدونی، حضرت مسیح سے ۳۵۶ سال قبل بلا مقام میں پیدا ہوا اور ۳۲۳ سال قبل وفات پائی۔ اولا لیسیما خوس کی تربیت میں دیا گیا، اس نے سب سے پہلے اس کو قصیدہ لومیروس پڑھایا جو ایلیاذہ کے نام سے موسوم تھا۔ تیرہ سال کے عمر میں ارسطو کے سپرد کیا گیا اور تین سال تک ارسطو سے تعلیم پائی۔ باپ کے مقتول ہو جانے کے بعد تخت نشین ہوا اس وقت اس کی عمر بیس سال تھی۔ سمع الکلیات من کتب الطبیعات اس کی مشہور کتاب ہے اور "کتاب الرد علی من قال انہ لایکون شئی الامن شی" بھی اسی کی ہے۔

فلسفہ کے سات اسکول……اصول فلسفہ، طرز تعلیم اور اخلاق وعادات کے لحاظ سے فلسفہ کے سات اسکول قرار دیئے گئے ہیں۔

(۱) فیثاغور ثیہ……اس کا بانی فیثاغورث تھا۔

(۲) فورنیہ……اس کا بانی ارسیفورس تھا۔ وہ چونکہ فورنیا کا رہنے والا تھا اس لئے اس کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہو گیا۔

(۳) رواقیہ……اس کا بانی زینون متولد ۳۴۰ ق م تھا۔ یہ چھت کے نیچے بیٹھ کر تعلیم دیتا تھا۔ اس لئے رواقیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

(۴) کلابیہ……اس کا بانی انیستن تھا۔ یہ حکیم تمام آدمیوں کو حقیر سمجھتا اور خاص کر امراء اور دولت مندوں کو کاٹ کھانا چاہتا تھا۔ اس مناسبت سے لوگ اس کو کتا کہتے تھے۔ اسی مناسبت سے کلابیہ مشہور ہو گیا۔

(۵) مانعہ……اس کا بانی فوزن تھا اور وہ چونکہ لوگوں کو تعلیم سے منع کرتا تھا اس لئے اس نام سے مشہور ہوا۔

(۶) لذتیہ……اس کا بانی ابیکیوریس متولد ۳۳۶ ق م تھا۔ جس کا نظریہ یہ تھا کہ آئندہ حشر ونشر کچھ نہیں اس لئے جس قدر ہو سکے یہاں عیش کر لینا چاہیئے۔

(۷) مشائین……اس کے بانی افلاطون اور ارسطو تھے۔ چونکہ یہ لوگ پڑھانے کے وقت ٹہلتے جاتے تھے اس لئے اس نام سے مشہور ہوئے۔

تدوین اول……حضرت مسیح سے قبل فیثاغورث، بقراط، سقراط اور افلاطون وغیرہ بڑے بڑے حکماء پیدا ہوئے۔ لیکن ان حکماء نے حکمت و فلسفہ کو باضابطہ مدون نہیں کیا تھا۔ سب سے پہلے حکماء متاخرین کے رئیس امام الفلسفہ حکیم ارسطو نے حکمت اور منطق کو مدون کیا اور متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اس کی کتابوں کی ترتیب یوں ہے۔ المنطقیات، الطبیعیات، الالہیات، الخلقیات، منطقیات میں آٹھ کتابیں ہیں۔ اول قاطیغوریاس بمعنی مقالات، حنین نے اس کو نقل کیا اور فرفوریوس اور فارابی نے اس کی تفسیر کی۔ دوم باریمینیاس بمعنی العبارہ اس کو حنین نے سریانی میں اور اسحاق نے عربی میں منتقل کیا اور یعقوب بن اسحاق کندی نے اس کی تفسیر کی۔ سوم انالوطیقا بمعنی تحلیل القیاس، اس کو تیودروس نے عربی میں منتقل کیا اور کندی نے اس کی تفسیر کی، چہارم انورطیقا بمعنی البرہان۔ اس کو اسحاق نے سریانی میں منتقل کیا اور اس نقل کو "متی" نے عربی میں منتقل کیا اور فارابی نے اس کی تشریح کی۔ پنجم طوبیقا بمعنی الجدل اس کو اسحاق نے سریانی میں منتقل کیا اور اس نقل کو یحییٰ بن عدی نے عربی میں منتقل کیا اور فارابی نے اس کی تفسیر کی۔ ششم سوفسطیقا بمعنی المغالطہ اس کو ابن ناعمہ عبد المسیح حمصی نے سریانی میں منتقل کیا اور اس نقل کو بھی یحییٰ بن عدی نے سریانی سے عربی میں منتقل کیا اور کندی نے اس کی تفسیر کی۔ ہفتم ریطوریقا بمعنی الخطابتہ۔ اس کو اسحاق نے عربی میں منتقل کیا اور فارابی نے اس کی تفسیر کی۔ ہشتم انوطیقا بمعنی الشعر، اس کو ابو بشر متی بن یونس نے سریانی سے عربی میں منتقل کیا۔

طبیعیات والہیات میں تین کتابیں ہیں۔ اول کتاب السماع الطبیعی۔ یہ آٹھ مقالے ہیں۔ اسکندر نے اس کی تفسیر کی ہے

۔ دوم کتاب السماع والعالم۔ یہ چار مقالے ہیں۔ افرودیسی نے اس کی تشریح کی ہے۔ سوم کتاب الکون والفساد۔ اس کو حنین نے سریانی میں اور اسحاق نے عربی میں منتقل کیا ہے۔ خلقیات میں کتاب الاخلاق ہے جس کی تفسیر فرفوریوس نے کی ہے۔

عہد اسلام میں نقول وتراجم...... زمانہ قدیم میں اہل فارس نے منطق وطب کی کچھ کتابیں فارسی زبان میں منتقل کی تھیں۔ عبداللہ بن مقفع خطیب فارسی مترجم کلیلہ ودمنہ وغیرہ نے اس کو عربی میں منتقل کیا۔ خالد بن یزید بن معاویہ جو حکیم آل مروان کہا جاتا تھا بڑا علم دوست، عالم وفاضل شخص تھا۔ اس نے فلاسفہ کی ایک جماعت کے ذریعہ جن میں اصطفن بھی ہے یونانی کتابوں کو عربی میں منتقل کرالیا۔ فکان ہذا اول نقل فی الاسلام۔

منصوری دور...... دول اسلامیہ میں علم فلسفہ اور علم نجوم کا کچھ چرچا خلیفہ ثانی ابو جعفر منصور عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے زمانہ میں ہوا ہے، ابو جعفر علم فقہ اور دیگر علوم کے ساتھ ساتھ علم فلسفہ اور علم نجوم کا بھی بڑا دلدادہ تھا۔ چنانچہ اس نے شاہ روم سے کتاب اقلیدس اور بعض کتب طبیعیات حاصل کیں اور بطریق وغیرہ کے ذریعہ سے ترجمے کرا کر اشاعت کی۔

ماموُنی دور...... ارسطو سے لیکر خلافت عباسیہ تک گیارہ صدیاں گذر چکی تھیں۔ علوم فلسفہ کی کوئی ترقی نہ ہو سکی۔ گویا بازار سرد پڑچکا تھا۔ جب ۱۹۸ھ میں ہارون الرشید کے بیٹے مامون کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور آئی تو وہ بھی اپنے دادا ابو جعفر کے قدم بقدم چلا اور بیش بہا تحائف وہدایا کے ذریعہ شاہان روم سے کتب فلاسفہ کا مطالبہ کیا۔ شاہان روم کے یہاں اقلیدس، بطلیموس، بقراط، جالینوس، ارسطو اور افلاطون وغیرہ کی جو کتابیں موجود تھیں وہ سب انہوں نے مامون کے یہاں بھیج دیں، مامون نے حنین بن اسحاق کندی، ثابت بن قسرہ، ابن یحیٰ الحجاج بن مطر اور ابن البطریق وغیرہ جیسے ماہر مترجمین سے ان کتابوں کے ترجمے کرائے اور لوگوں کو ان کے پڑھنے پڑھانے کی دعوت دی، لوگوں نے اس سے غیر معمولی دلچسپی لی۔ یہاں تک کہ مامون کے دور میں علم فلسفہ کا بازار گرم ہو گیا اور اس فن کی اس درجہ خدمت کی گئی کہ دولت عباسیہ دولت رومیہ کے ہم پلہ ہو گئی۔

اسماء ناقلین ومترجمین...... نقل کتب وتراجم کے سلسلے میں جن حضرات نے نمایاں حصہ لیا ان کے اسماء حسب ذیل ہیں ۔ اصطفن، بطریق، ابن یحیٰ حجاج بن مطر، ابن ناعمہ عبدالمسیح حمصی، سلام الابرش، حسین بن بہریق، ہلال بن ابی ہلال حمصی، ابن لوی، ابو نوح بن الصلت، ابن رابطہ، عیسیٰ بن نوح، قسطان بن لوقا بعلبکی، حنین بن اسحاق، اسحاق، ثابت بن قسرہ، ابراہیم بن الصلت، یحیٰ بن عدی، عبداللہ بن المقفع، موسیٰ بن خالد، یوسف بن خالد، حسن بن سہل، بلاذری، منکہ، ابن وحشیہ، ابوالفرج، ابو سلیمان سنجری، یحیٰ نحوی، یعقوب بن اسحاق کندی، ابو سلیمان محمد بن بکیر مقدسی، ابو تمام یوسف بن محمد نیشاپوری، ابو زید احمد بن سہیل بلخی، ابوالحارث حسن بن سہل قمی، ابو حامد احمد بن محمد اسفرائنی، ابوزکریا یحیٰ صمیری، ابو نصر فارابی، طلحہ نسفی، ابوالحسن عامری، ابن سینا وغیرہ۔

تدوین ثانی...... مگر بقول علامہ لطفی صاحب حاشیہ مطالع یہ نقول وتراجم متخالف ومخلوط اور غیر ملخص وغیر محرر تھے جو حکیم فارابی کے زمانہ تک اسی طرح باقی رہے اور حکیم ابو نصر فارابی متوفی ۳۳۹ھ نے چوتھی صدی ہجری میں شاہ منصور بن نوح سامانی کے حکم سے دوبارہ اس کی تدوین کی اور اپنی کتاب کی تعلیم ثانی کے ساتھ موسوم کیا اور تقریباً دو درجن کتابیں تصنیف کیں۔ اسی لئے فارابی کو معلم ثانی کہتے ہیں۔ اس کی یہ کتابیں منصور کے کتب خانہ "صوان الحکمۃ" کی جو اصفہان میں تھا سلطان مسعود کے زمانہ تک زینت بنی رہی۔

تدوین ثالث...... اور چونکہ شیخ فارابی کی یہ کاوش بیاض تک نہ آسکی تھی صرف مسودہ ہی کے درجہ میں تھی اس لئے شیخ ابو علی حسین بن عبداللہ ابن سینا متوفی ۴۲۸ھ نے سلطان مسعود کے حکم سے اس کو تیسری بار باقاعدہ مدون کیا اور حکیم فارابی کی تصانیف سے اقتباس کر کے کتاب "الشفاء" وغیرہ تصنیف کی۔

فلسفہ ارسطو پر مسلم فلاسفہ کی تنقیدی نظر...... ارسطو کا فلسفہ چونکہ چند بنیادی مسائل مثلاً قدیم عالم میں اسلامی عقائد سے متصادم تھا اس لئے فلسفہ ارسطو پر ردو قدح کا آغاز اسلام میں ابتدائی زمانہ ہی سے ہو چکا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے یحییٰ نحوی نے ارسطو کے رد میں ایک کتاب لکھی۔ اس کے بعد نظام معتزلی نے اس کی ایک کتاب کا رد لکھا۔ پھر اسی زمانہ کے قریب ابو علی جبائی نے جو مشہور معتزلی تھا ارسطو کی کتاب کون و فساد کا رد لکھا۔ تیسری صدی میں حسن بن موسی نو بختی نے "کتاب الاراء والدیانات" لکھی۔ جس میں ارسطو کی منطق کے مہمات مسائل پر اعتراضات کئے جو متکلمین اسلام سے ماخوذ تھے۔ نو بختی کے بعد ابو بکر باقلانی نے "دقائق" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جس میں فلسفہ کا رد تھا۔ محمد زکریا رازی صاحب صد تصانیف متوفی ۳۲۰ھ (عہد منصور بن اسماعیل سامانی) نے فلسفہ ارسطو کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑادیں۔ پھر علامہ شہرستانی متولد ۴۷۹ نے برقلس اور ارسطو کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھی۔ اسی طرح امام غزلی نے "تہافت الفلاسفہ" میں نہایت جاندار اور طویل تنقید کی۔ لیکن ابوالبرکات بغدادی نے اس میں سب سے زیادہ ناموری حاصل کی اور بنی کتاب "المعتبر" میں ارسطو کے اکثر مسائل و خیالات کو غلط ثابت کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا مقصد صرف ردو قدح تھا اور وہ کسی مستقل فلسفہ کے بانی اور پیرو نہ تھے۔ لیکن شیخ شہاب الدین مقتول ۵۵۶ھ نے فلسفہ میں اپنا ایک مستقل طریقہ قائم کیا۔ جس کا نام انہوں نے فلسفہ اشراق رکھا۔ جو مشائیین یعنی ارسطو کے فلسفہ کے بالکل مخالف تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی کتاب "حکمۃ الاشراق" اور "مشارع مطارحات" میں فلسفہ ارسطو کے مسائل کی تردید کی، ان سب کے بعد امام رازی کی باری آئی تو انہوں نے اپنے اعتراضات کی کثرت سے فلسفہ ارسطو کی رہی سہی وقعت بھی خاک میں ملادی اور متاخرین کیلئے فلسفہ ارسطو پر ردو قدح کی ایک عام شاہراہ قائم کردی۔ علامہ ابن رشد، ابن تیمیہ، حرانی، نجم الدین نخجوانی، ابن سہلان اور افضل الدین خونجی وغیرہ نے اس میں نئی نئی باریکیاں پیدا کیں۔ اجتہادات کئے۔ آخر الذکر کی کتابیں دو سو سال تک داخل نصاب رہیں۔

جامعین حکمت و شریعت...... علامہ شمس الدین فناری، فاضل قاضی زادہ رومی، علامہ خواجہ زادہ، علامہ علی قوشجی، فاضل ابن المؤید، میر چلپی، علامہ ابن الکمال اور فاضل ابن الحنائی وغیرہ نے حکمت اور شریعت دونوں کو یکجا جمع کیا اور اس میں کتابیں تصنیف کیں۔

چونکہ علوم حکمیہ میں بہت سی چیزیں مخالف شرع تھیں جس کے پیش نظر بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آن ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

اس لئے علماء اسلامیین نے عقائد و کلام کی بنیاد ڈالی۔ البتہ متاخرین محققین نے فلسفہ کی وہی چیزیں لیں جو مخالف شرع نہ تھیں اور ان کو کلام کے ساتھ منضم کردیا۔ جس نے حکمت اسلامیہ کا نام پایا۔

کتب حکمت و فلسفہ...... فن مذکور میں شیخ بو علی ابن سینا کی شفاء، نجاۃ اشارات، عیون الحکمۃ، الحکمۃ القدسیہ، الحکمۃ المشرقیہ بہت پایہ کی کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ علامہ قزدینی کی عین القواعد بھی بہت عمدہ ہے اور فاضل اثیر الدین ابہری کی کتاب ہدایۃ الحکمۃ مشہور و متداول ہے۔ [1]

(۲۳) علم ہیئت

لغوی تحقیق...... لفظ ہیئت بروزن غیرت بمعنی صورت، شکل، ساخت، بناوٹ اور بمعنی حالت، کیفیت، طور، طریق وغیرہ استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع ہیئات بروزن خیرات آتی ہے۔

اصطلاحی معنٰی...... ہیئت وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے اجرام فلکی اور کرہ زمین کی گردش، کشش، ان کے باہمی بعدو

[1] از کشف الظنون، ابجد العلوم، ترجمان العلوم، دائرۃ المعارف، کتاب العقل، امام رازی وغیرہ ۱۲۔

مسافت اور ڈیل ڈول ساخت اور بناوٹ وغیرہ احوال وکیفیات معلوم ہوں۔ صاحب مدینۃ العلوم نے ہیئت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ ہیئت وہ علم ہے جس سے اجرام بسیطہ علویہ وسفلیہ کے احوال واشکال، اوضاع ومقادیر اور ابعاد معلوم ہوں۔ ارشاد القاصد میں بھی یہی مذکور ہے۔

وفی کشاف اصطلاحات الفنون، علم الهيئة هو من اصول الرياضی وهو علم يبحث فيه عن احوال للاجرام البسيطة العلوية والسفلية من حيث الكمية والكيفية والوضع والحركة اللازمة لها وما يلزم منها۔

پھر یہ علم کبھی تو براہین ہندسیہ کے ساتھ مذکور ہوتا ہے اور اصل بھی یہی ہے۔ جیسا کہ بطلیموس کی مجسطی میں مذکور ہے اور کبھی براہین سے مجرد کر لیا جاتا ہے اور صرف تصور و تخیل پر مبنی ہوتا ہے جس کو ہیئت بسیطہ کہتے ہیں۔ محقق نصیر الدین طوسی کی کتاب "التذکرۃ" اسی سے متعلق ہے۔

موضوع ہیئت...... بحیثیت مذکورہ اجرام فلکی اور کرہ زمین اس علم کا موضوع ہے۔

غرض وغایت...... اجرام فلکی اور کرہ ارض کی گردش، کشش، ساخت وغیرہ احوال نفس الامری کی معرفت ہے۔

تدوین ہیئت...... اس فن کا موجد تھیلز (تھیلیس۔ ثالیس ملطی) کہا جاتا ہے۔ جس کو اہل عرب طالیس کہتے ہیں۔ یہ حضرت مسیح سے ۶۶۰ برس قبل ہوا ہے اس نے زمین کو مرکز کائنات مانا اور سب سے پہلے حرکت کواکب کی مقدار معلوم کرنے کیلئے زیچ بنائی اور خسوف کی پیشین گوئی کی۔

تھیلز کے بعد حکیم فیثا غورث ۵۳۶ھ قبل مسیح اور افلاطون ۴۳۰ قبل از مسیح نے اس فن کو نہایت ترقی دی۔ فیثا غورث نے بجائے زمین کے آفتاب کو مرکز کائنات مانا مگر ان حکماء کی کوئی مستقل تصنیف نہیں معلوم ہو سکی۔ ان کے بعد ارسترخوس ۲۵۰ قبل از مسیح، ابرخس ۱۴۰ قبل از مسیح اور بطلیموس وغیرہ بڑے بڑے صاحب تصنیف ہیئت داں گذرے ہیں، انہوں نے فن مذکور کو باقاعدہ مدون کیا، ارسترخوس کی "الشمس والقمر" اور حکیم بطلیموس قلوزی کی "مجسطی"[1] وغیرہ کتابیں اس فن کی اولین تصنیفات ہیں۔ عہد اسلام میں مسلمانوں نے یہ کتابیں بہم پہنچائیں اور پھر ان کا عربی میں ترجمہ کیا۔

مجسطی بطلیموس...... مسلمانوں نے بطلیموس کی ہیئت کے ساتھ زیادہ اعتناء کیا۔ چنانچہ اس کو کتاب مجسطی کا ترجمہ بڑے اہتمام سے ہوا۔ سب سے پہلے یحیٰی بن خالد نے اس کے ترجمہ کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ بہت سے مترجمین نے اس کی فرمائش سے ترجمے اور تفسیریں لکھیں۔ اس کتاب کے کل ترجمے جو مقبول ہوئے ہیں تین ہیں۔ ایک حجاج بن مطر کا، دوسرا اسحاق کا، تیسرا ثابت بن قرہ کا۔ حکماء اسلام نے اس کتاب کا اختصار کیا۔ چنانچہ ابن سینا نے اس کا ملخص کر کے شفا میں اس کو جگہ دی، حکماء اندلس میں ابن رشد نے اور ابن افلح اور ابن الصلت نے کتاب الاقتصار میں اس کا خلاصہ لکھا، ابن فرغانی نے ہیئت میں سے براہین ہندسیہ کو حذف کر کے اس کا خلاصہ لکھا۔

اہل عرب اور علم ہیئت...... عربوں نے علم ہیئت میں بھی بہت زیادہ کام کیا۔ عربوں کا مشہور ہیئت داں محمد نہاوندی منصور کے عہد میں تھا، خلیفہ مامون کے عہد میں یحیٰی بن منصور اور خالد بن عبد الملک مشہور ہیئت داں تھے۔ انہوں نے اعتدالین، گرہن، دم دار تاروں اور سیاروں کی گردش کے متعلق جو مشاہدات کئے انہوں نے انسانی معلومات میں بہت نمایاں اضافہ کیا، ابو معاشر نے سیاروں کی گردش کا بہت مطالعہ کیا اس نے جو جدول مرتب کیا تھا وہ علم ہیئت کا بہت بڑا مبلغ ہے، موسیٰ بن شاکر ہارون رشید کے زمانہ کا بہت بڑا انجینئر تھا اور اس کے بیٹوں نے مامون، معتصم اور واثق کے عہد حکومت میں علم ہیئت میں بہت نام پایا تھا۔ انہوں نے سورج اور دوسرے سیاروں کی گردش کے متعلق بہت سی دریافتیں کیں، ابوالحسن علی بن ابی سعید منجم نے دوربین ایجاد کی، اسی عہد کا ایک نامور ہیئت داں بستانی تھا۔ اس کی فلکیاتی لوح کا لاطینی میں ترجمہ ہو کر صدیوں تک یورپ کی درسگاہوں میں رہا۔ الکوہی اور ابوالوفاء بھی اسی عہد کے مشہور ومعروف ہیئت داں

[1] كلمة يونانية معناها الترتيب اصله طاجستوس هو لفظ يونانی ونذكر معناه البناء الاكبر ۱۲۔

تھے۔ الکوہی نے سیاروں کی گردش کا مطالعہ کیا۔ راس السرطان اور راس الجدی سے متعلق جو معلومات اس نے بہم پہنچائیں وہ علم ہیئت میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ ابوالوفاء ۹۳۹ء میں خراسان میں پیدا ہوا اور ۹۵۹ء میں عراق میں متوطن ہو گیا جہاں اس نے خود کو ہیئت اور ریاضیات کے مطالعہ میں مصروف کیا۔ اس نے علم مثلث میں قاطع زاویہ اور فلکیاتی مشاہدات میں ظلّس کو رائج کیا۔ ابویونس حسن علاؤ الدین، ابن شاطر دمشقی اور عمر خیام وغیرہ نے بھی ریاضیات اور ہیئات میں نمایاں کام کیا۔ زیج ابن شاطر مشہور ہے۔

کتب ہیئت...... (۱) القانون المسعودی ...... از ابوالریحان محمد بن احمد بیرونی خوارزمی متوفی ۴۳۰ھ

(۲) التبصرہ...... از شمس الدین ابوبکر محمد بن احمد بن ابی بشر مروزی متوفی ۵۰۳ھ

(۳) التذکرۃ النصیریہ...... از محقق نصیر الدین محمد بن محمد طوسی متوفی ۶۷۲ھ

(۴) التحفۃ الشاہیہ......

(۵) نہایۃ الادراک...... از علامہ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی متوفی ۷۱۰ھ

(۶) الفتحیہ...... از علاؤ الدین علی بن محمد مشہور بقوشجی متوفی ۸۷۹ھ۔ [1]

(۲۴) علم اصطرلاب

لغوی تحقیق...... یونانی زبان میں اُصطُر (بضم اول وثالث) بمعنی ترازو اور لاب بمعنی آفتاب ہے۔ پس اصطرلاب کے معنی "آفتاب کی ترازو" ہوئے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ لفظ اَسْطر (بفتح اول وسکون سین جمع سطر) اور لاب سے مرکب ہے بمعنی سطرہائے آفتاب، حرف سین بمناسبت طاء صاد سے مبدل ہو کر اصطرلاب ہو گیا۔

فلاسفہ کی اصطلاح میں اصطرلاب ایک مدور آلہ ہے جو پیتل سے بنتا ہے۔ اس کے اندر کی جانب پیتل کے بہت سے اوراق اور ان اوراق پر بکثرت سے سطور وخطوط ہوتے ہیں۔ اس آلہ کے ذریعہ سے ہر شے کی بلندی وارتفاع معلوم کرتے ہیں۔ لیکن اشیاء میں چونکہ آفتاب ہی سب سے بڑا ہے اس لئے وہ اس کی طرف منسوب ہو کر اصطرلاب یعنی آفتاب کے سطور یا آفتاب کی ترازو کہلاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف...... علم اصطرلاب وہ علم ہے جس میں آفتاب، ستارے یا دیگر اشیاء کی بلندی دریافت کرنے کے قواعد اور احکام بیان کئے جائیں۔

موضوع علم اصطرلاب...... بحیثیت مذکورہ آلہ اصطرلاب اس علم کا موضوع ہے۔

غرض وغایت...... آفتاب اور ستاروں وغیرہ کی بلندی یا اجرام فلکی کے احوال مذکورہ کو دریافت کرنا۔

تدوین...... سب سے پہلے اصطرلاب کی ایجاد حکیم ارسطو ۳۸۴ قبل از مسیح اور حکیم بلنیاس نے کی ہے اور بقول بعض اس کا واضع حکیم ابرخس ۱۴۰ قبل از مسیح ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ حکماء یونان میں بطلیموس جو دوسری صدی عیسوی میں تھا پہلا شخص ہے جس نے آلہ اصطرلاب بنایا اور آلات نجوم تیار کئے۔ اس کے زمانہ میں بہت بڑے سامان سے رصد خانہ (ستاروں کے احوال معلوم کرنے کی جگہ) بنا اور اجرام فلکی کے حالات تحقیق کئے گئے۔

پھر حکیم ثاؤن جو اسکندریہ کا رہنے والا تھا اس نے آلات رصدیہ میں ذات الحلق اور اصطرلاب کے متعلق دو کتابیں لکھیں اور بطلیموس کی کتاب مجسطی کی ایک شرح بھی لکھی، اس کے علاوہ ایرن ۲۵۰ قبل از مسیح اور ایبون وغیرہ نے بھی

[1] از کشف الظنون، السحاب المرکوم، ترجمان العلوم، دائرۃ المعارف وغیرہ ۱۲۔

اصطرلاب پر کتابیں لکھیں جو بعد الاسلام عربی میں ترجمہ ہوئیں۔

(۲۵) علم حساب

لغوی معنی...... لغت میں حساب کے معنی شمار، گنتی اور قاعدہ وغیرہ کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف...... علم حساب اس فن کا نام ہے جس سے متفرق رقموں کو باہم جوڑنے یا تقسیم کرنے کے مخصوص طریقے، گنتی کے مختلف قواعد اور اعداد کے جملہ اقسام و مراتب معلوم ہوں۔

موضوع حساب...... علم حساب کا موضوع اعداد و مقادیر ہیں۔

غرض و غایت...... مقادیر کی جمع و تقسیم میں اور اعداد کے میزان لگانے میں غلطی واقع ہونے سے احتراز کرنا۔

اصول علم حساب...... حساب کے دو بڑے اصول ہیں۔ ضم و تفریق۔ ضم کے دو فروع ہیں جمع اور ضرب، تفریق کے بھی دو فروع باقی اور تقسیم ہیں۔ پھر یہ چاروں قاعدے جمع، باقی، ضرب، تقسیم کبھی اعداد صحیحہ میں جاری ہوتے ہیں اور کبھی غیر صحیحہ یعنی کسر میں اور کبھی جذر و کعب میں۔

حساب کی ضرورت اور اس کی خوبی...... یہ فن دراصل معاملات، حساب و کتاب کیلئے وضع ہوا ہے۔ شہروں میں اکثر و بیشتر بچوں کو اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بلکہ بچوں کی تعلیم کی بنیاد ہی اس پر رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ علم واضح البیان اور ثابت البرہان ہے۔ اس سے عقل صاف ہوتی ہے اور سمجھ منجھ جاتی ہے۔ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ جس نے اپنی تعلیم کی ابتداء حساب سے کی وہ سچائی کا عادی ہوا۔ کیونکہ حساب میں ان صحیح و درست اور جچے تلے اصول سے کام لیا جاتا ہے جن میں جھوٹ اور غلطی کا امکان ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کی ممارست سے انسان کے خلق و طبیعت میں سچائی بیٹھ جاتی ہے اور اس کو وہ مذہبیت کا رنگ دیتا ہے۔

تدوین...... فن حساب حکمت نظری میں سے ریاضیات کی ایک شاخ ہے جس کی بنیاد غالباً حکماء یونان ہی کے ہاتھوں پڑی۔ پھر رفتہ رفتہ اور ملکوں میں اس نے رواج پکڑ لیا۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ جبر و مقابلہ و حساب اگرچہ مسلمانوں نے گویا خود ایجاد کیا کیونکہ مسلمانوں سے پہلے اس کی ابتدائی حالت ایسی تھی کہ اس پر فن کا لفظ صادق نہیں آسکتا تھا اور اس بات کا تمام یورپ اعتراف کرتا تھا۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یونانیوں نے بھی اس فن میں کچھ کتابیں لکھیں اور وہ عربی میں ترجمہ کی گئیں۔

سب سے اول جس نے یونان میں اس کے متعلق کچھ لکھا وہ ابرخس ۱۴۰ قبل از مسیح مشہور ریاضی داں تھا۔ سیارات کی حرکت چھ سو برس مابعد تک خسوفا کی تاریخیں، ستاروں کے فاصلے، اجرام فلکی کی فہرست ان مضامین پر اس نے بہت سے رسالے لکھے۔ اس کی ایک کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ جس کا نام "قسمۃ الاعداد" ہے۔

حساب کے متعلق عام طور مسلم ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے لیا اور یہی وجہ ہے کہ وہ رقوم و اعداد کو ہندی طریقے سے لکھتے ہیں۔ تاہم یونان کی تصنیفات بھی مسلمانوں نے بہم پہنچائیں۔

سب سے قدیم تصنیف فیثاغورث کی "ارتماطیقی" ہے۔ نیقوماحس جو حکیم ارسطو کا باپ اور بہت بڑا موسیقی داں تھا اس نے بھی اس فن میں کتابیں لکھیں۔ مسلمانوں نے آغاز اسلام میں یونانی تصانیف بہم پہنچا کر ان سے واقفیت حاصل کی اور عربی میں ان کا ترجمہ بھی کیا۔ [1]

---

[1] بحوالہ کتاب الفہرست، دائرۃ المعارف ۱۲۔

(۲۶) علم ہندسہ

لغوی معنی...... لغت میں لفظ ہندسہ کے معنی قیاس، حد، حساب، شکل، عدد، رقم اور مقدار وغیرہ کے ہیں۔
اصطلاحی تعریف...... علم ہندسہ وہ علم ہے جس سے مقادیر ولواحقات مقادیر کے احوال واوضاع وباہمی نسبتیں اور اشکال کی خاصیتیں معلوم ہوں۔
موضوع...... مقادیر مطلقہ میں خواہ متصلہ ہوں جیسے خط، سطح، جسم تعلیمی اور اس کے لواحقات زاویہ اور نقطہ یا منفصلہ ہوں جیسے اعداد، انہیں کے عوارض ذاتیہ زیر بحث آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہر مثلث کے ہر سہ زاویئے دو قائموں کے برابر ہوتے ہیں، دو متوازی خطوں کو جہاں تک بھی کھینچئے وہ آپس میں نہیں مل سکتے، دو تقاطع کرنے والے خطوں کے متقابل زاویئے ہمیشہ برابر ہوں گے۔ اربعہ (چار) میں مقدار متناسبہ ہوتی ہے، اول وثالث کے ضرب ثانی ورابع کی ضرب میں ایک ہی نسبت ہوتی ہے۔
غرض وغایت...... مقادیر اور کمیات کے احوال مذکورہ معلوم کرنا۔
تدوین...... اس فن کا موجد اول تھلیز ہے جو (۶۶۰) برس قبل از مسیح تھا۔ دائرہ اسی کی ایجاد ہے اور اقلیدس کے تیسرے مقالے کی شکل بھی جو کہ زاویہ نصف دائرہ میں ہوتا ہے اسی کی ایجاد ہے، اس کے بعد انگزیگورس نامی حکیم نے بھی کچھ مسائل کا اضافہ کیا۔ جن میں دائرہ کی تربیع بھی تھی۔ لیکن ان حکماء کی تصانیف مسلمانوں کو نہیں مل سکیں کیونکہ یہ اسلام سے بہت ہی پہلے ناپید ہو چکی تھیں۔
اس سلسلہ میں سب سے مقدم تصنیف جو مسلمانوں کو دستیاب ہوئی وہ اقلیدس کی تصنیف ہے جو ۲۷۲ برس قبل از مسیح تھا اسی نے اسکندریہ میں ریاضی مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی۔
تحقیق اقلیدس...... یونانی زبان میں "اقلی" بمعنی کنجی اقدس بمعنی ہندسہ (حساب) ہے تو اقلیدس کے معنی "حساب کی کنجی" ہوئے چونکہ یہ شخص علم ہندسہ کا بڑا شائق تھا۔ اس لئے اس کا نام اقلیدس ہو گیا۔
کتاب اقلیدس...... علم ہندسہ میں اس کی کتاب "اقلیدس" کے نام سے مشہور ہے جس کا دوسرا نام کتاب الاصول اور کتاب الارکان بھی ہے، بسط وشرح مسائل کے لحاظ سے یہ کتاب طلبہ کیلئے نہایت موزوں اور مناسب ہے اور یہی وہ کتاب ہے جو یونانی کتب میں سب سے پہلے ترجمہ ہو کر ابو جعفر منصور کے زمانہ میں آئی، مختلف مترجمین کے اعتبار سے اس کے مختلف نسخے رائج ہیں۔ ان میں حنین بن اسحاق، ثابت بن قرہ اور یوسف بن حجاج کے ترجمے زیادہ شہرت پکڑ گئے ہیں۔
کتاب اقلیدس پندرہ مقالوں پر مشتمل ہے۔ چار میں سطح سے بحث ہے، ایک میں مقادیر متناسبہ کا بیان ہے۔ ایک میں سطحوں کی آپس کی نسبت کا ذکر ہے، تین میں عدد کا بیان ہے، ایک میں جذر ومجذورات کی شرح ہے اور پانچ میں مجسمات کی۔
ملخصات وشروح اقلیدس...... لوگوں نے اس کتاب کا اختصار بھی لکھا ہے، چنانچہ ابن سینا نے کتاب الشفاء کا ایک حصہ اسی کیلئے وقف کیا ہے۔ اسی طرح ابن الصلت نے کتاب الاقتصار میں اس کا ملخص لکھا ہے، نیز علماء نے اس کی شرحیں بھی بکثرت لکھی ہیں۔ جن میں یزیدی، جوہری، ماہانی، ابو حفص خراسانی، ابوالوفا جوزجانی، ابوالقاسم انطاکی، احمد بن محمد کرابیسی، ابو یوسف رازی، قاضی عبدالباقی بغدادی، ابو علی حسن بن ہیثم مصری، ابو جعفر اہوازی، ابوداؤد سلیمان بن عقبہ کا نام خصوصیت سے لیا گیا ہے۔ ان میں قاضی عبدالباقی کی شرح نہایت بسیط ہے۔ اس نے اشکال کی مثالیں اعداد سے دی ہیں۔
اقلیدس کے بعد...... دو نامور فاضل اور گذرے ہیں جنہوں نے فن مذکور کو کمال تک پہنچایا۔ ایک ارشمیدس جو غالباً ۲۵۷ برس قبل از مسیح پیدا ہوا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے ہندسہ کو عملی طور پر برتا اور بہت سے مفید آلات ایجاد کئے۔ دوسرے کا نام ابلونیوس ہے۔ اس نے فن مذکور کو بہت زیادہ ترقی دی، عہد اسلام میں ان حکماء مہندسین کی اکثر تصانیف کا

مسلمانوں نے ترجمہ کیا اور شرحیں لکھیں جواب بھی عربی زبان میں موجود ہیں۔
علم ہندسہ اور اس کی خوبی...... علم ہندسہ عقل کو روشن اور فکر کو استوار کرتا ہے کیونکہ اس کے دلائل و براہین سب کے سب ایسے بہتر انتظام و ترتیب سے پیش کئے جاتے ہیں کہ ان میں غلطی کا احتمال ہی نہیں ہوتا، کہتے ہیں کہ افلاطون کے گھر کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا کہ جو شخص علم ہندسہ سے ناواقف ہو وہ اس گھر میں نہ گھسے۔
فروع ہندسہ...... علم ہندسہ کی بہت سی شاخیں ہیں جیسے علم کرہ مخروط جس میں یونانیوں کی دو کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔ ایک ثاؤذوبوس کی کتاب دوسری مالاوش کی، مساحت جس کے ذریعہ زمین کی پیمائش ہوتی ہے اور خراج و لگان مقرر کرتے وقت بھی اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مسلمانوں نے اس پر بھی اچھی اچھی کتابیں لکھی ہیں۔ مناظر جس سے ادراک بصری میں غلطی کے اسباب مع کیفیت وقوع دریافت ہوتے ہیں۔ [1]

(۲۷) علم طب

لغوی معنی...... طب (بحرکات ثلثہ) لغت میں بمعنی جسمانی اور روحانی علاج، نرمی اور جادو ہے، طبہ (ن۔ض) طبا علاج کرنا وطب الرجل جادو کر دیا گیا، نیز طب بمعنی ارادہ، خواہش، حال، شان اور عادت بھی استعمال ہوتا ہے۔ یقال فلان طبہ الجون فلاں کی عادت مذاق کی ہے۔
اصطلاحی تعریف...... علم طب وہ علم ہے جس میں جسمانی امراض کے علاج معالجہ کا بیان اور تدابیر حفظان صحت مذکور ہوں
موضوع...... طب کا موضوع بدن انسان یا ابدان ذی روح ہے۔
غرض و غایت...... حفظ صحت کے اصول اور امراض سے شفاء حاصل کرنے کی تدابیر معلوم کرنا باالفاظ دیگر جسمانی امراض کی زد سے بچنا۔
تاریخ طب...... تاریخ طب کے متعلق اختلاف ہے، بعض اس کو قدیم مانتے ہیں اور بعض حادث، لیکن چونکہ علم طب کا موضوع جسم انسانی ہے جو دیگر اجسام کی طرح حادث ہے۔ اس لئے علم طب بھی حادث ہوگا۔ پھر اس کی ابتداء کے متعلق بھی دو مختلف خیال ہیں۔ ایک فریق کا خیال ہے کہ یہ الہامی ہے اس لئے وہ اس کی ابتداء کو مختلف انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت آدمؑ کو یہ علم معلوم ہوا اور ان سے حضرت شیثؑ کو، بعض کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کو الہام کے ذریعہ یہ علم سکھایا گیا، یہودی اس کو حضرت موسیٰؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں، مجوسی اپنے پیغمبر زرتشت کی طرف اور ہندو لوگ برہماجی کی طرف، دوسرا فریق یہ کہتا ہے کہ علم طب جو کہ علم حکمت کی ایک شاخ ہے انسانی دماغ کی متواتر محنتوں کا ایک بہترین نمونہ اور قوت تفکر و تحقیق کا ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔
ہندی طب...... ہندو لوگ جو اس کو الہامی مانتے ہیں وہ اس کی ابتداء برہماجی سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ برہماجی رشی نے برہم سنگھتا بنائی۔ اس دے دکھش پرجاپتی نے اس علم کو سیکھا اور دکھش سنگھتا بنائی، ان سے ادنی کے جوڑے بیٹوں اشونی کماروں نے یہ علم پڑھا، انہوں نے مہاراج اندر کو سکھایا، مہاراج سے بھاردواج رشی نے سیکھ کر سب رشیوں کو سکھایا، ان میں سے اتریہ رشی نے اپنے چھ شاگردوں اگنی، دیش، بھیل، جتوکرن، پراشر، ہاریت، کشارپانی کو سکھایا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے نام پر اس علم کی ایک ایک کتاب لکھی۔
کچھ مدت کے بعد مہارشی چرک پیدا ہوئے جنہوں نے مذکورہ کتب کا مطالعہ کر کے چرک سنگھتا نامی کتاب لکھی جو اس علم کی نہایت مستند اور قدیمی کتاب مانی جاتی ہے۔

---

[1] از عالم گیر خدمات، مقدمہ ابن خلدون، ترجمان العلوم ۱۲۔

چرک کے بعد کاشی کے مہاراج دیوداس یادھن ونتری حضرت مسیحؑ سے کئی سو برس پہلے ہوئے جن کے بہت سے شاگرد تھے۔ جن میں سے سشرت بھی ہے اس نے سشرت سنگھتا کے نام سے علم ویدک پر ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی۔ بارہویں صدی مسیحی میں بمقام گولکنڈہ مادھواچاریہ پیدا ہوا جس نے مختلف علوم پر چند کتابیں لکھنے کے علاوہ علم ویدک پر شارنگ دھر کتاب لکھی، ان کے بعد ترہری نے چورامنی یارلج نگھنٹو کے نام سے مفردات ویدک پر ایک نہایت بسیط کتاب لکھی۔

چینی طب...... اہل چین کے خیال کے مطابق ادویہ کے استعمال کا رواج دینے والا پہلا شخص شہنشاہ ہوانگ ٹی ہوا ہے جس کا زمانہ سلطنت حضرت مسیح سے ۳۶۸۷ سال قبل تھا اس سے دیگر اشخاص نے اس علم کو حاصل کیا اور ترقی دیکر خاص خاص قواعد تشخیص واصول علاج اختراع کئے۔

قدیم چینی اطباء نبض شناسی اور تشخیص امراض میں خاص واقفیت رکھتے تھے لیکن تشریح وجراحی سے وہ ناواقف تھے۔ البتہ علم الادویہ سے ان کو خاصی واقفیت تھی، بہر کیف علم طب کو مجموعی حیثیت سے ملک چین میں کچھ ترقی نصیب نہیں ہوئی۔

بابلی طب...... بعض مورخین کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اہل بابل نے علم طب کی ابتداء کی تھی۔ چنانچہ بابل اور نینوا کے کھنڈرات سے جو زمانہ قدیم کی خشتی کتابیں نکلی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداء میں تو وہاں علاج کا طریق جھاڑ پھونک اور گنڈے تعویز تک ہی محدود تھا لیکن رفتہ رفتہ وہاں پر یہ رواج پڑ گیا کہ مریض کو چوراہے پر لٹادیتے تھے اور جو راہرو وہاں سے گذرتا اس سے مریض کا حال کہہ کر علاج پوچھا جاتا تھا۔ اگر اس کو کوئی علاج معلوم ہوتا تو وہ بتادیتا تھا اس طرح جو موثر دوائیں اور علاج ان کو معلوم ہوتے رہے ان کو وہ تانبے یا چاندی کی تختیوں پر لکھ کر انہیں اپنے دیوتا (بت) کے گلے میں ڈال دیتے تھے۔

لندن کے عجائب خانے میں جو آسوریہ کی ایک خشتی کتاب نامکمل حالت میں موجود ہے اور حضرت مسیحؑ سے سات سو سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے وہ ایک قدیم اور مستند کتاب کی نقل ہے۔ جسے بوابسیہ کے طبی مدرسہ کے بعض اساتذہ نے مرتب کیا تھا۔ اس کتاب میں اکثر طویل نسخجات اور ایک ایک مریض کے کئی کئی نسخے لکھے ہوئے ہیں۔

عبرانیوں اور بنی اسرائیل میں حضرت داؤدؑ کے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ جو ۱۵۱۴ سال قبل از مسیح تخت نشین ہوئے تھے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خواص نباتات وحیوانات کا بیان کیا۔ نیز آسینہ میں حضرت مسیحؑ سے دو سو سال قبل ایک گروہ علم طب کی تعلیم میں مشغول تھا۔ جس نے بعض نباتی اور جمادی ادویہ کا بیان کیا۔

مصری طب...... مصر میں بعض قدیم شہروں کے دبے ہوئے کھنڈرات کو کھودنے سے ایسے ایسے کتبات وتحریرات برآمد ہوئیں جن سے قدیم مصریوں کے تمدن ومعاشرت اور علمی ترقیات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ قدیم مصری پے پی رس (بردی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب) اور اے برس پے پی رس جو حضرت مسیحؑ سے ۱۶۰۰ برس پہلے کی لکھی ہوئی ایک نہایت اہم اور مکمل تحریر ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قدیم مصری بادشاہ آتھوسس نے جس کا زمانہ حیات مسیحؑ سے ۶۰۰۰ سال قبل کا ہے علم طب پر ایک کتاب لکھی تھی، لیکن اس تحریر سے یہ بھی منکشف ہوتا ہے کہ قدیم ایام میں ملک مصر میں طب محض ایک علم تسخیر یا جادوگری تھا، اسی لئے طب کے لغوی معنی ہیں جادو یا جادو کرنا۔

اگرچہ ملک مصر میں علم طب کی ابتداء محض باطل پرستی سے شروع ہوئی تھی لیکن امتداد زمانہ سے اس میں رفتہ رفتہ ترقی ہوتی گئی۔ چنانچہ شیخ المورخین ہیرو ڈوٹس یونانی جس نے حضرت مسیحؑ سے ۴۰۰ھ سال قبل ایشیائے، کوچک ایران، شام اور مصر کا بہت بڑا سفر کیا تھا وہ مصریوں کے اس وقت کے نظام طب کی بہت تعریف کرتا ہے۔

یونانی طب...... یونان میں علم طب کی ابتداء "اسقلیبوس" سے ہوئی جس کو اہل یونان ابوالطب کہتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس پر یہ فن خدا کی طرف سے الہام ہوا تھا، اسقلیبوس نے اپنی اولاد کو اس فن کی زبانی تعلیم دی اور اس کے خاندان میں بڑے بڑے نامور حکماء اور اطباء پیدا ہوئے۔

فیثاغورث جو حضرت مسیح سے ۵۸۰ سال قبل ہوا ہے اس نے اس فن کو رواج دیا۔ لیکن ابھی تک اس کی باقاعدہ تدوین نہیں ہوئی تھی۔ اسقلیبوس کی سولھویں نسل میں تقریباً ۴۶۰ برس قبل از مسیح حکیم بقراط پیدا ہوا جو یونانیوں میں وہ پہلا شخص ہے جس نے دیگر علوم کی طرح فن طب کو باقاعدہ مرتب کیا اس پر کتابیں لکھیں، اس کی تعلیم کو عام کیا، بقراط کے بعد ارسطاطالیس حکیم ہوا جس کی علمی تحقیقات اور کوششوں سے علم طب میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ ارسطو کے بعد حکیم جالینوس نے اپنے اور اسکندریہ کے بعض اور نامور اطباء نے علم طب پر حکیم ثاؤفرسطس یونانی اور دیسقوریدوس یونانی نے علم الادویہ پر نہایت ہی قابل قدر کتابیں لکھیں۔ بلکہ دیسقوریدوس کو تو ادویہ مفردہ کی تحقیقات کا موجد اور بانی کہا جاتا ہے۔ جو بجائے خود صحیح ہے۔

یونانیوں کے نزدیک فن طب کے آٹھ ارکان ہیں اول اسقلیبوس اور آخر جالینوس، ان کے درمیان میں غورس ہینس، برمانیدس، افلاطون، اسقلیبوس دوم اور بقراط تھے ان کے علاوہ اور بہت سے اصحاب تصنیف اطباء گزرے ہیں مگر ان کو ارکان نہیں کہا جا سکتا۔

رومی طب...... ابتداء میں تو اہل روم میں جھاڑ پھونک اور گنڈے تعویذ سے ہی امراض کا علاج کرتے تھے۔ لیکن جب وہاں پر تہذیب میں ترقی ہوئی تو انہوں نے یونانیوں سے علم طب کو سیکھا چنانچہ حضرت مسیح سے ۲۱۸ سال قبل حکیم ارخع طوس یونانی ترک وطن کر کے روم میں جا بسا تھا۔ جس کے بعد اور بھی کئی ایک یونانی طبیب وہاں جا آباد ہوئے۔ لیکن سب سے پہلا رومی حکیم کلوس ہے جو ایک فاضل شخص تھا اور جس نے علم طب کی تاریخ بھی لکھی تھی، اس نے مختلف طبی اصول و قیاسات کا بڑی قابلیت سے مقابلہ کیا ہے۔ ان کے عیب و صواب پر نقادانہ نظر ڈالی ہے اور بقراطی و اسکندری اطباء کے طبی لٹریچر پر نہایت خوبی سے بحث کی ہے۔

کلسوس کے بعد دوسری صدی مسیحی میں ایک اور نامور رومی حکیم سرنوس ہوا ہے جس نے امراض النساء پر ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی تھی اور آلہ "سپیکولم دے جائنی" کا موجد یہی حکیم ہے۔

لیکن تاریخ طب میں حکیم پلائنی رومی کا نام محسنین طب کی فہرست میں درج ہے۔ یہ شخص اگرچہ طبیب نہ تھا مگر اپنے وقت کا بے مثل عالم طبیعیات تھا اس نے نیچرل ہسٹری یعنی تاریخ طبیعیات کے نام سے ایک ایسی عمدہ کتاب لکھی جو اپنی خوبیوں کے سبب سے شہرہ آفاق ہوئی اور تمام یورپی زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے، اس محسن طب کا زمانہ حیات ۲۳ء سے ۷۹ء تک ہے۔

اسلامی طب...... مسلمانوں کے عروج اور زمانہ ترقیات میں طب کو بہت ترقی ہوئی۔ مسلمانوں نے طب کے تمام تردیرینہ سرمایہ کو بہم پہنچا کر سب کو عربی میں منتقل کیا اور اس میں بہت کچھ اضافہ اور اصلاح و ترمیم بھی کی۔ دمشق میں مسیحی اور یہودی استادوں کی مدد سے یونانی طب کی تعلیم میں پوری کوشش کی گئی، بغداد میں خلیفہ ہارون رشید اور اس کے جانشینوں کی سرپرستی میں ایک بڑا دار العلوم بنا جو مدتوں تک بہت اچھی حالت میں رہا وہاں اکثر یونانی طبی کتب کے نیز چند ہندی کتب کے عربی میں تراجم ہوئے۔

دولت امویہ اور دولت عباسیہ میں بقراط اور جالینوس وغیرہ اطباء یونان کی بہت سی کتابیں طبی درس گاہوں میں داخل درس تھیں اور اب بھی وہ عرب و مصر اور یورپ وغیرہ کے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔

اسلامی طب کا عروج ابو بکر محمد بن زکریا رازی ۸۵۰ء سے شروع ہوتا ہے جس نے بغداد میں تحصیل علوم کی، اور علم طب کو حکیم ابوالحسن بن زید طبری صاحب کتاب فردوس الحکمۃ سے تحصیل کیا، رازی کی تصنیفات کوئی سو سے زیادہ ہیں۔ لیکن علم طب پر اس کی "حاوی کبیر" نہایت عمدہ کتاب ہے۔ جس کی شہرت آج تک قائم ہے۔

رازی کے بعد شیخ ابو علی ابن سینا ہے۔

دسویں یا گیارہویں صدی مسیحی میں ابوالقاسم زہراوی مشہور طبیب گذرا ہے جس نے "التصریف" کے نام سے ایک طبی قاموس لکھی ہے اور بارہویں صدی مسیحی میں لاطینی زبان میں اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ اس کتاب کے ایک باب میں فن جراحی کا خاص طور پر ذکر ہے جو مدت تک یورپ میں بہت مستند شمار ہوتا رہا۔

ابو مروان عبدالملک بھی نہایت مشہور حکیم گذرا ہے جس کا زمانہ حیات ووفات ۱۱۱۳۔۱۱۶۲ء تک ہے۔ اس کی سب سے بڑی کتاب التیسیر ہے، اس کے بعد اس کا شاگرد رشید ابوالولید محمد بن احمد بن رشد (۱۱۲۶۔۱۱۹۸ء) بڑا حکیم ہوا اس نے فلسفہ اور طب پر چند کتابیں لکھیں۔ چنانچہ اسلامی فلسفہ کو اس کے نام کے ساتھ خاص تعلق ہے۔

ان کے علاوہ اور سینکڑوں اسلامی نامور اطباء ہو گزرے ہیں۔ مثلاً ابن بیطاء، داؤد انطاکی، ابو علی بن عیسی ایلاقی، علی بن عباس، قرشی، سمرقندی، ارزانی، مومن وغیرہ۔

(۲۸) علم التاریخ

لغوی معنی...... اَرَّخَ تَارِیْخًا و آرَخَ موارختہ۔ الکتاب، تاریخ نکالنا، التاریخ وقت کا بیان کرنا، تاریخ الشیٔ کسی چیز کے چیز کے واقع ہونے کے وقت۔ ج تواریخ

اصطلاحی تعریف...... علم تاریخ اصطلاحاً اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ بادشاہوں، نبیوں، فاتحوں اور مشہور شخصوں کے حالات اور گذرے ہوئے مختلف زمانوں کے عظیم الشان واقعات و مراسم وغیرہ معلوم ہوسکیں اور جو زمانہ گزشتہ کی معاشرت، اخلاق، تمدن وغیرہ سے واقف ہونے کا ذریعہ بن سکے۔ (تاریخ اسلام)

ایک بڑے مصنف نے تاریخ کی یہ تعریف کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا تھا۔ ان دونوں کے مجموعے کا نام تاریخ ہے۔

ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے کہ تاریخ ان واقعات اور حالات کا پتہ لگانا ہے جن سے دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ گزشتہ زمانہ سے کیونکر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا، یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ دنیا میں جو تمدن، معاشرہ، خیالات، مذاہب موجود ہیں سب گزشتہ واقعات کے نتائج میں جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہیئے تھے۔ اسلئے ان گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور ان کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا۔ اسی کا نام تاریخ ہے۔ (الفاروق)

بعض کہتے ہیں کہ "تاخیر" کے جزو آخر کو مقلوب کر کے لفظ تاریخ بنایا گیا ہے اور تاخیر کے معنی ہیں۔ اولین وقت کا آخرین وقت کے ساتھ نسبت دینا مثلاً یہ بتلانا کہ فلاں مذہب یا فلاں سلطنت یا فلاں معرکہ فلاں وقت میں ظاہر ہوا تھا جو واقعات خاص اس وقت میں ظہور پذیر ہوئے اس سب کو معلوم کرنے کا مبداء یہی وقت ہوتا ہے۔ ان تعریفات کا خلاصہ کر کے یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو حالات واخبار بقید وقت لکھے جاتے ہیں۔ ان کو تاریخ کہتے ہیں۔ (تاریخ اسلام)

تاریخ کی عظمت اور اس کے فوائد...... تاریخ ایک بلند مرتبہ شعبہ علم اور کثیر الفوائد وخوش نتاج فن ہے۔ کیونکہ وہ ہم کو سابق امتوں کے اخلاقی حالات، انبیاء علیہم السلام کی پاک سیرتوں اور سلاطین کی حکومتوں اور ان کی سیاستوں سے روشناس کرتا ہے تاکہ جو شخص دینی ودنیوی معاملات میں ان میں سے کسی کی پیروی کرنا چاہے تو اس کا دامن فائدہ سے خالی نہ رہے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

آغاز تاریخ...... رومیوں اور یونانیوں کے دور بالخصوص سکندر اعظم کی فتوحات سے تاریخ کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے جس نے دنیا کے اکثر ملکوں کے حالات کو اس طرح ہمارے سامنے پیش کیا کہ سلسلہ کو درمیان سے منقطع ہونے کی بہت کم نوبت آتی ہے اور عام طور پر یہیں سے تاریخ زمانہ کی ابتداء سمجھی جاتی ہے۔ (تاریخ اسلام)

عرب میں تاریخ کی ابتداء...... عہد اسلام میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتداء ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا۔ اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے جو کتاب لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ متوفی ۶۰ھ کے زمانہ مین عبید بن شریہ ایک شخص تھا۔ جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا اور اس کو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ نے اسکو صنعاء سے بلایا اور کاتب و محرر متعین کئے کہ جو کچھ بیان کرتا جائے قلم بند کرتے جائیں۔

علامہ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کا نام "کتاب الملوک واخبار الماضیین" لکھا ہے۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جس کا مسودہ امیر معاویہ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد عوانہ بن الحکم متوفی ۱۴۷ھ کا نام قابل ذکر ہے۔ جو اخبار وانساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنوامیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی، ۱۱۷ھ میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر عربی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

۱۴۳ھ۔ جب تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ نے منصور عباسی کیلئے خاص سیرت نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مورخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف کلبی اور واقدی زیادہ مشہور ہیں۔

قدیم مورخین اور ان کی تصنیفات......

(۱) عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی ان کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اس کی مشہور کتاب معارف" ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ چکی ہے۔ یہ کتاب گو مختصر ہے مگر اس میں ایسی مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی مستند کتابوں میں نہیں ملتیں۔ "تاریخ ابن قتیبہ" کے نام سے اس کا اردو ترجمہ ادارہ درس قرآن دیوبند سے شائع ہوا ہے۔

(۲) ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۸۱ھ۔ یہ بھی بہت مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب کا نام "الاخبار الحال" ہے۔ اس مین خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں۔

(۳) محمد بن سعد کاتب واقدی متوفی ۲۳۰ھ۔ نہایت ثقہ اور معتمد مورخ ہے۔ اگرچہ اس کا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے، اس نے ایک کتاب آنحضرت ﷺ، صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند لکھا ہے۔

(۴) احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مورخ ہے، اس کی کتاب جو تاریخ یعقوبی کے نام سے مشہور ہے شہادت دیتی ہے کہ یہ بڑے پایہ کا مصنف ہے۔

(۵) احمد بن یحیٰی البلاذری متوفی ۲۷۹ھ۔ ابن سعد کا شاگرد اور متوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر اور صحت روایت محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے، تاریخ و رجال میں اس کی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان۔ اس میں بلاد اسلامیہ کے متعلق ابتداء فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ انساب الاشراف۔ یہ تذکرہ کے طور پر ہے۔ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات بھی ہیں۔

(۶) ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۲۱۰ھ۔ یہ حدیث اور فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ تاریخ میں ان کی نہایت مفصل کتاب تیرہ ضخیم جلدوں میں ہے۔

(۷) ابوالحسن علی بن حسین مسعودی متوفی ۳۴۵ھ۔ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہوئیں، یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب، دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ (الفاروق)

تاریخ کے ماخذ...... تاریخ کے ماخذوں کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) آثار مضبوط۔ یعنی تمام لکھی ہوئی چیزیں مثلاً کتابیں، یادداشتیں، دفتروں کے کاغذ، پروانے، فیصلے، دستاویزیں وغیرہ۔

(۲) آثار منقولہ۔ یعنی زبان زد باتیں مثلاً کہانیاں، نظمیں، ضرب الامثال وغیرہ۔

(۳) آثار قدیمہ۔ یعنی پرانے زمانے کی نشانیاں۔ مثلاً شہروں کے خرابے، قلعے، مکانات، کتبے، تصویریں، ہتھیار، سکے وغیرہ۔

اقسام تاریخ...... مختلف اعتبارات سے تاریخ کی بہت سی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً باعتبار کمیت دو قسمیں عام اور خاص ہو سکتی ہیں۔ عام تاریخ وہ ہے جس میں ساری دنیا کے آدمیوں کا حال بیان کیا جائے۔ خاص وہ جس میں کسی ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کی سلطنت کا حال بیان کیا جائے۔

باعتبار کیفیت تاریخ کی دو قسمیں ہیں۔ روایتی اور درایتی۔

روایتی تاریخ وہ ہوتی ہے جس میں راوی کا بیان اس کے مشاہدہ کی بناء پر درج کیا گیا ہو اور اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے متعلق قابل قبول اور تسکین بخش روایتیں مورخ کو حاصل ہو گئی ہوں، یا مورخ نے براہ راست اس واقعہ کو خود مشاہدہ کیا ہو۔ ایسی تاریخیں سب سے زیادہ مفید اور قابل قدر سمجھی جاتی ہیں۔

درایتی تاریخ اس کو کہتے ہیں جو محض آثار قدیمہ منقولہ اور عقلی ڈھکوسلوں کے ذریعہ ترتیب دی گئی ہو اور ہم عہد مورخ یا ہم عہد راوی کا بیان اس کے متعلق مطلق دستیاب نہ ہو سکتا ہو جیسے قدیم مصر، قدیم عراق، قدیم ایران کی تاریخیں آج کل لکھی گئی ہیں، ان تاریخوں سے یقینی علم میسر نہیں ہو سکتا۔

تاریخی زمانے...... بعض مورخین نے تاریخ کو تین زمانوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) قرون اولے (۲) قرون واسطے (۳) قرون متاخرہ۔

قرون اولی میں ابتداء عالم سے سلطنت سے روما کے آخر تک کا زمانہ شامل ہے اور قرون وسطے میں سلطنت روما کے آخر زمانہ سے قسطنطنیہ کی فتح کا زمانہ۔ (تاریخ اسلام)

تاریخ کیلئے کیا کیا چیزیں لازم ہیں...... تاریخ کیلئے دو باتیں لازم ہیں۔ ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے اس زمانہ کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کئے جائیں۔ یعنی تمدن، معاشرہ، اخلاق، مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔ (الفاروق)

بہترین مورخ...... بہترین مورخ وہ ہوتا ہے جو سالم العقیدہ اور پاک مذہب ہو جو کچھ لکھے وہ بیان واقعی ہو۔ نہ کسی بات کو چھپائے نہ کوئی غلط بات اپنی طرف سے بڑھائے، نہ کسی کی خوشامد کرے، نہ کسی سے عداوت رکھے۔ اس کی عبادت سادہ، عام فہم اور بے ساختہ ہو، وہ امانت و دیانت میں ممتاز ہو اور صدق مقال و حسن اعمال میں خصوصی امتیاز رکھتا ہو۔ (تاریخ اسلام)